تذکرہ علمائے پنجاب

مطبوعہ

(۱۲۰۱ھ — ۱۴۰۰ھ)

جلد دوم

اختر راہی

مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار لاہور
۱۴۰۰ھ
۱۹۸۰ء

کتاب : علمائے پنجاب

تالیف : اختر راہی

طباعت : ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء (بار اوّل)

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

صفحات : ۸۶۰

قیمت : صفر روپے

ناشر : مقبول الرحمان، مکتبہ رحمانیہ۔لاہور

سیّد غلام حیدر علی شاہ جلال پوری

سیّد غلام حیدر علی شاہ بن سیّد جمعہ شاہ ۳ر صفر ۱۲۵۴ھ/۲۶ر اپریل ۱۸۳۸ء کو جلالپور ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ وہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (م ۷۸۵ھ) کی اولاد میں سے تھے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہؒ نے قرآن مجید میاں محمد اعظم خانپوری سے پڑھنا شروع کیا اور تکمیل اپنے چچا سیّد امام شاہ سے کی۔ میاں عبداللہ ٹکروی سے فارسی اور اُردو کی درسی کتابیں پڑھیں۔ درسِ نظامی کی بعض کتابیں زین وال کے مقام پر قاضی محمد کامل سے پڑھیں۔ یہیں اپنے دَور کے بلندپایہ عالم مفتی غلام محی الدینؒ سے استفادہ کیا۔ اور کنزالدقائق کا درس لیا۔ اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ نہیں کیا۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ کی عمر سترہ برس تھی کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ بیعتِ طریقت کے لیے خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مرید اور خلیفہ سیّد غلام شاہ کی خدمت میں ہرن پور گئے اور بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ وہ انہیں اپنے مرشد کے پاس سیال شریف لے گئے۔ ۷ر رجب ۱۲۷۱ھ/۲۶ر مارچ ۱۸۵۵ء کو سیّد غلام حیدر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ اس کے بعد عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اِس عرصے میں انہوں نے اپنے مرشد سے خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۰ھ) کی تالیفات کشکول اور مرقع کا درس لیا۔ کچھ عرصہ بعد خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ نے جلالپور میں سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا اور

دُور و نزدیک کے ہزاروں افراد نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ موصوف ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اُنھوں نے جلالپور میں ایک خانقاہ قائم کی جس میں فقراء اور زائرین کے لیے لنگر خانہ قائم کیا اور ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔

بہتر سال کی عمر میں ۶ رجمادی الآخری ۱۳۲۶ھ / ۷ رجولائی ۱۹۰۸ء کو واصلِ بحق ہوئے اور جلالپور میں مدفون ہوئے۔ علماء و شعراء نے کئی مرثیے لکھے۔ علامہ اقبال نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا۔

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربت اُو را ایمنِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاکِ اُو را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفات اُو بگو "مغفور" گشت[۱]

۱۳۲۶ھ

سیّد غلام حیدر علی شاہ مرحوم کے حسب ذیل چار صاحبزادے تھے:

۱۔ صاحبزادہ سید بدیع الدین شاہ (م ۱۲۹۵ھ)
۲۔ سیّد قائم الدین شاہ (م ۱۳۱۶ھ)
۳۔ سیّد محمد رسول شاہ۔ صغر سنی میں وفات پائی۔
۴۔ سیّد محمد مظفر علی شاہ (م ۱۳۳۵ھ) ۔ جانشین ہوئے تھے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں۔ اُن کے ملفوظات کا ایک مجموعہ صوفی نور عالمؒ نے "احیاء القلوب فی نفحات المحبوب" (فارسی) کے نام سے مرتب کیا تھا جو ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۸-۰۹ء میں ساڈھورہ سے طبع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ملک محمد الدین نے "ذکرِ حبیب" میں اُن کے احوال و ملفوظات یکجا کیے ہیں۔

---

[۱] ذکرِ حبیب ص ۱۱۱

غلام دستگیر قصوری

مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری بن مولانا حسن بخش اُس خانوادۂ علم ودانش کے فرزند تھے جس میں مولانا غلام محی الدین قصوری پیدا ہوئے۔ مولانا غلام دستگیر محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو بغرضِ تعلیم اپنے ماموں مولانا غلام محی الدین قصوری کے پاس پہنچے۔ اُن سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ مولانا غلام محی الدین سے اُن کے گونا گوں رشتے تھے۔ اُن کے خواہر زادہ، داماد، شاگردِ رشید، مُریدِ باصفا اور خلیفہ تھے۔ مولانا غلام دستگیر نے اپنے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالرسول قصوری سے بھی دینی استفادہ کیا ہے۔

مولانا غلام دستگیر نے تمام عمر تبلیغ و تلقینِ حق میں گزاری۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے شعبۂ تبلیغ واشاعت سے بھی وابستہ رہے۔ انجمن کے لیے بعض کتابیں تالیف کیں جن کی آمدنی انجمن کے فنڈ میں جمع ہوتی تھی۔

مولانا قصوری بلند پایہ مصنّف تھے اُنہوں نے اپنی اکثر تالیفات شائع کر کے مفت تقسیم کیں۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے سلاطین والیانِ ریاست اور مخیّر لوگوں سے مالی تعاون حاصل کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے رامپور، مالیر کوٹلہ، بریلی اور پنجاب کے مختلف شہروں کے سفر کئے۔

مولانا قصوری مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ شوال ۱۳۰۶ھ میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (م ۱۳۴۵ھ) مؤلف "براہین قاطعہ" سے بہاول پور میں مناظرہ کیا۔[1] ان کی اکثر تالیفات

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل بتذکرۃ الخلیل ص ۱۳۲-۱۳۹

میں مناظرانہ رنگ کی جھلک موجود ہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری کی مندرجہ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان (مطبوعہ: ۱۲۸۵ھ)

اہلِ حدیث عالم میاں سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کی تالیف "معیار الحق" کے جواب میں ہے۔ پہلے فارسی اور بعد میں اردو میں طبع ہوئی۔

۲۔ تحفۂ دستگیریہ بہ جواب اثنا عشریہ (مطبوعہ: ۱۲۸۵ھ)

مولانا غلام العلی قصوری کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

۳۔ تحقیق صلوٰۃ الجمعہ (مطبوعہ: ۱۲۸۸ھ)

۴۔ مخزنِ عقائدِ نوری بجواب نغمہ طنبوری (مطبوعہ: ۱۲۹۴ھ)

پادری عماد الدین کے رسالہ "نغمہ طنبوری" کا جواب ہے۔

۵۔ ہدیۃ الشیعتین (مطبوعہ: ۱۲۹۵ھ)

شیعہ اور خوارج کے نظریات کا رد ہے۔ پہلے فارسی اور بعد میں اردو میں شائع ہوئی۔

۶۔ توضیح دلائل و تصریح ابحاث فرید کوٹ (مطبوعہ: ۱۳۰۰ھ)

ریاست فرید کوٹ کے راجہ نے احناف اور اہلِ حدیث علماء کے درمیان کئی مباحثے کرائے۔ مولانا نے ان مباحثوں کو یکجا کیا اور آخر میں مہاراجہ فرید کوٹ کا فیصلہ نقل کیا ہے۔

۷۔ عروۃ المقلدین بالہام القوی المبین (مطبوعہ: ۱۳۰۰ھ)

تقلیدِ ائمہ کی تائید میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۸۔ ظفر المقلدین (مطبوعہ: ۱۳۰۲ھ)

مولانا محی الدین لکھوی (م ۱۳۱۳ھ) کی تالیف "ظفر المبین" کے جواب

میں ہے۔

۹۔ رجم الشیاطین براغلوطات البراہین (مطبوعہ: ۱۳۰۲ھ)
مرزا غلام احمد قادیانی کی تالیف "براہین احمدیہ" کی اغلاط کا جائزہ ہے۔

۱۰۔ جواہر مضیئہ در ردِ نیچریہ (مطبوعہ: ۱۳۰۴ھ)
سرسید احمد خان کے عقائد و نظریات کا محاکمہ ہے۔

۱۱۔ ظہور اللمعہ فی ظہر الجمعہ (مطبوعہ: ۱۳۰۴ھ)

۱۲۔ کشف السطور عن مسئلہ طوافِ قبور (مطبوعہ: ۱۳۰۵ھ)

۱۳۔ نصرۃ الابرار فی جواب الاشتہار (مطبوعہ: ۱۳۰۵ھ)
صلوٰۃ وسلام کے موضوع پر مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالقادر (اہلحدیث علماء) سے ایک مناظرہ کی روداد ہے۔

۱۴۔ تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل (مطبوعہ: ۱۳۰۸ھ)
۱۳۰۷ھ میں علمائے حرمین سے تصدیقی دستخط حاصل کرنے کے لیے اس کا عربی ترجمہ کیا گیا۔ اصل اردو اور عربی ترجمہ دونوں یکجا طبع ہوئے ہیں۔

۱۵۔ فتح الرحمانی بدفع کید قادیانی (مطبوعہ: ۱۳۱۴ھ)
مولانا غلام دستگیر نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دعوتِ مباہلہ دی تھی۔ وہ مسجد ملا مجید میں اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت مباہلہ کے لیے تشریف لائے مگر مرزا نے مباہلہ میں خود آنے کی بجائے مولوی فضل دین کو بھیجدیا اور مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد یہ کتاب لکھی گئی۔

۱۶۔ جواب اعتراضات بر تحفہ رسولیہ

۱۷۔ تحقیقات دستگیریہ فی رد ہفوات براہینیہ

مولانا غلام دستگیر قصوری ۱۳۱۵ھ/۹۸-۱۸۹۷ء میں فوت ہوئے اور

قصور میں دفنائے گئے۔ مولانا نبی بخش حلوائی نے اُن کے وصال پر قطعۂ تاریخ کہا۔ تاریخِ وفات "غفرلہ" سے نکالی ہے ع

۱۳۱۵ھ

تاریخ آں پیر ہدیٰ گفتہ سروشِ خوشنوا
"غفرلہ" اے مہ لقا نغمہ سرا شد ہر کجا

مولانا قصوری شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ گاہے ماہے شعر بھی کہتے تھے۔ ایک فارسی شعر کی تضمین کی ہے:

دیدہ گریاں، سینہ بریاں آہ و نالہ دمبدم
ہے یہ ذوق اپنا، ہے یہ اپنا زیر و بم
دِل کو ہے یہ فکر، جی میں رات کو بھی ہے یہ غم
کے بود یارب کہ سوئے یثرب و بطحا کنم
گہ بہ بطحا منزل و گہ در مدینہ جا کنم

مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے مولانا عبدالرحمان اور مولانا غلام ابوبکر تھے۔ ایک صاحبزادی ہاجرہ بیگم تھی۔



غلام دستگیر نامیؔ

پیر غلام دستگیر نامیؔ بن پیر حامد شاہ بن پیر غلام محمد ۲۳ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۰ھ/ یکم مئی ۱۸۸۳ء کو موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب لاہور کے معروف سہروردی بزرگ حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) سے ملتا ہے۔ اُن کے خانوادے میں اصلاح و ارشاد کی روایت کئی نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔

پیر حامد شاہ کی نرینہ اولاد میں سے دو صاحبزادے یکے بعد دیگرے بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ اُسی زمانے میں مولانا غلام دستگیر قصوری رتہ پیراں تشریف لے گئے تو پیر حامد شاہ مرحوم کی ماموں زاد بہن کو یہ نام بہت پسند آیا۔ اُنہوں نے منّت مانی کہ اُن کے بھائی اور نند کو خدا نے بیٹا عطا کیا تو اُسے "غلام دستگیر" کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ چنانچہ مولانا نامی کا نام "غلام دستگیر" رکھ دیا گیا۔ مولانا نامی اپنے بارے میں کہتے ہیں:

زادم و گشتم غلام دستگیر | من شدم نامی بنام دستگیر[1]

سات آٹھ سال کی عمر میں مسجد ملّا مجید محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں مولانا محمد بخش بکیلی سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنا شروع کیا اور اسلامیہ سکول (شاخ حویلی کابلی مل) کی دوسری جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۴ء کے دوسرے ربع/۱۳۱۱ھ میں ان کے والد ماجد پیر حامد شاہ کا تبادلہ قصور ہو گیا۔ چنانچہ گورنمنٹ سکول قصور چلے گئے۔

---

[1] تاریخِ جلیلہ ص ۲۸۱

چند ماہ بعد ۱۱ر اکتوبر ۱۸۹۴ء / ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ کو پیر حامد شاہ کا انتقال ہو گیا تو مولانا نامیؔ یتیم ہو کر رتہ پیراں چلے گئے۔ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں اسلامیہ ہائی سکول دروازہ شیرانوالہ میں دوبارہ تعلیم شروع کی اور یہیں سے ۱۹۰۳ء/۱۳۲۱ھ میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔

مولانا نامیؔ نے کسی دینی درسگاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ البتہ مولانا محمد نجم الدین (پروفیسر شجاع الدین مرحوم صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور کے نانا) اور مولانا اصغر علی روحی سے استفادہ کیا اور اپنے ذاتی مطالعہ سے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔

مولانا نامیؔ نے تلاشِ معاش میں مختلف سرکاری محکموں میں کام کیا۔ ریلوے، ڈاک اور ضلع کچہری لاہور کی مختصر ملازمتوں کے بعد ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۳۸ء/۵۷-۱۳۵۶ھ میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں بطور خازن کام کر رہے تھے کہ مدتِ ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہوئے۔

مولانا نامیؔ نے ۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں اپنے احباب کے تعاون سے "دائرۃ الاصلاح" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے مقاصد میں اصلاحِ معاشرہ، اتحاد بین المسلمین اور تذکارِ اسلاف کی کوششیں شامل تھیں۔ دائرۃ الاصلاح نے بیسیوں کتابچے شائع کئے جو ہزاروں کی تعداد میں بلاقیمت تقسیم کئے گئے۔ زیادہ تر کتابچے مولانا نامیؔ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔

۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ھ میں مولانا نامیؔ، اپنے ماموں اور سسر پیر محمد اشرف کی وفات پر حسبِ وصیت "خانقاہ حضرت چوہڑ بندگی" کے متولی مقرر ہوئے۔ انہوں نے خانقاہ کی نہ صرف تعمیر و تزئین کی بلکہ اپنے خانوادے کے علمی آثار کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ مامریدان و مراد العاشقین، ذکر الحسن، شرائطِ سلوک، حیاتِ مراد، نامۂ مراد،

تذکرہ قطبیہ، تذکرہ حمیدیہ، حالات با برکات، اذکارِ قلندری، تبرک عرس، گلدستۂ شادی قصائدِ قلندری، نعتیہ کلام حامی۔ خاص خاندانی کتابیں ہیں۔ جو اُن کی سعی سے طبع ہوئیں[۱]۔

مولانا نامی شاعر، تاریخ گو، مؤرخ، مصلح اور ماہرِ علم المیراث تھے۔ اُنہیں اپنے خانوادے کا گراں قدر ذخیرۂ کتب ورثے میں ملا تھا۔ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ فرائضِ ملازمت کی بجا آوری کے بعد جو وقت ملتا تھا اُسے مطالعہ اور تالیفِ کتب میں صرف کرتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ہمہ تن لکھنے پڑھنے میں لگ گئے تھے۔ اُن کی تمام کتب و رسائل مطبوعہ کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی[۲] اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تاریخ مدینہ منورہ	۲۔ تاریخ مکہ معظمہ
۳۔ تاریخ نجدیہ	۴۔ خلافتِ صدیقی
۵۔ خلافتِ فاروقی	۶۔ خلافتِ حیدری
۷۔ زوالِ ایران	۸۔ حیدرِ کرار
۹۔ قرآنی قانونِ وراثت	۱۰۔ کلید تقسیمِ وراثت
۱۱۔ انیس الوارثین	۱۲۔ قانونِ وراثت
۱۳۔ حکایاتِ مثنوی مولانا روم	۱۴۔ نسب نامہ
۱۵۔ بزرگانِ لاہور	

۱۶۔ تاریخ جلیلہ۔ خانوادہ حضرت چوہڑ بندگیؒ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

---

[۱] تاریخ جلیلہ ص ۱۵

[۲] ایضاً ص ۱۶

مولانا نامی کو مولانا اصغر علی روحی سے شاعری میں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ان کے پسندیدہ موضوعات نعت، منقبت صحابہ رض اور تاریخ گوئی رہے ہیں۔ گنبدِ خضرا کے آسودگان (حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض) کے بارے میں کہتے ہیں:[۱]

گنبدِ خضرا کی خاکِ پاک میں | اور قربِ صاحبِ لولاک میں!
تا ابد آسودہ ہیں وہ خوش نصیب | جن سے دائم خوش رہے ہیں حق حبیب
ایک ہیں صدیقِ اکبر یارِ غار | دوسرے فاروقِ اعظم حق شعار
عمر بھر دونوں رہے حضرت کے ساتھ | جان دے کر بھی ملے حضرت کے ساتھ
حشر میں بھی یہ اٹھیں گے ایک ساتھ | دستِ سرورؐ سے ملائے دونوں ہاتھ
قربِ جسمی اور روحی کا شرف | اور مژدہ بھی ہر اک کو لاتخف
دونوں نے جو خدمتِ اسلام کی | وہ بھی حصّہ ہے انہی کا اے اخی

۷ رجب ۱۳۸۱ھ / ۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو مولانا نامی ایک ماہ علیل رہ کر فوت ہوئے حسبِ وصیت میّت لاہور سے رتہ پیراں منتقل کی گئی اور وہیں دفنائے گئے۔ مولانا شرافت نوشاہی صاحب نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخ کہا ع

پیرِ نامی بے مثال و بے عدیل | افتخارِ عالماں روشن جمیل
در بلاغت ہم فصاحت باکمال | در ولایت اولیاء راشُد دلیل
خاندانش قریشی و ہکاری است | جامعِ علم و عمل شیخ جلیل
روز شنبہ ہفتم از رجب بداں | چوں سفر کرد از جہاں مردِ عقیل

وصلِ او "مغفورِ دائم" شُد ظہور!
ہم شرافت گفت "غفرانِ جمیل"[۲]

۱۳۸۱ھ

---

[۱] تاریخ جلیلہ ص ۵۰-۵۱ [۲] منتخب اعجاز التواریخ ص ۴۵

غلام دین لاہوری

مولانا غلام دین لاہوری بن میاں سید احمد بن میاں فضل دین موضع چکوڑی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر "کنجاہ" میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد عبداللہ کنجاہی سے سکندر نامہ تک فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد لاہور آ گئے۔ مولانا محمد مہرالدین (مؤلف تسہیل المبانی شرح مختصر المعانی) مولانا سید ابوالبرکات اور مولانا سید دیدار علی الوری سے علوم مروجہ کی تحصیل کی اور ۱۳۵۲ھ/۳۴-۱۹۳۳ء میں دارالعلوم حزب الاحناف سے سندِ فراغ حاصل کی۔

مولانا شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی سے بیعت کی تھی۔ خود کہتے ہیں ؎

اشرفی ہوں بندۂ مسکین ہوں — خادمِ قوم و غلام دین ہوں

فارغ التحصیل ہو کر مسجد ریلوے شیڈ (جامع مسجد صدیقیہ) میں خطابت و امامت شروع کی۔ واعظِ خوش بیان تھے۔ تحریکِ پاکستان میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں حصہ لیا اور سنتِ یوسفی ادا کی۔

۱۰ر شعبان ۱۳۹۰ھ/ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وفات پائی اور جامعہ صدیقیہ کی جنوبی جانب مدفون ہوئے۔ سید شرافت نوشاہی صاحب نے حسب ذیل قطعہ کہا ؎

زہے مولوی سعادت قریں — غلام جنابِ شہِ اہلِ دیں

بہ سنت جماعت بسے نیک نام — بہ تبلیغِ اسلام والا مقام

زوعظِ شریفش خلائق ہزار — براہِ ہدایت شدہ بے شمار

بہ لاہور فیضانِ اُو بے حساب — ز تبلیغِ اُو ہر کسے فیضیاب

چو بر بست رخت سفر از زمیں — بہ فردوسِ اعلیٰ شدہ جاگزیں

زترحیلِ آں زبدۃ الکاملینؒ ‏‏زہاتف ندا گشت مغفور دینؒ

چو روحش بدار الجناں گشت شاد ‏‏۱۳۹۰ھ

شرافت بگو "افتخار العباد"[1]

۱۳۹۰ھ

مولانا غلام دین نے حسب ذیل کتابیں تالیف کیں:

۱۔ فضائلِ امام اعظمؒ

۲۔ فضائل درود شریف

۳۔ رفیق الواعظین



[1] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۲۹۵

خلیفہ غلام رسول لاہوری

مولانا خلیفہ غلام رسول بن مولانا غلام فرید[1] لاہور کے سر آمدِ روزگار علماء میں سے تھے۔ مسجد موراں (تعمیر شدہ: ۱۲۲۴ھ) کے مدرسہ کی شہرت اُن کے دم قدم سے تھی۔ اُن کے برادر خورد مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری اُن کے دستِ راست تھے۔ رائے بہادر کنہیا لال نے لکھا ہے:

"لاہور میں سکھی عہد میں مولوی خلیفہ غلام رسول اور خلیفہ غلام اللہ تھے۔ بڑا مدرسہ اُن کا جاری تھا۔ ہزاروں طلبا درویش دُور دُور ملکوں سے وہاں آکر تعلیم پاتے تھے۔ تمام زمانہ اُن کا بہ دل و جان ادب کرتا تھا۔ ہنود و اہلِ اسلام سب اُن کے شاگرد کہلاتے"[2]

مولانا خلیفہ غلام رسول نے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا تھا اور علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سکھ دورِ حکومت میں کوئی دوسرا عالم تدریسی خدمات کے اعتبار سے اُن کا ہم پلّہ نہیں تھا۔[3]

سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔[4] ۱۲۵۰ھ/۳۵-۱۸۳۴ء میں فوت ہوئے "ہادی نیک نظر" مادۂ تاریخ ہے۔

---

[1] دیکھیے ترجمہ مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری

[2] تاریخ لاہور ص ۴۷

[3] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۷، ۲ و حدائق الحنفیہ ص ۴۷۲

[4] سلسلۃ الاولیاء (خطی) بحوالہ ماہنامہ "المعارف" (لاہور) بابت ماہ اپریل ۱۹۷۰ء

اُن کا ایک ہی صاحبزادہ غلام یٰسین تھا جو نوجوانی میں انتقال کر گیا۔ اُن کے علمی جانشین برادرِ خورد مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری تھے۔



غلام رسول چنڑ

مولانا غلام رسول بستی مستیاں نزد ملوک شاہ (ضلع بہاول پور) کے رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے مولانا نور جہانیاں کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ جو بہاول پور شہر میں احمد پوری دروازے کے اندر واقع تھا۔

مولانا غلام رسول متبحر عالم اور صاحبِ نظر درویش تھے۔ بہاول پور کے خطے میں جن افراد کے دم قدم سے دینیات کی تعلیم عام ہوئی اُن میں مولانا غلام رسول چنڑ کا نام بہت نمایاں ہے۔ اُن کا زیادہ وقت درس و تدریس میں گزرتا تھا۔ درس و تدریس سے جو وقت بچتا۔ اوراد و اذکار میں گزارتے تھے۔

ساٹھ ستر برس کی عمر میں ۱۶ ربیع الآخر ۱۲۹۰ھ/ ۱۳ جون ۱۸۷۳ء کو وفات پائی[1] اور قبرستان ملوک شاہ میں دفنائے گئے۔ ایک اُونچے پختہ چبوترے پر اُن کا مزار ہے۔ چنڑ قوم کے لوگ اُن سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔

مولانا غلام رسول چنڑ سے ایک زمانے نے فیض پایا۔ اُن کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولوی شمس الدین۔ جج بہاول پور
۲۔ مولوی عبدالرشید۔ خانقاہ والے
۳۔ قاضی محمود الدین۔ بہاول پوری
۴۔ مولوی نور محمد
۵۔ مولوی عزیز الدین



---

[1] ذکر کرام ص ۵۹

غلام رسول قلعوی

مولانا عبداللہ (معروف بہ غلام رسول) بن مولوی رحیم بن نظام الدین خادم بن بہاء الدین اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے آباؤ اجداد موضع سکندر پور ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ہجرت کر کے کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ چلے گئے۔ مولانا غلام رسول ۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء میں کوٹ بھوانی داس میں پیدا ہوئے۔

مولانا غلام رسول کے خاندان میں علم و ادب کی روایات چند پشتوں سے ملتی ہیں۔ اُن کے جدِ امجد نظام الدین خادم فارسی کے نہایت اچھے شاعر تھے۔ اُنہوں نے نظامی گنجوی (م مابین ۶۰۷ھ ـ ۶۱۵ھ) کے تتبع میں ایک فارسی مثنوی لکھی تھی۔

مولانا غلام رسول پانچ سال کے ہوئے تو قرآن مجید پڑھنے کی خاطر مکتب میں بٹھائے گئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور گئے۔ مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی سے استفادہ کیا۔ بیس سال کی عمر میں مروجہ درسِ عربی سے فارغ ہو گئے۔

مولانا غلام رسول عنفوانِ شباب ہی سے عابد و زاہد تھے۔ اس دور میں سوات کے اخوند صاحب (م ۱۲۹۳ھ) کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کی خاطر سوات اور بُنیر کا سفر کیا۔ اخوند صاحب سے ملاقات کی مگر طبیعت بیعت پر آمادہ نہ ہوئی۔ واپس وطن آتے ہوئے تربیلہ ضلع ہزارہ میں چندے قیام کیا۔ تربیلہ کا نمبردار عزت و تکریم سے پیش آیا اور "حضرت کوٹھے والا" کی خدمت میں لے گیا۔ مولانا غلام رسول نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ واپس وطن آئے مگر اہلِ دل کی صحبت سے استفادہ کا شوق غالب تھا چنانچہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی (م ۱۲۷۰ھ) سے ملاقات کے لئے تونسہ گئے۔ خواجہ تونسوی نے بلا بیعت اُنہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا۔

تونسہ سے واپس آکر لاہور میں اقامت اختیار کرلی اور توحید و سنّت کے بھولے ہوئے سبق کو دُہرایا۔ اُن کی بے باکی اور حق گوئی کی وجہ سے ایک طبقہ مخالف ہوگیا اور مخالفین نے بدنام کرنے کی پوری کوشش کی مگر مخالفین کی چالیں ناکام ہوئیں اور اُن کے عقیدت مندوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ سینکڑوں غیر مسلم اُن کے ہاتھ پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے گمراہ مسلمانوں نے توحید و سنّت کی راہ اختیار کی۔ لاہور میں اُن کی داعیانہ کوششوں سے اُن کا نام خاصا مشہور ہوچکا تھا تاہم طلبِ علم کا شوق زندہ تھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی ؒ (م ۱۲۹۸ھ) کے ہمراہ سیّد نذیر حسین محدّث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ربیع الآخر ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں اجازتِ حدیث حاصل کی۔

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ میں دہلی میں تھے۔ جنگِ آزادی کے ناکام ہونے پر حکومت نے مسلمانوں کو خصوصی طور پر انتقام کا نشانہ بنایا۔ بہت سے علماء گرفتار ہوئے۔ مولانا غلام رسول ؒ دہلی سے رخصت ہوکر امرتسر آئے۔ دو روز حافظ محمود امرتسری ؒ کی مسجد میں ٹھہرے۔ امرتسر ہی میں مولانا صاحب کو معلوم ہوا کہ اُن کی گرفتاری کا اشتہار شائع ہوگیا ہے۔ امرتسر سے اپنے سسرال فتح گڑھ چلے گئے۔ فتح گڑھ میں بھی پولیس گرفتاری کی کوشش کرتی رہی مگر بے سود۔ مولانا صاحب قلعہ میہاں سنگھ آگئے۔

قلعہ میہاں سنگھ میں اعزّہ و اقارب پہلے سے گرفتاری کے اشتہار سے آگاہ تھے۔ بھائی حکیم غلام محمد نے روپوش ہونے کا مشورہ دیا۔ اُنہیں فرمایا:

"روپوشیدگی میں عمر گزارنی مشکل ہے۔ قضائے الٰہی پر میں راضی ہوں۔ حاکمِ وقت میرے بیانات سُنے گا اور تحقیقات بھی کرے گا۔ یوں ہی تسکات پر مجھے پھانسی نہیں دے دے گا۔ آپ مجھے باہر نکلنے سے منع نہ فرمائیں۔"[1]

---

[1] سوانح حیات مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والے ص ۶۱

چنانچہ برسرِ عام نقل و حرکت کرنے لگے اور گرفتار ہو گئے۔ عدالتی کارروائی کے بعد رہائی عمل میں آئی مگر نقل و حرکت اور وعظ گوئی پر پابندی لگا دی گئی۔

۱۲۸۸ھ/ ۷۲-۱۸۷۱ء میں حج کا فریضہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ میں شاہ عبد الغنی (م ۱۲۹۶ھ) بن ابو سعید مجددی کے درسِ حدیث میں شرکت کی اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا غلام رسول مسلکاً اہلِ حدیث تھے۔ ایک بار اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ مقلد اور غیر مقلد کے بارے میں اُن کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا:

"یہ سمجھ کی بات ہے۔ اور ہے بھی بڑی موٹی بات۔ مثال اِس کی یوں ہے کہ ایک تالاب سے چار نالیاں نکلتی ہیں جو شخص کسی نالی سے پانی پیئے گا وہ تالاب ہی کا پانی ہو گا اور اگر کوئی شک والی طبیعت والا براہِ راست تالاب سے پانی پیئے گا تو وہ بھی اسی تالاب کا پانی ہے۔ یہی حال مقلد اور غیر مقلد کا ہے۔ صرف یہ ذہن میں رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے سامنے کسی کے قول و عمل کی وقعت نہیں اور یہی ائمہ مجتہدین کا فرمان بھی ہے"[1]

مولانا غلام رسول ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء میں قلعہ میہاں سنگھ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مولانا مرحوم سے ایک دنیا نے استفادہ کیا۔ بیس پچیس طلبہ ہمیشہ اُن کے پاس رہتے تھے جن کی ضروریات خورد و نوش وہ خود ہی پوری کرتے تھے۔ اُن کے مندرجہ ذیل مستفیدین نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔

۱۔ حافظ ولی اللہ لاہوری

۲۔ مولانا عبد العزیز (بانی انجمن حمایت اسلام۔ لاہور)

---

[1] سوانح حیات ص ۶۷

۳۔ مولانا غلام حسین ساکن ساہووالا (سیالکوٹ)

۴۔ مولانا احمد علی ساکن کوٹ بھوانی داس (گوجرانوالہ)

۵۔ مولانا علاء الدین ساکن گوجرانوالہ

مولانا غلام رسول سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ اُن میں سے بعض کئی بار شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ قصہ حضرت بلالؓ (منظوم۔ پنجابی)

۲۔ حُلیہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ قصہ ستی پنوں (منظوم)

۴۔ سی حرفی

۵۔ مجموعہ نماز (بامعنی پنجابی)

۶۔ تفسیر سورۃ فاتحہ

۷۔ پنج باب (پنجابی نثر) مسائلِ فقہ پر پکی روٹی کے انداز پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۸۔ پکی روٹی [1]

۹۔ فتاوی مولوی غلام رسول (فارسی)

۱۰۔ رسالہ تراویح (فارسی)

---

[1] بعض اہلِ تحقیق کے خیال میں "پکی روٹی" اُن کی تالیف نہیں ہے۔ یہ کتاب اُن کی طرف منسوب ہو گئی ہے اور اس نسبت کا سبب یہ ہے کہ کتاب کے آخر میں اُن کی نظم ع

دلا غافل نہ ہو یک دم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے

طبع ہوتی رہی ہے جو اس غلط فہمی کا سبب بنی ہے۔ مگر "پکی روٹی" کا مصنف کون ہے؟ اہلِ تحقیق تلاش و جستجو میں ہیں۔

مولانا غلام رسول نے اصلاح عوام کے لئے پنجابی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اگرچہ موصوف فارسی میں بھی لکھتے تھے۔ اُن کی بعض تالیفات اور مکتوبات فارسی میں ہیں۔ اُنہوں نے پنجابی نظم و نثر میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔



غلام رسول توگیروی

خواجہ غلام رسول بن خواجہ سلطان محمود ۱۲۳۰ھ/۱۵-۱۸۱۴ء میں بونگہ محمود لنگاہ نزد بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتب حافظ محمد عظمت اللہ (خلیفہ شیخ محمد فاضل نیکو کارہ) سے پڑھیں۔ ۱۲۴۵ھ/۳۰-۱۸۲۹ء میں "مہار" تشریف لے گئے۔ مولانا نور الدین اور مولانا محمد عمر تونسوی سے علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ مولانا محمد کامل بہاول پوری اور مولانا غلام رسول بہاول پوری کے نام بھی اُن کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ چیلا واہن کے حافظ محمد افضل اور مولانا جان محمد (ساکن موضع مہتہ جھیڈو) سے بھی استفادۂ علمی کیا۔ لاہور میں خلیفہ حمید الدین لاہوری کے زیر تربیت رہے، اور مدرسہ مولوی محمد حیات دہلی میں مولانا عبد الرحمان پنجابی سے اکتسابِ فیض کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔

چشتی سلسلہ میں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بیعت ہوئے اور توگیرہ (تحصیل و ضلع بہاول نگر) کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ وہیں ۱۲۸۴ھ/۶۸-۱۸۶۷ء میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں[1]



---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۸۹-۹۰، و تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۱۵-۳۱۶

غلام رسول بہاول پوری

مولانا غلام رسول بہاول پوری تیرہویں صدی کے دوسرے ثلث میں بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ وہ چغتائی نسل کی شاخ پل سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بچپن میں علم حاصل نہ کر سکے۔ بعد میں کہروڑ پکا تحصیل لودھراں میں مولوی محمد شریف سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولوی محمد شریف بلند پایہ عالمِ دین اور معروف مدرس تھے اور اُن کا مدرسہ مرجع طلبہ تھا۔

مولانا غلام رسول نے علمی زندگی کا آغاز امرتسر میں تدریس سے کیا۔ کچھ عرصہ بعد واپس بہاول پور آئے اور چرچ آف انگلینڈ مشن کے سکول میں السنۂ شرقیہ کے اُستاد مقرر ہو گئے اور تا حیات اسی سکول سے وابستہ رہے۔

ملازمت سے جو وقت فارغ بچتا مطالعہ کتب میں صرف کر دیتے تھے۔ انہوں نے اسلامیات، طب اور فلسفہ کی نایاب کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ۲۶ شوال ۱۲۹۷ھ/ یکم اکتوبر ۱۸۸۰ء کو معمولی اثاث البیت چھوڑ کر فوت ہوئے۔[۱]

محمد عزیز الرحمان عزیزؔ نے قطعۂ تاریخ کہا[۲]

والدِ ماجد ز دارِ فنا — رخت رحلت بہ بست وا اسفا
او غلام رسول پاکت بود — بہ طفیلِ رسول، بخش او را
خانہ خالی شد از بزرگِ جواں — رفت "شیریں سخن ادیب" از ما

۱۲۹۷ھ

۱۔ ذکرِ کرام ص ۱۴۰ - ۱۴۵

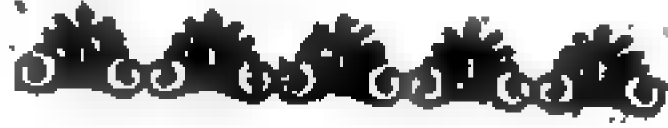
۲۔ تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۴۴

مرحوم نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکا منشی کریم بخش اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ دوسری بیوی کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں ؛

۱۔ محمد عبد الرحمان (م ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ / ۲۰ فروری ۱۹۳۸ء)

۲۔ محمد عزیز الرحمان عزیز

۳۔ محمد خلیل الرحمان مؤلف "الخلیل" (سوانح حیات نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام)



غلام رسول شائقؔ

مولانا غلام رسول شائقؔ بن شیخ احمد بن میاں مشرف بن میاں مخدوم بن میاں معصوم قصبہ رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضؓ (م ۲۴ھ) سے جاملتا ہے۔ اُن کے خاندان میں علم و فضل کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ مولانا شیخ احمد اپنے علاقے کے ایک بڑے عالم تھے۔ ۱۲۴۲ھ/۲۸-۱۸۲۷ء میں فوت ہوئے۔ مولانا غلام رسول شائقؔ نے "عالمٌ فاضلٌ فائق" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

مولانا غلام رسول شائقؔ علوم دینیہ کے جیّد عالم تھے اور رسول نگر میں مفتی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خانوادۂ قادریہ نوشاہیہ میں مولانا سیّد قل احمد نوشاہی سے بیعت تھے اور اُن ہی سے اجازتِ بیعت حاصل کی تھی۔

مولانا غلام رسول شائقؔ ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں فوت ہوئے اور قصبہ رسول نگر میں دفنائے گئے۔ وفات سے ایک دن پہلے خود حسبِ ذیل تاریخ کہی[1]؎

الٰہی از کرم پیدا کنی خلق!
فتعطوا الرزق فضلٌ غیر عدلٍ
چو با فضلت شدم محتاج گفتم
کہ۔ یا اللہ کرمنا بفضلٍ

۱۳۰۰ھ

---

[1] شریف التواریخ (مسودہ)

نیز "صاحبِ عزّت و توقیر" سے بھی سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے مولوی محمد الدین اور مولوی نور الدین تھے جو اچھے خوشنویسوں میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا شائقؔ عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے "محمود نامہ" کے طرز پر ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں "شائق نامہ" نظم کیا تھا۔[1] اس کے علاوہ ان کی تین بیاضیں ملتی ہیں جو نہایت خوبصورت انداز میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا شرافت نوشاہی ان بیاضوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ تینوں بیاضیں مولانا شائقؔ رسول نگری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں کافی مقدار میں علمی سرمایہ جمع کیا ہے۔ تقریباً ایک سو ستر کتابوں سے زیادہ کا ان میں انتخاب درج کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، طب، لغت، عروض، تاریخ، عملیات، صرف، نحو، منطق، ادب، معانی، مناظرہ اور مناقب وغیرہ کے مضامین زیبِ قرطاس کئے ہیں"۔[2]



---

[1] فہرست مخطوطاتِ شیرانی جلد اوّل ص ۱۲۷

[2] شریف التواریخ (مسودہ)

غلام رسول گجراتی

"انہی" ضلع گجرات کا ایک گاؤں ہے جس کی شہرت کا سبب استاذالعلماء مولانا غلام رسول کی ذاتِ والا صفات ہے۔ اُن کے مفصّل حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں۔

اُنہوں نے مولانا سلطان احمد کے مدرسہ موضع نوشہرہ (ضلع اٹک) میں تعلیم حاصل کی۔ معقولات میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ اُن کی درس گاہ سے فارغ شدہ طلبہ جب دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند جاتے تھے تو دارالعلوم دیوبند کے مدرسین ان طلبہ کے امتحان کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ "انہی" کا نام ہی اُن کی قابلیّت اور اہلیّت کی ضمانت ہوتا تھا۔[1]

مولانا غلام رسول نے ترجمۂ قرآن مولانا حسین علیؒ سے پڑھا تھا اور سلسلہ نقشبندیہ میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

۱۳۵۱ھ/ ۳۳-۱۹۳۲ء میں وفات پائی۔ اُن سے ایک عالم نے فیض اُٹھایا۔ زیرِ نظر تذکرہ میں اُن کے نامور شاگردوں کے حالات موجود ہیں۔



---

[1] سوانح حضرت مولانا حسین علی ص ۵۸

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ قریشی ۱۲۴۴ھ/ ۲۹-۱۸۲۸ء میں کوچہ کوٹلی مفتیاں میں پیدا ہوئے۔ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔
اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مفتی غلام محمد (م ۱۲۷۶ھ) سے حاصل کی۔ اُن ہی سے فن طب سیکھا پھر مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل کی۔
مفتی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز ملازمت سے کیا۔ ابتدا میں سردار بھگوان سنگھ (آنریری مجسٹریٹ لاہور و جاگیردار فتح گڑھ چوڑیاں) کی جائیداد کے منتظم رہے۔ پھر رائے بہادر کنہیا لال[۱] ایگزیکٹو انجنیئر لاہور کے دفتر میں بطور منشی ملازم ہوئے[۲] لیکن جلد ہی ملازمت ترک کر کے ہمہ تن علم و ادب کی گیسو آرائی میں مصروف ہو گئے اور ساری

---

۱ کنہیا لال (م ۱۳۰۶ھ) مفتی غلام سرور کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ لاہور میں گزرا۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ اس کی کئی کتابیں ہیں جن میں ظفر نامۂ رنجیت سنگھ، تاریخ پنجاب اور تاریخ لاہور بہت معروف ہیں۔ فارسی اور اُردو میں شعر کہتا تھا اور ہندی تخلص کرتا تھا۔
مفتی صاحب کا قدردان تھا۔ اُن کی کتابوں کے آخر میں کنہیا لال ہندی کے قطعات تاریخ ملتے ہیں۔ مولوی فیروز الدین نے لکھا ہے کہ "(مفتی صاحب نے) کئی کتابیں تصنیف کیں جو لالہ کنہیا لال کے نام سے شائع ہوئیں اور اُن پر بخشش قرار معاوضہ ملے"
(جہادِ زندگی ص ۱۲۰)

۲ جہادِ زندگی ص ۱۲۰

زندگی اسی گلستان کے گل بوٹے سنوارنے میں گزاردی۔

مفتی صاحب شگفتہ مزاج، ملنسار اور عبادت گزار صوفی تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں ارضِ حجاز میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) سے چشتی سلسلے میں تعلق پیدا کیا۔ مگر اُنہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات و خدمات سے از حد دلچسپی تھی۔

مفتی صاحب کی طبیعت میں استغنا اور قناعت پائی جاتی تھی۔ حکامِ وقت سے دور رہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو ادنیٰ کوشش سے "شمس العلماء" کا خطاب حاصل کر سکتے تھے مگر اُنہوں نے علم و ادب کی خدمت ان خواہشات سے بے نیاز ہو کر کی۔ سر سید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ) کے متجددانہ خیالات سے اختلاف کرتے تھے۔ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء میں سر سید احمد خان "زندہ دلانِ پنجاب" کا تعاون حاصل کرنے پنجاب آئے۔ لاہور میں ڈپٹی برکت علی اُن کے دوست تھے۔ اُن ہی کے ہاں قیام تھا۔ ڈپٹی برکت علی نے معززین لاہور کو اپنے ہاں مدعو کیا تاکہ سر سید احمد خان اُن سے اپنے دل کی بات کہیں اور علی گڑھ کالج کے لئے اُن کا تعاون حاصل کریں۔ ان معززین میں مفتی صاحب بھی شامل تھے۔ سر سید احمد خان غائبانہ طور پر اُن سے متعارف تھے۔ ملاقات پر خوشی کا اظہار کیا اور کوئی کام اُن کے ذمے کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میں گوشہ نشین آدمی ہوں تصنیف و تالیف میرا شغل ہے۔ اُنہوں نے اپنے گرد جو افراد اکٹھے کئے ہیں وہی ان کے مقاصد کے لئے موزوں ہیں۔ نیز جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ سر سید اُن کا یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

جون ۱۸۹۰ء / ۱۳۰۷ھ میں اپنے برادر زادہ مفتی جلال الدین بن مفتی سید محمد کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ہیضہ میں مبتلا ہو گئے اور سفر میں ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ / ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام دستگیر

قصوری اُن کے رفیقِ سفر تھے۔ اُنہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور میدانِ بدر کے قریب بیر بالا حسانی میں دفن کئے گئے۔[1]

روضۂ زیارتِ نبویؐ کے بارے میں اُنہوں نے کہا تھا ع

ابھی سر در تے کی ہے سرورِ عالم کی پا بوسی

۱۳۰۷ھ

یہی مصرعہ اُن کے لئے مصرعۂ تاریخِ وفات ہے۔

مفتی صاحب بلند پایہ عالم، مؤرخ، تذکرہ نگار، تاریخ گو اور شاعر تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں؛

تاریخ، تذکرہ اور مناقب

۱۔ خزینۃ الاصفیاء (فارسی۔ تالیف مابین ۱۲۸۰ھ و ۱۲۸۵ھ)

۲۔ حدیقۃ الاولیاء (اُردو، تالیف۔ ۱۲۹۲ھ)

۳۔ مدینۃ الاولیاء (اُردو)

۴۔ بہارستانِ تاریخ (گلزارِ شاہی) ہندوستان کی عام تاریخ (اُردو تالیف ۱۲۹۰ھ)

۵۔ تاریخ مخزنِ پنجاب (اُردو تالیف ۱۲۸۵ھ)

۶۔ مناقبِ غوثیہ (اُردو تالیف ۱۲۷۷ھ) شیخ محمد صادق شہبانی کی فارسی تالیف کا ترجمہ

اخلاقیات

۷۔ مخزنِ حکمت (اُردو تالیف ۱۲۸۸ھ، نظرِ ثانی ۱۲۹۶ھ)

---

[1] ذکرِ جمیل ص ۱۰۳

۸۔ تحفۃ الابرار۔ منظوم اُردو ترجمہ پند نامہ عطّار

۹۔ گلشنِ سروری۔ (منظوم اُردو۔ تالیف ۱۲۸۹ھ)

۱۰۔ تحفۂ سروری (" ۔ تالیف ۱۲۹۷ھ)

۱۱۔ اخلاقِ سروری (اُردو نثر۔ تالیف ۱۲۸۸ھ)

دواوین

۱۲۔ دیوانِ نعتِ سروری (اُردو و فارسی۔ مطبوعہ ۱۲۹۰ھ)

۱۳۔ دیوان حمدِ ایزدی

۱۴۔ دیوانِ سروری (مطبوعہ ۱۲۸۹ھ)

۱۵۔ کلیات نعتِ سروری

مادہ ہائے تاریخ

۱۶۔ گنجینۂ سروری (گنجِ تاریخ) تالیف ۱۲۸۴ھ

۱۷۔ چمن بے نظیر

انشاء

۱۸۔ انشائے یادگارِ اصغری

لُغت

۱۹۔ لغاتِ سروری (زبدۃ اللغات) پانچ برس کی محنت کے بعد ۱۲۹۲ھ میں مکمل ہوئی۔

۲۰۔ جامع اللغات

متفرق

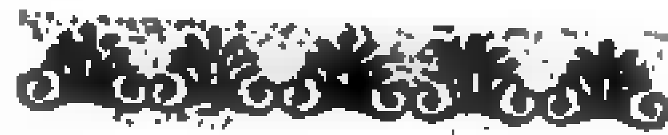
۲۱۔ احوال الآخرت (پنجابی منظوم)

مفتی صاحب کی اولاد میں پانچ فرزند اور ایک صاحبزادی تھیں[1]۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مفتی غلام حیدر ۲۔ مفتی غلام صفدر

۳۔ مفتی غلام اکبر ۴۔ مفتی محمد انور

۵۔ مفتی غلام اصغر۔ ۱۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اُن کی یاد میں "انشائے یادگارِ اصغری" تالیف ہوئی تھی۔



---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۲۱

سیّد غلام شاہ شجاع آبادی

مولانا سیّد غلام شاہ بن سلطان علی نقوی تحصیل شجاع آباد کے ایک گاؤں شادی کچالہ میں ۱۲۸۹ھ/۷۳-۱۸۷۲ء کے حدود میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اہل سنّت کے مدارس میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ خاندان کے تمام افراد شیعہ مسلک رکھتے تھے مگر سیّد غلام شاہ اہلِ سنّت اساتذہ کے زیرِ اثر اپنے خاندان سے کٹ گئے اور سنّی عالم اور واعظ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ بعد میں دوبارہ آبائی مسلک اختیار کر لیا۔ تبدیلیٔ مسلک کے بارے میں جناب سیّد مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا سیّد غلام شاہ کے فرزند سیّد امیر حسین نقوی نے سیّد محمود الحسن نقوی (سیّد غلام شاہ صاحب کے چچازاد بھائی) کے زیرِ اثر آباؤ اجداد کا مسلک اختیار کیا تو مولانا سیّد غلام شاہ نے انہیں مناظرے کا چیلنج دیا۔ چنانچہ دونوں نقطۂ نظر کے علماء نے مسئلۂ فدک پر بحث و مباحثہ کیا۔ اس بحث و مباحثہ کے نتیجے میں سیّد غلام شاہ صاحب بھی اپنے بیٹے کی طرح شیعہ ہو گئے۔[1]

مولانا سیّد غلام شاہ نے باقی ماندہ عمر شیعہ مسلک کی خدمت میں بسر کی ۱۳۵۴ھ/۳۶-۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے۔



---

[1] ملخص از مطلع انوار ص ۳۳۶-۳۳۷

غلام عباس ملتانی

مولانا سید غلام عباس بن نجف حسین رسول پور ضلع گوڑ گانوہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی کتابیں گھر پر پڑھیں۔ مولانا سید حامد حسین سے تکمیلِ علوم کی۔ استادِ محترم کے حکم پر تبلیغِ مسلک کی خاطر ملتان گئے۔ ملتان میں مسجد شاہ گردیز کے قریب سکونت اختیار کی اور تعلیم مسائل و جمعہ کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۳۰۸ھ/۹۱-۱۸۹۰ء میں حیدر آباد دکن کے سرکاری کالج میں بطورِ استاد تعینات ہوئے چودہ سال بعد حیدر آباد سے حج و زیارات کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں انہوں نے افاضلِ عراق سے اجازت حاصل کی۔ ۱۷ رجمادی الاخری ۱۳۲۲ھ کو آیت اللہ شیخ محمد تقی النجفی الاصفہانی بن محمد باقر نے انہیں اجازہ دیا جس پر مرزا محمد ہاشم، شیخ محمد مہدی نجفی اور آقای رازی کی مہریں ثبت ہیں۔ دوسرا اجازت نامہ آیۃ اللہ حجۃ الاسلام مرزا محمد حسن شیرازی نے عنایت کیا۔ محرم ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء کو واپس وطن آئے اور اسی سال ۱۵ محرم کو داعیِ اجل کا پیغام آگیا[1]۔

مولانا غلام عباس ملتانی کی اولاد میں سید حیدر عباس صاحب ملتان میں مقیم ہیں۔



---

[1] ملخص از مطلع انوار ص ۳۲۷

خواجہ غلام فرید

خواجہ غلام فرید بن خواجہ خدا بخش بن میاں احمد علی بن قاضی محمد عاقل ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ[1] / ۱۸۴۵ء میں چاچڑاں میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خانوادے میں علم وادب کی روایت کئی نسلوں سے چلی آرہی تھی۔ خواجہ غلام فرید ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخرالدین سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ صاحب کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ تھی کہ والدہ ماجدہ بھی انتقال کر گئیں۔

خواجہ غلام فرید کی پرورش اُن کے برادرِ بزرگ خواجہ غلام فخرالدین نے کی۔ اُنہوں نے خواجہ صاحب کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا بعد میں نواب صادق محمد خان (والئی بہاول پور) نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔

خواجہ غلام فرید نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سولہ سال کی عمر تک مصروفِ تعلیم رہے۔ اپنے برادرِ بزرگ خواجہ غلام فخرالدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے مرشد کے بارے میں کہتے ہیں:

چشماں فخرالدین مٹھل دیاں — تن من کیتا چکنا چور
گھول گھماں ہیں فخر جہاں توں — جنت حور قصور

۱۲۸۸ھ / ۷۲-۱۸۷۱ء میں خواجہ غلام فخرالدین کی وفات پر مسند نشین ہوئے۔ مسند نشینی کے وقت نواب صادق محمد خان رابع نے چاچڑاں جاکر اُن کی دستار بندی کی اور خلعت

---

[1] تذکرہ نگاروں نے اُن کی تاریخ ولادت میں اختلاف کیا ہے۔ "مناقب فریدی" میں ذی قعدہ ۱۲۶۱ھ اور "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" میں رمضان ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا ہے۔

پیش کی۔ نواب صاحب خود خواجہ غلام فرید کے بے پناہ عقیدت مند تھے۔

خواجہ صاحب وسیع المطالعہ اور وسیع المشرب بزرگ تھے اور اُن کی گفتگو میں اکثر علمی نکات ہوتے تھے۔ تاریخ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ تاریخی مقامات کی سیر اور اُن کے بارے میں معلومات یکجا کرنا اُن کا دل پسند شوق تھا۔ علم انساب کے ماہر تھے۔ جب کبھی اُن کے سامنے کسی بزرگ کا ذکر ہوتا تو فوراً اُن کا نسب نامہ بیان کر دیتے تھے۔

شریعتِ حقّہ پر سختی سے کاربند تھے۔ ہندوانہ رسوم اور غیر شرعی اعمال سے نفرت تھی۔ عورتوں کی بے حجابی اور مردوں سے اُن کا بے باکانہ اختلاط پسند نہیں کرتے تھے۔ سابق ریاست بہاولپور میں بھنگ کا بہت رواج تھا اُنہوں نے بعض بھنگ خوروں کا سوشل بائیکاٹ کیا۔ خلوت پسند، کم گو اور کم خور بزرگ تھے۔ نظافت پسند، سادہ طبیعت اور جود و سخا میں بے مثال تھے۔ چشتیہ مسلک کے مطابق قوالی کے شائق تھے۔ آخری زندگی میں قادری سلسلے کے اذکار و اشغال اُن پر غالب تھے۔

۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ساٹھ سال کی عمر میں ۶ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ ۲۳ جون ۱۹۰۱ء کو فوت ہوئے۔ کوٹ مٹھن میں مدفون ہوئے۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے:

مرشدِ شاہِ ما غلام فرید | الذی کان راضیًا برضاہ
شاہ ملکِ طریقت و عرفاں | صاحب العز والبہا والجاہ!
نافیٔ غیر مثبت واحد | ذکرہ لا الٰہ الا اللہ
اعتقادش بدل خلائق را | وصفہ فی اللسان والافواہ
ترکِ دُنیا نمود و رحلت کرد | نمنا بالفراق و امغاہ
روح والاش چوں صعود نمود | سر من کان فی السمار یلقاہ
ہر مقامے کہ بود طے فرمود | قد علا قدرہٗ وما اعلاہ

جانگاہش چو ابرِ رحمت یاد جعل اللہ جنت" مثواہ
سالِ ترحیل او عزیز بگفت
جائے مثویٰ لہٗ و طاب ثراہ[1]

۱۳۱۹ھ

خواجہ غلام فرید سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں :

۱۔ فوائدِ فریدیہ۔ (توحید اور دوسرے اعتقادی مسائل)

۲۔ دیوانِ فرید (اردو)

۳۔ دیوانِ فرید (پنجابی)

اُن کے ملفوظات مولانا رکن الدین نے "ارشاداتِ فریدی" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ خواجہ صاحب پنجابی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کا کلام وارداتِ عشق اور مسائلِ تصوف سے لبریز ہے۔ اُن کی منظومات کے تراجم اُردو کے علاوہ مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

خواجہ صاحب نے "ڈوبر ترادا" (چولستان) میں ایک عرصہ قیام کیا تھا اور اسی علاقے کی ایک دوشیزہ سے شادی کی تھی۔ اُن کی اولاد میں ایک دختر اور ایک فرزند خواجہ محمد بخش نازک تھے۔ خواجہ نازک اُن کے جانشین ہوئے۔



---

[1] گوہر شب چراغ بحوالہ "خواجہ غلام فرید"، ص ۸۴

غلام قادر بھیروی

مولانا عبدالقادر (معروف بہ غلام قادر) بن غلام حیدر بھیرہ ضلع سرگودہا کے ایک دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام قادر کے والد ماجد غلام حیدر صاحبِ علم اور دیندار انسان تھے۔ اُنہوں نے اپنے صاحبزادے کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی۔

مولانا غلام قادر نے ابتدائی درسی کتب مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ بعد دہلی کا رُخ کیا اور مفتی صدرالدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ کی جنگِ آزادی کے فوراً بعد لاہور آئے اور "اونچی مسجد اندرون بھاٹی گیٹ" میں فرائضِ خطابت و وعظ انجام دینے لگے۔ بعد میں "بیگم شاہی مسجد" کی متولیہ بائی جیواں نے اُن کی خدمات اپنی مسجد کے لئے حاصل کر لیں۔ اُنہیں اپنا متبنّیٰ بنایا اور مسجد کی تولیت بھی اُن کے سپرد کر دی۔ مؤلف "تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور"، کا قیاس ہے کہ مولانا غلام قادر ۱۸۷۲ء/۸۹-۱۲۸۸ھ سے پہلے اس مسجد میں تشریف لے آئے تھے۔[1]

مولانا غلام قادر ۱۸۷۹ء/۹۷-۱۲۹۶ھ میں اورئنٹل کالج لاہور سے بحیثیت مدرس دوم (عربی) منسلک ہوئے اور ۱۸۸۱ء/۹۹-۱۲۹۸ھ میں الگ ہوئے۔[2] اس کے بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور ص ۲۲۴-۲۲۵

[2] تاریخ اورنٹل کالج ص ۲۱۱

میں درس و تدریس کرتے رہے۔

مولانا غلام قادر ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۲۷ھ / ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو فوت ہوئے اور بیگم شاہی مسجد کے جوار میں دفنائے گئے۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے "منبعِ فیضِ ربِّ جلیل" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

مولانا غلام قادر بلند پایہ مدرّس تھے۔ مولانا عبدالحیٔ رائے بریلوی نے لکھا ہے:

"لم یکن لہ نظیر فی پنجاب فی کثرۃ الدرس والافادہ"[1]

جناب حکیم احمد شجاع مرحوم نے "بھاٹی گیٹ لاہور" کے گرد و نواح میں رہائش پذیر علماء و فضلاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عربی اور فارسی کے علوم میں اُن (مولانا غلام قادر) کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ بڑے بڑے عالم و فاضل اُن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ میرے والد (حکیم شجاع الدین احمد مرحوم) جو اپنی زندگی کے ابتدائی زمانے میں دہلی میں قاضی القضاۃ ہند صدر الصدور مفتی صدر الدین سے اکتسابِ علم کر چکے تھے۔ عربی زبان کے فاضلِ اجلّ ہونے کے باوجود اپنی عربی اور فارسی زبان کی تصنیفات مولانا غلام قادر ہی کو دکھاتے اور ان سے اصلاح لیتے تھے۔ مجھے اپنے بچپن میں اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور میں نے اکثر دیکھا کہ وہ درسِ قرآن دیتے وقت بھنے ہوئے چنے اور منقّیٰ چباتے رہتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی پر اُن کی خوراک کا دار و مدار ہے۔ ہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ اُن کے درس و تدریس کا سلسلہ ان ہی لوگوں تک محدود رہے جو علم و فضل میں منتہائے کمال کو پہنچ چکے تھے۔ بچوں کو

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۳۴۹

درسِ قرآن دینے کے لئے اُن کے ایک شاگرد اور مُرید تھے جو قاضی جی کہلاتے تھے۔ اس فقیر گوشہ نشین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا جب مجھ میں اُن کے علم و فضل کو پرکھنے کی استعداد نہ تھی۔ پھر بھی مجھے فخر ہے کہ اِس مردِ حق آگاہ نے مجھے آغازِ کلام اللہ کے وقت بسم اللہ پڑھائی۔[1]

مولانا غلام قادر متشدد حنفی تھے۔ اُنھوں نے اپنی مسجد میں حسبِ ذیل کتبہ لگوایا ہوا تھا:

"باتفاق انجمن حنفیہ و حکم شرع قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری، مرزائی مسجد ہذا میں نہ آئے اور خلافِ مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے۔

فقیر غلام قادر عفی عنہ متولی بیگم شاہی مسجد

کتبہ: عبدالحمید خوشنویس

اگر اُن کی مسجد میں کوئی اہل حدیث نماز پڑھ لیتا تو نہ صرف وہ مسجد کا فرش دھلاتے بلکہ بعض اوقات مسجد کا فرش اکھڑوا دیتے اور نیا فرش لگواتے تھے۔

مولانا غلام قادر سلسلہ چشتیہ میں خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ سے بیعت تھے۔ اور اُن سے مجاز بیعت تھے۔ مولانا مرحوم کی حسبِ ذیل تصنیفات ملتی ہیں:[2]

۱۔ اسلام کی گیارہ کتابیں	۲۔ نمازِ حضوری
۳۔ نمازِ ضروری	۴۔ ختماتِ خواجگان
۵۔ حقیقت انوارِ محمدیہ	۶۔ شمس الحنفیہ بجواب نور الحنفیہ

---

[1] لاہور کا چیلسی۔ نقوش شمارہ نمبر ۱۰۲ ص ۲۲

[2] تذکرۂ علمائے اہلسنت و جماعت ص ۲۳۰۔ ۲۳۱

۷۔ جوہرِ ایمانی

۸۔ نورِ ربّانی فی مدحِ محبوب السبحانی

۹۔ عکازہ درصلوٰۃ الجنازہ

۱۰۔ شوارقِ صمدیہ ترجمہ بوارقِ محمدیہ فی رجم الشیاطین النجدیہ (تالیف: مولانا فضل رسول بدایونی)

۱۱۔ فاتحہ خوانی

۱۲۔ شمس الضحیٰ فی مدحِ خیر الوریٰ

مولانا غلام قادر کی اولاد میں دو صاحبزادے (مولانا رفیع الدین اور مولانا زین العابدین) اور دو صاحبزادیاں تھیں۔



غلام قادر منچن آبادی

مولانا غلام قادر سابق ریاست بہاول پور کے ایک بزرگ عالم تھے۔ اُنہوں نے مولانا اللہ بخش بہاول نگری کے ہمراہ حصولِ تعلیم کے لئے وسطِ ہند کا سفر کیا۔ علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد منچن آباد آ گئے اور ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ رجب ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء تک تشنگانِ علوم دینی کی پیاس بجھا رہا تھا۔[۱]

مولانا غلام قادر نے نہ صرف مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ اُن کی معاشی بہبود کے لئے بھی کوشاں رہے۔ مفلوک الحال غریب مسلمانوں کو جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ مالی امداد دے کر اُنہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔

مولانا غلام قادر کے مفصل حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں۔ محمد پور سنساراں ضلع بہاول نگر میں مدفون ہیں۔



۱۔ ذکرِ کرام ص ۲۱

غلام محمد قادری لاہوری

مولانا حافظ غلام محمد قادری المعروف بہ امام گاموں بن حافظ محمد صدیق بن حافظ محمد حنیف بن محمد لطیف ایک صاحبِ علم خانوادے کے گلِ سر سبد تھے۔ اُن کے دادا حافظ محمد حنیف کابل سے ترکِ سکونت کر کے پنجاب آئے اور مستقل طور پر لاہور میں اقامت گزین ہو گئے۔ حافظ محمد حنیف جیّد عالم تھے مگر اس خاندان کی شہرت مولانا حافظ محمد صدیق (م ۱۱۹۳ھ) سے ہوئی۔ حافظ محمد صدیق قابل مدرّس، جیّد عالم اور صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ اُن کی علمی یادگاریں آج بھی قابلِ توجہ ہیں۔

مولانا حافظ غلام محمد علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سکھا شاہی میں لاہور کی اکثر مساجد بارود خانوں اور گھوڑوں کے اصطبلوں کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھیں مگر مسجد وزیر خان مولانا غلام محمد کے سبب سکھوں کی دستبرد سے محفوظ رہی۔ اُن کے علم و نظر کے پیشِ نظر اہلِ لاہور اُنہیں عزّت و احترام سے دیکھتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ جملہ تذکرہ نگار اُن کے علم و نظر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔[1]

مولانا غلام محمد نیک طینت اور نیک دل بزرگ تھے۔ اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھتے اور درویشوں کی خدمت میں لُطف محسوس کرتے تھے۔ بہت اچھے خوشنویس تھے۔ کتابت سے جو کچھ حاصل ہوتا، درویشوں اور غربا میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سیّد عبداللہ شاہ قادری بلوچ کے مرید تھے۔

---

[1] رک: حدائق الحنفیہ، حدیقۃ الاولیاء و تاریخ لاہور وغیرہ

اُن کے دم قدم سے مسجد وزیر خان کا مدرسہ تشنگانِ علم کا مرجع تھا۔ وہ اپنے طلبہ کی ضروریات کا بہت خیال رکھتے تھے اور اُن کے دُکھ درد میں شریک رہتے تھے۔ آخر دم تک مسجد وزیر خان کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اُن کا وعظ پُر تاثیر ہوتا تھا۔ ۱۲۴۴ھ/ ۲۹-۱۸۲۸ء میں فوت ہوئے[1] اور مسجد وزیر خان کے باہر جنوب کی طرف دفنائے گئے۔

مولانا غلام محمد صاحبِ تصانیف تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل کتابیں معروف ہیں۔

۱۔ شمس التوحید

۲۔ گنج مخفی (منظوم)

مولانا غلام محمد فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور غریب تخلص کرتے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی تالیف "حدیقۃ الاولیاء" (تصنیف: ۱۲۹۲ھ) میں لکھا ہے:

"اُن کے عاشقانہ ابیات اب تک زبان زدِ خلق ہیں"[2]

"گنج مخفی" سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

گنج مخفی ست در تو اے دلدار ... بے خبر زاں نشستہ چوں مار

خبر شرط است می کنم بشنو ... پنبہ از گوش خویش بیروں آر

چیست آں پنبہ خوابِ غفلتِ تو ... باش از یں خواب جانِ من بیدار

گر تو بیدار باشی اے جانم ... پیش تو من عجب کنم گفتار

---

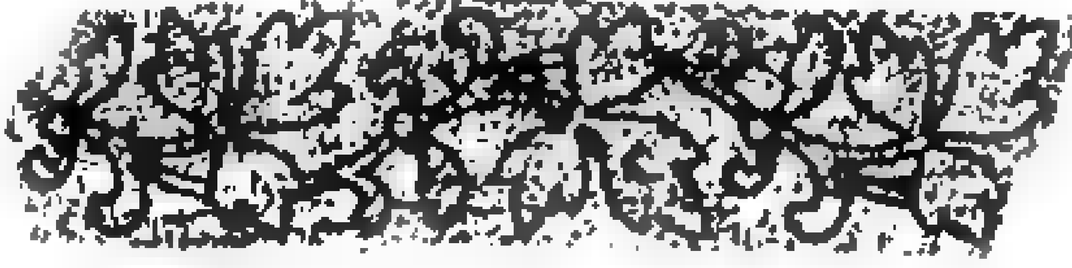
[1] بعض تذکرہ نگاروں نے تاریخ وفات ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ لکھی ہے مگر خاندانی ریکارڈ میں ۱۲۴۴ھ درج ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء۔ ضمیمہ ثالث)

[2] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۶۴

گوش جان کن بشنو حدیث از من
تا شوی ہمچوں گل تو خوشبو دار

اپنے عقائد اور تخلص کے بارے میں رقمطراز ہیں:

اے غریب ابن حافظ صدیق	از دل و جان غلام ہر چہار
سُنّی و قادری و حنفی ام	از روافض خوارجی بیزار
گر تو پرسی کہ اسم جسم چیست	تو غلام محمد پندار
در تخلص غریب پنداری	گر بخوانی تو نظم من اے یار
بہ حقیقت اگر نظر بکنی	نہ تخلص نہ اسم و جسم شمار



مفتی غلام محمد لاہوری

مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی محمد تقی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے مخدوم مفتی محمد قریشی معروف بہ میاں کلاں (م ۸۹۱ھ) کو سلطان بہلول لودھی (م ۸۹۴ھ) نے لاہور کا مفتی مقرر کیا اور وہ ملتان سے لاہور آ گئے[1]۔ اُنہوں نے اندرون موچی دروازہ اپنی رہائش کے لئے ایک حویلی تعمیر کی اور ایک محلہ آباد کیا۔ اس خانوادے کے حوالے سے کوٹلی مفتیاں" کے نام سے مشہور ہوا۔

مفتی شیخ محمد قریشی کی اولاد میں علم و افتار کی روایت قائم رہی اور ہر دور میں جید علماء پیدا ہوتے رہے۔ مفتی غلام محمد علوم مروّجہ پر عبور رکھتے تھے۔ بالفاظ مولوی رحمان علی "جامع علوم و فنون"[2] تھے۔ تعلیم و تدریس اور مریضوں کے علاج معالجہ میں مصروف رہتے تھے۔ کتابتِ قرآن سے آذوقہ حیات حاصل کرتے تھے۔

مفتی غلام محمد نے اپنے والد ماجد سے اکتسابِ فیض کیا اور مولانا غلام رسول لاہوری سے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔

۹ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ/ ۶ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو فوت ہوئے۔ "خورشید دینِ محمد"
۱۲۷۶ھ
سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

مفتی غلام محمد مرحوم کی اولاد میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں نے علمی دنیا

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۲۰

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۶

میں خوب نام پیدا کیا۔

۱۔ مفتی سید محمد لاہوری ـــــــ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ ابھی کوٹ مٹھن (سندھ) میں تھے کہ دارِ فانی سے دار البقا کو سدھارے خلاصۃ المدارج، فقہ محمدی اور مخزن الفرائض اُن کی تالیفات ہیں۔

۲۔ حافظ غلام احمد (م ۱۲۹۰ھ)

۳۔ مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ)[1]



[1] ان کا مفصّل ترجمہ کتاب میں شامل ہے۔

غلام محمد بگوی

مفتی غلام محمد بگوی بن مولانا غلام محی الدین بگوی ۱۲۵۵ھ/ ۴۰-۱۸۳۹ء میں بگہ میں پیدا ہوئے۔ علومِ متداولہ کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی۔

حج بیت اللہ کے موقع پر حضرت شاہ عبد الغنیؒ (م ۱۲۹۶ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں منسلک ہوئے۔ ان کی رحلت پر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے وابستہ ہوئے۔ حضرت فقیر محمد تیراہی سے بغایتِ خاطر تعلق تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ باولی شریف ضلع گجرات والے فرمایا کرتے تھے کہ:

"بابا جی نے جو کچھ آپ کو دیا کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا"[1]

مولانا احمد الدین بگوی کی علیحدگی پر ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں شاہی مسجد لاہور کے امام مقرر ہوئے[2]۔ موصوف بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ اُس دور کی اکثر کتابوں پر ان کی تقریظیں اور فتاویٰ پر تصدیقی دستخط ملتے ہیں۔ لاہور کی معاشرتی اور علمی زندگی میں ان کا نمایاں مقام تھا۔

۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۸ھ/ ۳۰ر ستمبر ۱۹۰۰ء کو واصل بحق ہوئے۔ مادۂ تاریخ

بجھا ہے پنجاب کا چراغ آہ اب

۱۳۱۸ھ

ہے۔ قبرستان میانی صاحب میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مفتی غلام محمد بگوی مرحوم کی تحریرات میں سے اکثر فتاویٰ انجمن مستشار العلماء لاہور نے

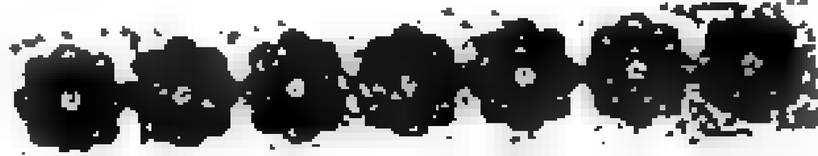
---

[1] حدائق الحنفیہ ص ۲۸۷

[2] بادشاہی مسجد لاہور ص ۳۲

"فتاویٰ صابریہ" کے نام سے شائع کیے ہیں۔

اُن کے دو نامور صاحبزادے مولوی محمد رفیق بگوی (م سنہ ۱۳۳۳ھ / سنہ ۱۵-۱۹۱۴ء) خطیب جامع مسجد بگہ اور مولانا محمد شفیق بگوی تھے۔



غلام محمد چکوالی

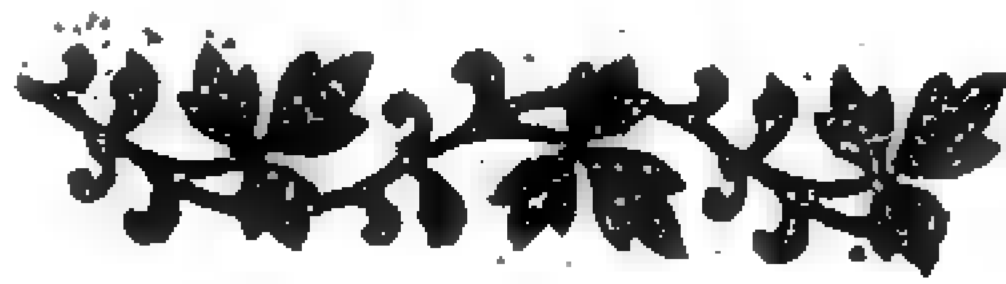
مولانا غلام محمد بن غلام رسول ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء میں چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بعد میں مولانا برہان الدین چکوالی سے استفادہ کیا۔ تکمیلِ علم کے لئے سہارنپور کا سفر کیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جیسے فضلائے روزگار کے نام ملتے ہیں۔

درس و تدریس میں زندگی بسر کی۔ وسیع المطالعہ عالم تھے۔ اہلِ علم نے بکثرت اُن سے استفادہ کیا۔ ۱۳۲۵ھ/۸-۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے۔[1]

مولانا غلام محمد چکوالی کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل معروف ہیں:

۱۔ شرح متن متین (نحو)

۲۔ حاشیہ علی حاشیۃ القاضی مبارک (منطق)



---

[1] نزہت الخواطر ج ۸ ص ۳۵۰

غلام محمد دین پوری

مولانا ابوالسراج غلام محمد بن سردار حاجی نور محمد خان بن سردار محمد چراغ خان ضلع جھنگ کے اکبانہ بلوچ قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں موضع عالمے خان شرقی ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔

سردار حاجی نور محمد خان ایک دیندار اور درویش صفت انسان تھے۔ اُنہوں نے اپنی زندگی میں تمام کاروبار اپنے بڑے صاحبزادے سردار محمد اسماعیل کے سپرد کر دیا تھا اور خود اہل اللہ کی محفلوں میں وقت گزارتے تھے۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے دور دراز کے سفر بھی کئے۔ فریضۂ حج کی بجا آوری کے بعد مستقل طور پر ارضِ حجاز میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۲۵۸ھ/۴۳-۱۸۴۲ء میں افرادِ کنبہ کو لے کر بارادۂ ہجرت چل پڑے۔ راستے میں بستی "ٹبی کورائیاں" پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے اور چند دن بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

خاندان کے سربراہ سردار حاجی نور محمد خان کی اچانک وفات کے سبب یہ خاندان "ٹبی کورائیاں" میں رہ پڑا۔ مولانا غلام محمد کی والدہ ماجدہ نے محنت مزدوری کر کے یتیم بچّوں کی پرورش کی۔

مولانا غلام محمد نے بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا فقیر اللہ کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور شرح جامی تک کتبِ درسیہ پڑھیں۔ اس کے بعد ذاتی مطالعے سے قرآن و سنّت میں درک حاصل کی۔

مولانا غلام محمد "ٹبی کورائیاں" میں مقیم تھے کہ اُنہوں نے اپنی بڑی بہن کا رشتہ بلوچ قبیلے سے باہر ایک کمہار سے کر دیا۔ ٹبی کورائیاں کے بلوچوں نے اسے اپنی ہتک

خیال کیا اور موقع پاکر کہار مذکور کو قتل کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کہار مذکور کے شیر خوار بچے (مولانا غلام محمد کے بھانجے) کو بھی بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالا۔ اس سانحہ کے بعد مولانا غلام محمد نے بٹی کوراٹیاں کی سکونت ترک کر دی اور بستی گھوٹیہ (علاقہ خانپوں) آ گئے۔ آخر میں ۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ کے لگ بھگ "دین پور" آ گئے جو اُن کے دم قدم سے نہ صرف آباد ہوا بلکہ اسم با مسمیٰ ہو گیا۔

مولانا غلام محمد نے سلسلہ قادریہ میں مولانا محمد صدیق بھرچونڈویؒ (م ۱۳۰۸ھ) سے بیعت کی تھی۔ تقریباً ۲۸ سال اُن کی صحبت میں رہے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا غلام محمد عابد و زاہد بزرگ تھے اور حلقۂ صوفیا میں مقام بلند رکھتے تھے۔ خواجہ غلام فریدؒ کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا۔ مولانا غلام محمدؒ کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ:

"اکثر چاچڑاں شریف سے باہر جاتے ہوئے دین پور شریف سے متصل سڑک پر سے آپ (خواجہ غلام فریدؒ) کا گزر ہوتا۔ آپ پالکی پر سوار ہوتے لیکن جوں ہی دین پور شریف کی حدود کے قریب آتے سواری سے اُتر جاتے اور تھوڑی دور پیدل چل کر آگے جا کر سوار ہوتے"[1]

مولانا غلام محمد کو علمائے دیوبند سے خصوصی لگاؤ تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے دین پور میں ابتدائی تعلیم پائی تھی۔ ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کے تعارف کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) حافظ محمد احمد (م ۱۳۴۰ھ) اور مولانا عبید اللہ سندھی نے سندھ کا دورہ کیا۔ یہ وفد دورانِ سفر میں دین پور میں ٹھہرا۔ واپسی پر مولانا غلام محمد وفد کے ساتھ کراچی تک گئے۔ اپریل ۱۹۱۲ء/۱۳۳۰ھ میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی خصوصی دعوت پر دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کی۔ اس موقع پر

---

[1] بید بیضا ص ۹۳

اُنہوں نے اکابرِ دیو بند سے خصوصی ملاقاتیں کیں۔ دیو بند سے واپسی پر فرمایا کرتے تھے:

"ہم پہلے دیو بند کو مولویوں کا ایک مرکز خیال کرتے تھے مگر وہاں جاکر ہم نے بے شمار عام لوگوں پر انوارِ الٰہی کی بارش برستی دیکھی ہے۔ خواص کی تو کچھ بات ہی اور تھی"[۵۱]

مولانا غلام محمد نے "تحریکِ ریشمی رومال" میں حصّہ لیا اور گرفتار ہوئے[۵۲] مولانا عبدالقادر دین پوری کے ہمراہ جالندھر میں چھ ماہ نظر بند رہے۔

مولانا غلام محمد نے ۱۹۲۲ء/۱۳۴۰ھ۔۴۱ھ میں اپنے مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی اور سید محمد راشد (مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی) کے نام پر دین پور میں "مدرسہ صدیقیہ راشدیہ" قائم کیا جو آج تک علمی و دینی خدمات میں سرگرم ہے۔ اس مدرسہ میں مولانا عبدالقادر دین پوری، مولانا عبداللہ لغاری (شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی) مولانا غلام صدیق حاجی پوری، مولانا عبدالرزاق اور مولانا عبداللہ درخواستی جیسے علماء و مدرسین نے تعلیم و تدریس کی ہے۔

۱۹۲۳ء/۱۳۴۱ھ میں فریضۂ حج ادا کیا۔ مولانا غلام محمد نے وجع المفاصل کے عارضے میں ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ/ ۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔

مولانا سید محمد زمان نیازی ہمدانی نے قطعۂ تاریخ وفات کہا۔ جس کے آخری دو شعر یہ ہیں ع

---

۵۱ ید بیضا ص ۱۰۷

۵۲ تفصیل کے لئے "ید بیضا"، "تحریکِ شیخ الہند" اور "نقشِ حیات"

ہر کہ رفت از دارِ دُنیا باز ناید ہیچ گاہ!
بے اثر است، گرچہ نالد ہر کسے صبح و مسا
اے نیازی! طبعِ من از بہرِ تاریخش بگفت
"قبلہ اربابِ معنی، پیشوائے اتقیا"[1]

۱۳۵۴ھ

مولانا غلام محمد دین پوری سے خلقِ کثیر نے استفادہ کیا۔ اُن کے بارِ خلافت کو حسبِ ذیل بزرگوں نے اٹھایا:

۱۔ مولانا حسین احمد مدنی
۲۔ مولانا احمد علی لاہوری
۳۔ مولانا عبدالہادی دین پوری

مولانا غلام محمد نے دو شادیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد دی مگر سلسلۂ نسل تین صاحبزادوں اور تین صاحبزادیوں سے چلا۔ اِن میں سے پہلی اہلیہ سے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی اور میاں رشید احمد ہیں۔ دوسری اہلیہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی دُختر تھیں۔ اُن سے ایک صاحبزادے میاں ظہیر الحق پیدا ہوئے۔

[redacted]

---

[1] ید بیضا ص ۱۹۷

غلام محمد گھوٹوی

مولانا غلام محمد گھوٹوی رح راجپوت کنگ برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۸۶ء/۴-۰۴-۱۳۰۳ھ ضلع گجرات کے نواحی قصبے گرالی میں پیدا ہوئے۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی پر تھی۔ انھوں نے قصبہ گکھووال کے پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد چکوڑی (ضلع گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے فارسی اور صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اُن کے خاندان والوں کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو اپنا لیں اور گھر سے باہر مسجدوں اور مکتبوں میں نہ پڑے رہیں مگر اُن کی لگن تھی کہ وہ خاندان والوں کو بتائے بغیر چکوڑی سے گھوٹہ (ضلع ملتان) منتقل ہو گئے اور مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کافیہ ابن حاجب سے لے کر قطبی اور میبذی تک کتابیں اُن سے پڑھیں۔ بعد میں اُستاد محترم گھوٹوی کے ارشاد پر مولانا سید غلام حسین کی خدمت میں موضع تیلری (ضلع مظفر گڑھ) حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہ کر موضع چکی (ضلع اٹک) میں مولانا محمد زمان کے پاس پہنچے۔ یہاں بھی زیادہ عرصہ مقیم نہ رہے اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخل ہو گئے۔ حافظ غلام احمد حافظ آبادی رح کی نگرانی میں طبیعات اور ریاضی کی تکمیل کی۔ یہاں سے مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ کے لیے کانپور گئے دو سال اُن سے ادبِ عربی اور معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اُن کی وفات پر مولانا فضل حق رامپوری (م ۱۳۵۸ھ) کے درس میں شریک رہے۔ صحاح ستہ اور کتبِ طب مولانا وزیر حسن رامپوری سے پڑھیں۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس ہو گئے۔ تین سال کے بعد مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی نے انہیں گھوٹہ بلا لیا اور وہ یہاں آ گئے۔ بیس سال گھوٹہ

اُن کے علم و فضل کی بدولت مرجع طلبہ رہا۔ گھوٹہ میں آنے کے تیرہ سال بعد وطن مالوف گئے۔ اہلِ خاندان نے بہت کوشش کی کہ وہ "گمرالی" آ جائیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر گمرالی میں سکونت اختیار نہ کی کہ جس گاؤں کی سکونت اللہ کی راہ میں ترک کر دی تھی۔ اب وہاں قیام موزوں نہیں۔

سابق ریاست بہاول پور میں جامعہ عباسیہ بہاول پور (حال اسلامیہ یونیورسٹی) کی بنیاد رکھی گئی تو اس کی کرسی صدارت کے لیے نواب بہاول پور کی نگاہ مولانا غلام محمد گھوٹوی پر پڑی چنانچہ ۲۵ جون ۱۹۲۵ء / ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو انہوں نے بحیثیت "شیخ الجامعہ" جامعہ عباسیہ، ریاست کی ملازمت اختیار کی۔ تقریباً بائیس سال اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء / ۷ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ کو سبکدوش ہوئے۔

مولانا غلام محمد اپنے علم و فضل کی بنا پر علماء کے ہر طبقے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علمائے دیوبند سے اُن کے اچھے روابط تھے اور اُن سے خط و کتابت رکھتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئی سے جہاز میں سوار ہونا تھا۔ راستے میں دیوبند گئے اور مولانا محمود حسن سے ملے۔ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا مگر مولانا محمود حسن نے بھرپور اپنائیت کا اظہار کیا۔

فتنۂ قادیانیت کے تعاقب میں نہایت سرگرم تھے۔ اہلِ سنت مناظرین کے حوصلے بڑھاتے تھے۔ مشہور مقدمہ بہاول پور میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

مولانا غلام محمد سیاسی طور پر ابتداءً انڈین نیشنل کانگرس سے وابستہ تھے اور ملتان ڈویژن کے صدر تھے بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور تحریکِ پاکستان کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے کام کیا۔

مولانا گھوٹوی ابتدائی زمانۂ تعلیم میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے دامنِ الفت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ مولانا محمد چراغ چکوڑوی پیر صاحب کے ارادت مند تھے اور پیر مہر علی شاہ مرحوم سیال شریف جاتے ہوئے چکوڑی میں قیام کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر میں پیر صاحب نے مولانا غلام محمد کے بارے میں کلماتِ تحسین کہے کہ "طالب علم ہونہار دکھائی دیتا ہے"۔ چنانچہ مولانا، پیر صاحب سے بیعت ہوئے۔

مولانا غلام محمد ۸ / مارچ ۱۹۴۸ء/ ۲۷ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ کو بہاول پور میں فوت ہوئے اور قبرستان ملوک شاہ میں دفنائے گئے۔ لواحقین میں دو صاحبزادے مولانا عبدالحئی چشتی اور مولانا حافظ غلام احمد ہیں۔

مولانا گھوٹوی کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع ہے۔ کم و بیش پینتالیس سال تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے۔ سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا ہوگا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا مہر محمد اچھروی مدرس مدرسہ فتحیہ اچھرہ
۲۔ مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف۔ جھنگ
۳۔ علامہ رحمت اللہ ارشد بہاول پوری
۴۔ پیر ولایت شاہ گجراتی
۵۔ مولانا محمد اسماعیل سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف
۶۔ مولانا عبدالرزاق سجادہ نشین خیر پور
۷۔ مولانا حافظ محمد شفیع مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۸۔ مفتی محمد امین بہاول پور



غلام محمد جلوانوی

مولانا غلام محمد بن میاں محمد فاضل راجپوت سدیانہ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۹۳ء/
۱۳۱۰۔۱۱ھ کے لگ بھگ چک نمبر ۱۹۱۔گ۔ب مخدوماں ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ساتویں
جماعت میں پڑھتے تھے کہ سید شیر محمد شاہ گیلانی (۲۷) متوطن فتح پور گوگیرہ۔ ضلع ساہیوال) کے
حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور اٹھارہ برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ علوم دینیہ کی تحصیل
ان ہی سے کی۔

مولانا غلام محمد جلوانوی (قصبہ جلوانہ ضلع فیصل آباد میں مقیم رہے اور اصلاح معاشرہ و
تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ موصوف ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے زبردست مداح تھے
اور اُن ہی کے انداز پر صوفیانہ خیالات رکھتے تھے۔ مولانا غلام محمد ترسیٹھ سال کی عمر میں ۴ر شوال
۱۳۷۵ھ/ ۱۵ر مئی ۱۹۵۶ء کو جلوانہ ضلع فیصل آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔
اُن کی اولاد میں چار صاحبزادے۔ محمد انوار حسین، محمد نیاز حسین، محمد افتخار حسین اور
محمد اعجاز حسین ہیں۔

مولانا غلام محمد مرحوم کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں۔

۱۔ اسرار المقطعات و رموز المتشابہات
۲۔ تحقیق العارفین فی حقیقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ رسالہ نور الایمان فی علم القرآن
۴۔ نورِ ولایت
۵۔ دیوانِ عشق
۶۔ پیامِ جلوی
۷۔ مدیحتہ النبی (نعت بزبان فارسی)
۸۔ وصالِ باکمال سید شیر محمد شاہ گیلانی
۹۔ کمالِ جلوی

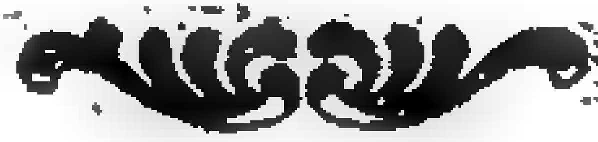
۱۰۔ رمز الوحدت (پنجابی منظوم)

۱۱۔ وصال نامہ (سیّد قطب علی شاہ)

۱۲۔ تعلیم توحید و دقیق علوم

۱۳۔ الاسرار الالٰہیہ من الفتوحات المکیّہ

مولانا غلام محمد کے ملفوظات "اسرار التوحید المعروف بہ ملفوظاتِ جلوی" کے نام سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔



غلام محمد ترنّم

مولانا غلام محمد ترنم بن عبدالعزیز ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء میں امرتسر کے ایک غریب کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا عبدالرحیم[1] (م ۱۳۳۵ھ) اور مفتی عبدالصمد کاشمیری (م ۱۳۳۶ھ) سے حاصل کی۔ اس کے بعد قالین بافی اور شالوں پر گل کاری کے فن سیکھے اور کئی سال اس پیشہ سے وابستہ رہے۔ تحصیلِ علم کا طبعی شوق انہیں جناب محمد حسین عرشی[2] کے پاس لے گیا۔ عرشی صاحب نے اپنے علمی مشاغل کے پیشِ نظر انہیں حکیم فیروزالدین فیروز طغرائی (م ۱۳۴۹ھ) کے پاس پہنچا دیا۔ حکیم طغرائی سے شعرو شاعری میں اصلاح کے ساتھ منشی فاضل کا نصاب پڑھ کر امتحان میں بیٹھے اور کامیابی حاصل کی۔ اگلے سال ادیب فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ حکیم طغرائی کے فیضِ صحبت نے انہیں "ترنم" بنایا اس سے پہلے "اصغر" تخلّص کرتے تھے۔

ادب و شعر کے راستے دینیات کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا محمد عالم آسی (م ۱۳۶۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولانا آسی سے اپنے تعلّقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "میرے اور حضرت آسی کے تعلّقات غلام (ترنّم) اور آقا (آسی) کے تھے اور وہ از راہِ کرم میرے پاس کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں غیر حاضر تھا تو وہ یہ شعر لکھ کر رکھ گئے ؎

---

[1] مولانا عبدالرحیم خالصہ کالج امرتسر میں زبان و ادبیاتِ عربی کے پروفیسر تھے اور مولانا ترنّم کے بہنوئی تھے۔
[2] مدیر "البیان"، "بلاغ" امرتسر

چوں غریب دردمندے بدرت رسیدہ باشد
چہ قدر تپیدہ باشد چو ترا ندیدہ باشد

چند دن بعد دوبارہ تشریف لائے اور میں پھر بھی نہ مل سکا تو وہ یہ شعر لکھ کر ڈال گئے ع

طریق ترنم الاشعار صعبٌ
طویلٌ فی طویلٍ فی طویلٍ [۱]

فنِ طب کی کتابیں حکیم حاجی محمد علی (گوجرانوالہ) حکیم محبوب عالم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں۔ لاہور کے نامور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد سے اصولِ مطب سیکھے۔ [۲]

مولانا کا ذریعہ معاش پہلے تو تالیف باقی تھا بعد میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ مسلم ہائی سکول شریف پورہ امرتسر میں دینیات کے مدرس تھے اور فارغ اوقات میں مطب کرتے تھے۔ دینی و تبلیغی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اس راہ میں ایثار و قربانی میں کبھی پیچھے نہ رہتے تھے۔ ہال بازار امرتسر میں السنۂ شرقیہ کی تعلیم کے لیے ایک ادارہ "جامعہ اسلامیہ" کی بنیاد رکھی۔ جامعہ میں خود کم ہی پڑھاتے تھے۔ دوسرے مدرسین کی مستقل خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔ جامعہ امرتسر کے نوجوانوں میں عربی و فارسی زبانوں کا ذوق پیدا کیا۔

امرتسر میں مولانا ترنم کی شہرت ایک مدرس اور خطیب کی تھی۔ عوام میں خاصے مقبول تھے۔ مولانا ظفر علی خان امرتسر گئے تو ان کے بارے میں کہا ع

ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا
درخشاں اس کے ہالے ہیں مسلمانانِ امرتسر [۳]

---

[۱] مکتوب بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری ماہنامہ "فیض الاسلام" (راولپنڈی) بابت جنوری ۱۹۶۰ء [۲] مولانا غلام محمد ترنم ص ۲۰ [۳] چمنستان ص ۹۸

برصغیر کی تقسیم کے بعد لاہور آ گئے۔ یہاں اُن کی دینی و تبلیغی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں۔
جامع مسجد سول سیکرٹریٹ میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے جو رحلت آخرت سے چھ ماہ پہلے تک جاری رہا۔ مولانا ترنم نے جب خطبہ جمعہ شروع کیا تو یہ مسجد محض ایک جھونپڑا تھی۔ اُن کی کوششوں سے موجودہ رفیع الشان عمارت تعمیر ہوئی۔

سکرٹریٹ کے باب نیچے میں انگریزی دور کی یادگار سنگِ مرمر کی ایک صلیب تھی۔ سکرٹریٹ میں داخل ہوتے ہی اس پر نظر پڑتی تھی۔ مولانا ترنم نے ایک خطبے میں مطالبہ کیا کہ صلیب کو باب نیچے سے ہٹا دیا جائے۔ گورنر پنجاب اور چیف سیکرٹری کو توجہ دلائی گئی مگر "روایتی دفتریت" کے باعث صلیب نہ ہٹائی گئی۔ دوسرے جمعہ کو مولانا نے اعلان کر دیا کہ اگر آئندہ جمعہ تک یہ صلیب نہ ہٹی تو میں خود کدال لے کر سیاہ دلِ انگریز کی یہ یادگار ہمیشہ کے لیے زمین بوس کر دوں گا۔ اُن کے اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ مقررہ میعاد سے پہلے انگریزی دور کی یہ یادگار ختم ہو گئی۔

مولانا ترنم تحریکِ پاکستان کے سرگرم ہم نواؤں میں سے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے پاکستان کے بنیادی مقصد اسلامی نظامِ حیات کے احیاء کے لئے کام شروع کیا۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ پہلے صوبہ پنجاب کے صدر تھے بعد میں کل پاکستان تنظیم کے نائب صدر چُنے گئے۔ وہ جمعیۃ کے ذہین اور معاملہ فہم لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

سماجی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ آل پاکستان ایورویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کے روحِ رواں تھے۔

مولانا ترنم نقشبندی سلسلۂ طریقت میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے بیعت تھے۔ اس کے علاوہ سیّد علی حسین شاہ چشتی نظامی سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔

مولانا ترنم ذیابیطس کے مریض تھے اِسی بیماری میں ۱۷ محرم ۱۳۷۹ھ/ ۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔ پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے حسبِ ذیل قطعاتِ تاریخ کہے[1] ع

غلام محمد ہوئے آہ فوت ——— وفات اُن کی ہے ایک عالم کی موت
جو تاریخ مطلوب نامی ہے تو ——— "ہوا فوت عذب البیان ہے" کہو

۱۳۷۹ھ

غلام محمد کی نامی وفات ——— ترنم پر اک خطِ تنسیخ ہے
"غلام محمد خطیب اجل ——— جہاں سے گئے" آہ تاریخ ہے

۱۳۷۹ھ

ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم نے ان کی رحلت پر حسبِ ذیل تعزیتی شذرہ لکھا جس میں اُن کے سیرت وکردار پر عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی ہے:

"مولانا غلام محمد ترنم سے پہلی مرتبہ امرتسر میں تعارف ہوا تھا۔ وہ اسم با مسمّٰی اور اپنے تخلص کا عملی نمونہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر انہیں فخر تھا اور بڑے شیوا بیان واعظ تھے۔

پاکستان آنے کے بعد بھی اُن کے دینی اور ملّی مشاغل میں فرق واقع نہ ہوا۔ دستورِ اسلامی کے حامی تھے اور سیکرٹریٹ کی مسجد کے خطیب ہونے کے باوجود اسی مسجد کے منبر سے اُس وقت تک حق بات کہتے تھے جب کہ وقت کی حکومتیں اس بات کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

مسلک کے اعتبار سے بریلوی تھے مگر مرنجاں مرنج اور مسلکی اختلافات

---

[1] ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

کو خوش طبعی اور بذلہ سنجی سے ٹال جاتے تھے۔ قادیانی ایجی ٹیشن میں سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد بھی اُن کے دم خم میں فرق نہیں آیا تھا۔ ہر فن مولا تھے۔ واعظ، مدرس، سیاسی کارکن، خطیب، طبیب، عالم، عامی سب کچھ تھے۔ جس محفل میں بیٹھتے، اسے کشتِ زعفران بنا دیتے۔ اللہ تعالےٰ اُن کی مغفرت فرمائے، اُن کی خطاؤں سے درگزر اور اُن کی نیکیوں کا اجرِ جزیل عطا فرمائے آمین[1]

مولانا مرحوم کی حسبِ ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ دستورِ پاکستان

چالیس صفحات کا یہ مقالہ مرحوم نے صدر جمعیت علمائے پاکستان صوبہ پنجاب کی حیثیت سے جمعیت کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۱۰ را ۱ ر ۱۲ ر دسمبر ۱۹۵۰ء میں پڑھا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں طبع ہوا۔

۲۔ مقدمہ و حواشی "بطلِ حریت"۔ مشہور انگریز مصنف تھامس کارلائل کے لیکچروں کے ترجمہ پر مقدمہ اور حواشی تحریر کئے ہیں۔ حواشی میں کارلائل کی غلط فہمیوں پر گرفت کی ہے۔

۳۔ الجہاد

۴۔ غذائی چارٹ

ان کے علاوہ متفرق مضامین اور نعتیہ کلام یادگار ہے۔ بطور نمونہ کلام چند نعتیہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

کیا کہے گا دلِ ناداں تجھے سودا کیا ہے!
وہ اگر پوچھ لیں تجھ سے کہ تمنا کیا ہے

---

[1] بحوالہ ماہنامہ "فیض الاسلام"، راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

دل کشی پھولوں میں، تاروں میں، بہاروں میں نہیں
ماسوا آپ کے اس دہر میں اچھا کیا ہے!

نہ تصور میں یہ قدرت، نہ تخیّل میں یہ تاب
کیا کہیں چہرۂ پُر نور کا نقشہ کیا ہے

اِک ترنّم ہی نہیں جلوۂ حیرت کا اسیر
ہر کوئی سوچ رہا ہے تیرا جلوہ کیا ہے



قاضی غلام محمد جھنڈیالی

قاضی غلام محمد بن قاضی علی محمد بن قاضی محمد سعید بن حافظ نور محمد ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء کے لگ بھگ موضع "جھنڈیال" ضلع اٹک کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عباسؓ بن علی بن ابی طالب سے ملتا ہے۔ سات سال کے تھے کہ والد قاضی علی محمد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ ماجدہ کی توجہ سے علومِ دینی کی تحصیل کی۔ قرآن مجید (ناظرہ) گھر پر پڑھ کر مولانا فضلِ حق ساکن بکھوال ضلع اٹک کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اُن سے فارسی نظم و نثر اور عربی دستور و قواعد کی تحصیل کی۔ اس کے بعد مختلف درسگاہوں میں اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ موضع نوتھ ضلع اٹک میں مولانا غلام رسول عرف "انہی والا بابا" سے بھی استفادہ کیا۔

زمانۂ تعلیم ہی سے تدریسی ذوق رکھتے تھے جن دنوں درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھتے تھے۔ مبتدی طلبہ کو درس دیتے اور اشکالات کے حل میں مدد دیتے تھے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو آبائی گاؤں میں "مدرسہ منبع العلوم" کی بنیاد رکھی اور خود پڑھا ہوا، دوسروں تک پہنچانے لگے۔ جھنڈیال جیسی چھوٹی بستی حلقۂ علماء میں دور دور تک مشہور ہو گئی۔ ایک مختصر سے وقفے کے علاوہ تمام عمر "مدرسہ منبع العلوم" میں تشنگانِ علوم کی پیاس بجھاتے رہے۔ ۱۱ر شوال ۱۳۳۴ھ/ ۱۱ر اگست ۱۹۱۶ء تا ۱۱ر ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ / ۵ر جنوری ۱۹۱۷ء کا زمانہ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بحیثیت مدرس گزارا تھا۔

کھیتی باڑی اور طبابت کی آمدنی پر گزر بسر تھی امامت و خطابت اور مدرسہ کا اہتمام و تدریس فی سبیل اللہ کرتے تھے۔ کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ بورڈ اٹک کی طرف سے میرج انسپکٹر (MARRIAGE INSPECTOR) بھی رہے تھے۔

مولانا قاضی غلام محمد اپنے علاقے کے بلند پایہ عالم تھے۔ مذہبی مسائل میں اُن

ہی سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔ کتبِ فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے فتاویٰ پر دارالعلوم دیوبند کے مفتی کے تائیدی دستخط ملتے ہیں۔ علمائے دیوبند سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بدعات اور مشرکانہ عقائد سے سخت متنفر تھے اور احیائے سنّت کی تڑپ رکھتے تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی تھی۔ مہمان نواز بُردبار اور ہنس مُکھ شخصیت کے مالک تھے۔ طویل علالت کے بعد ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ/۲۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو جھنڈیال میں فوت ہوئے۔ وہیں عام قبرستان میں مدفون ہیں۔

مولانا قاضی غلام محمد کی قلمی یادگاروں میں سے "مجموعہ فتاویٰ" ہے جو تین جلدوں میں مرتّب ہے۔ تاحال زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکا۔ فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے اور "غلام" یا "غلام محمد" تخلّص کرتے تھے۔ اُن کی اکثر منظومات دلچسپ ہیں اور زبان پر قدرتِ کامل کا نمونہ ہیں۔

فارسی زبان کے قواعد کی تدریس میں بطورِ خاص دلچسپی لیتے تھے۔ ایک نظم میں ماضی مطلق سے فعل مضارع بناتے وقت جن حروف کا ایک دوسرے سے رد و بدل ہوتا ہے۔ اُن کی تفصیل بیان کی ہے۔ تاریخ گوئی سے دلچسپی تھی اور کئی اہم مواقع پر قطعاتِ تاریخ کہے۔ مولانا احمد خاں میروی کی رحلت پر طویل مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار مولانا میروی کے تذکرہ میں نقل کیے گئے ہیں۔ مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

من گرچہ کمترازہمہ اولادِ آدمم　　　فخرم ہمیں بس است غلامِ محمّدم

مولانا مرحوم کے چار صاحبزادے ہیں اور اوّل الذکر تین اپنے حلقۂ اثر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ محمد عبدالحق

۲۔ مولانا محمد سیف الرحمان

۳۔ مولانا حافظ محمد ظہور الحق

۴۔ مولانا منشی محمد فیض عالم ۔ عین عالم شباب میں انتقال کر گئے۔



غلام محمود پپلانوی

مولانا غلام محمود بن نورتنگ بن محمد باقر ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء میں وانڈہ محمد حسان ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ مقامی مکتب میں حافظ محمد مرزا سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا سلطان محمود بندیالوی اور مولانا فیض محمد (ساکن شاہ جمال۔ ملتان) سے صرف و نحو کی تکمیل کی۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیر تعلیم رہے اور مولانا غلام احمد حافظ آبادی سے اکتساب فیض کیا۔ کچھ عرصہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا آخر میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا۔ مولانا محمود حسن کے شاگردوں میں مولانا انور شاہ کاشمیری ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا غلام محمود، مولانا انور شاہ کے ہم درسوں میں تھے۔ اور ذہین ترین طلبہ میں شمار ہوتے تھے تاہم شاہ صاحب کی وسعتِ مطالعہ اور علمی مقام کے معترف تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ:

"دورانِ درس ایک مرتبہ ہمارے استاد صاحب تقریر کر رہے تھے اور اس موضوع پر بطور خاص میری معلومات کا پورے دیوبند میں چرچا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی اس موضوع پر چنداں شہرت نہ تھی۔ چنانچہ استاد صاحب نے اپنی تقریر درمیان میں روک کر شاگردوں سے رائے طلب کی۔۔۔۔۔ میں جی میں بہت خوش ہوا کہ آج پیر انور شاہ صاحب کے مقابلے میں بہت بہتر تقریر کروں گا چنانچہ میں نے عرض کیا کہ پہلے شاہ صاحب اپنے دلائل بیان کر لیں تو میں بعد میں عرض کروں گا۔

استاد کے حکم سے شاہ صاحب نے تقریر شروع کی۔۔۔۔۔ میرے

ذخیرۂ علمی ہیں جو سب سے قوی اور قیمتی دلیل تھی۔ جس کے بارے میں مجھے ناز تھا کہ میری ہی ذہنی فتوحات کی وہاں تک رسائی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز خاص اُسی دلیل سے کیا اور پھر آئندہ ہر دلیل اس سے بڑھ چڑھ کر پیش کی..... مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا اور میں شاہ صاحب کے علمی تبحر سے مبہوت ہو کر رہ گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ خزانۂ قدس کے لدُنّی سر چشمے تک شاہ صاحب کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب و کوشش سے اس مقام ارفع تک رسائی ممکن نہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے کسی بادشاہ کے بارے میں لکھا تھا اور وہ مصرعہ حضرت کاشمیری پر اس طرح چسپاں ہوتا ہے جیسے درحقیقت اُن ہی کے لیے سات صدی قبل لکھا گیا ہو۔ ع

محل نور تجلیست رائی انور شاہ[1]

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور پپلاں (ضلع میانوالی) میں تدریس شروع کی۔ پانچ سال بعد بکھڈ ضلع اٹک تشریف لے گئے۔ تین سال وہاں رہے۔ اس کے بعد چکی (ضلع اٹک)، ہٹرہال (ضلع ملتان) اور وطنِ مالوف کے مدارس میں آٹھ نو سال تدریس کی۔ اس کے بعد دوبارہ پپلاں آگئے اور دارالعلوم محمودیہ میں مصروفِ تدریس رہے۔

مولانا غلام محمود، پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت تھے اور پیر موصوف سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ موصوف وسیع النظر اور صاحبِ مطالعہ عالمِ دین تھے۔ درسِ نظامی کے جملہ فنون پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اُن کی تصنیفات میں تحقیق و تدقیق کے

---

[1] مہر المعظم ص ۲۶۱-۲۶۲

اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔

۲۳ر رمضان ۱۳۶۷ھ/یکم اگست ۱۹۴۸ء کو فوت ہوئے۔مولانا محمد حسین شوق (فاضل مدرسہ امینیہ دہلی) اُن کے جانشین ہیں۔مولانا غلام محمود کی چند تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ نجم الرحمان

۲۔ ارمغانِ شاداں (فارسی قواعد)

۳۔ تحفہ سلیمانیہ۔ "تکملہ حاشیہ عبد الغفور علی شرح الجامی" پر حاشیہ ہے۔

مولانا غلام محمود سے سینکڑوں اہلِ علم نے استفادہ کیا۔اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی، پیر کرم شاہ بھیروی اور خواجہ غلام سدید الدین مرولوی کے نام آتے ہیں۔

غلام محی الدین بگوی

غلام محی الدین بگوی بن حافظ نور حیات ماہ محرم سنہ ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں موضع بگہ نزد بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عکرمہؓ بن عمرو بن ہشام سے ملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے مولانا عبدالرحمان بن صالح آٹھویں صدی میں پنجاب میں وارد ہوئے۔ مولانا عبدالرحمان کی اولاد میں سے مولانا محمد ہاشم گیارہویں صدی میں دریائے جہلم کے کنارے موضع بگہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

مولانا محمد ہاشم کے دو صاحبزادے مولانا محمد صالح اور مولانا محمد یوسف تھے اوّل الذکر کی اولاد نے قصبہ چھاوریاں اور شاہ پور کو مسکن بنایا اور مؤخر الذکر کے اخلاف نے آبائی گاؤں میں حلقۂ اصلاح و ارشاد قائم رکھا۔ مولانا محمد یوسف کے جانشین مولانا میرداد بگوی اور ان کے صاحبزادے حافظ نور محمد بگوی اپنے وقت کے جیّد عالم، متبع سنّت اور رسوم غیر شرعیہ کے شدید مخالف تھے۔ حافظ نور محمد کے جانشین حافظ محمد شفا المعروف بہ شاہ زندہ (م سنہ ۱۲۲۰ھ) تھے۔

مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات ان ہی حافظ محمد شفا کے پوتے تھے۔ انہوں نے حافظ حسن سے قرآن مجید پڑھا۔ نہایت ذہین و ذکی تھے۔ سنہ ۱۲۲۹ھ/۱۴-۱۸۱۳ء میں اپنے برادرِ خورد مولانا احمد الدین کو ساتھ لے کر حصولِ علم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔ علم حدیث کی تحصیل شاہ محمد اسحاق (م سنہ ۱۲۶۲ھ) سے کی اور شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (م سنہ ۱۲۳۹ھ)

ؔلہ حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں سالِ ولادت ۱۲۰۳ھ لکھا ہے مگر صاحبِ ترجمہ کے پوتے مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم نے "تذکرہ مشائخ بگہ" میں خاندانی روایات اور دستاویزات کی روشنی میں سالِ ولادت ۱۲۱۰ھ بتایا ہے ۱۲

سے علومِ حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔ شاہ صاحب نے اُنہیں نصیحت کی تھی:

"ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض ہو گا۔ جب وطن جاؤ تو کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ پیدا ہو۔"

قیامِ دہلی کے زمانہ میں شاہ غلام علی نقشبندی مجددی (م ۱۲۴۰ھ) سے بیعت ہوئے۔ علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد وطن آئے۔ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو چکا تھا اور سکھوں کا زمانۂ اقتدار تھا۔ ان کی شہرت سن کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر فقیر عزیز الدین (م ۱۲۶۰ھ) بگہ گئے اور اُنہیں بگہ سے لاہور منتقل ہونے پر آمادہ کیا۔ موصوف لاہور آ گئے اور بازار حکیماں کی "لال مسجد" میں مسندِ درس سجائی۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد نے اُن سے استفادہ کیا۔ قریب تیس۳۰ سال انہوں نے فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا احمد الدین بھی اُن کے ساتھ مصروفِ تدریس رہے۔

بگوی خاندان کی یہ درس گاہ پنجاب میں ولی اللّٰہی مکتبِ فکر کی اشاعت کا ذریعہ بنی۔ اس درس گاہ سے فیض اٹھانے والوں میں حافظ ولی اللہ لاہوری، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا شاہ محمد فیروز پوری اور مولانا نور الدین چکوڑوی کے نام نمایاں ہیں۔

زندگی کے آخری سالوں میں بگہ آ گئے اور چودہ۱۴ سال مرض استسقا میں مبتلا رہ کر ۱۳ر شوال ۱۲۷۳ھ/۲۲ر جون ۱۸۵۷ء کو وفات پائی۔ "خورشیدِ عالم" کے الفاظ سے سالِ وفات نکلتا ہے۔ بگہ میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام محی الدین کے دو صاحبزادوں، مولانا غلام محمد بگوی اور مولانا عبد العزیز بگوی نے خاندانی روایات کو قائم رکھیں۔



غلام محی الدین قصوری

مولانا غلام محی الدین قصوری بن شیخ غلام مصطفیٰ ابن شیخ غلام مرتضیٰ ۱۲۰۲ھ/۸۸-۱۷۸۷ء کے لگ بھگ قصور میں پیدا ہوئے۔ نسبی لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے مولانا عبدالملک عہدِ شاہجہان میں سندھ سے قصور آئے تھے[1] اِن ہی عبدالملک کے پوتے شیخ غلام مرتضیٰ مولانا غلام محی الدین کے دادا تھے۔

مولانا شیخ غلام مرتضیٰ بلند پایہ عالم دین تھے۔ احمد شاہ ابدالی جب پنجاب آیا تو اُس نے جن مقامی علماء سے مذہبی مسائل میں مشورہ کیا اُن میں مولانا غلام مرتضیٰ شامل تھے۔ پنجاب میں سکھا شاہی سے تنگ آکر پشاور ہجرت کر گئے تھے۔ ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء میں وفات پائی۔

مولانا شیخ غلام مصطفیٰ بھی اپنی خاندانی روایات کے امین تھے۔ مولانا غلام محی الدین کی عمر ایک سال تھی کہ اُن کے والد شیخ غلام مصطفیٰ کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے چچا مولانا محمد قصوری نے اُن کی پرورش کی۔ اُن سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ اُن کے دوسرے اساتذہ میں ایک نام "مولانا باب اللہ" کا ملتا ہے[2]

مولانا غلام محی الدین نے اپنے عمِ محترم محمد قصوری کے ہاتھ پر قادری سلسلے میں بیعت کی اور اُن کے خلیفہ ہوئے۔ نوجوانی ہی میں اُن کی ذات مرجع خلائق ہوگئی تھی۔

---

[1] انوارِ محی الدین ص ۱۵

[2] ایضاً ص ۴۳

مولانا قصوری کے بعض اعزہ بانس بریلی میں رہائش رکھتے تھے۔ اُن سے ملنے بانس بریلی گئے اور واپسی پر دہلی میں شاہ غلام علیؒ (م ۱۲۴۰ھ) کی زیارت کے لئے رُک گئے۔ اُن کی محفل میں بیٹھے مگر سلسلۂ ارادت قائم نہ کیا۔ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں اُن کے اوّلین مرشد مولانا محمد قصوری نے رحلت فرمائی تو دوبارہ مولانا شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہو کر نقشبندی مجددی طریقہ میں تجدیدِ بیعت کی اور مسلسل گیارہ ماہ ان کے ہاں مقیم رہے۔ ۲۷ رمضان ۱۲۳۳ھ/ ۳۱ جولائی ۱۸۱۸ء کو مولانا شاہ غلام علی نے اُنہیں اپنا خلیفہ مجاز بنایا اور ایک ماہ بعد خرقۂ خلافت عنایت کیا۔ اُنہوں نے تحریری خلافت نامہ میں مولانا غلام محی الدین قصوری کو "جامع کمالات فضائلِ ظاہر و باطن"[1] کا لقب دیا ہے۔ ۱۲۳۷ھ/۲۲-۱۸۲۱ء میں اُن کا دہلی جانا معلوم ہوتا ہے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں تزکیۂ نفس اور ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) سے سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا غلام محی الدین نے قصور میں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ مولانا شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ) کی رحلت کے بعد تیس سال مسندِ دعوت وارشاد پر فائز رہے۔ اُن سے خلقِ کثیر نے استفادہ کیا تھا۔ اپنے ارادت مندوں کی اصلاح و تربیت کے لئے سال میں ایک دو بار پنجاب کے اکثر اضلاع کا دورہ کرتے تھے۔ اُن کی گفتگو صوفیانہ شطحیات سے مکمل طور پر پاک ہوتی تھی۔ اتباعِ شریعت ہر حال میں پیشِ نظر رکھتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۶ اگست ۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے اور قصور میں دفنائے گئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:[2]

آں شاہ والا غلام محی الدین — مرشدِ دین، رہبرِ ہر خاص و عام

---

[1] ملفوظاتِ شریفہ ص ۵۳

[2] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۴۲

داد ساقی از دل دردوست اُو — از شرابِ معرفت پُر کردہ جام

چوں بہ دُنیا آمد آں مردِ سخی — بخشش آمد سال تولیدش تمام

۱۲۰۲ھ

مرشد حق متقی ہم گفتہ ام — نیز گہ دستم رقم شیخ الکرام

۱۲۰۲ھ — ۱۲۰۲ھ

ہست خورشیدِ معلیٰ رحلتش — ذاتِ حقانی است ہم آں نیک نام!

۱۲۷۰ھ

فیضِ فقر است و دگر شیخِ رفیع — سالِ وصل آں فقیر نیک نام

۱۲۷۰ھ — ۱۲۷۰ھ

کن بیاں تاریخ منظورِ جمال — ہم بخواں ابر سخاوت والسلام

۱۲۷۰ھ — ۱۲۷۰ھ

مولانا غلام محی الدین کی اولاد میں ایک صاحبزادے حافظ عبدالرسول اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

سلسلہ طریقت میں اُن کے خلفاء کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا غلام نبی للّٰہی

۲۔ مولانا غلام مرتضیٰ بیر بلوی

۳۔ مولانا حافظ نورالدین چکوڑوی

۴۔ مولانا غلام دستگیر قصوری

۵۔ مولانا حافظ عبدالرسول قصوری (فرزند و جانشین)

۶۔ مولانا محمد صالح کنجاہی

مولانا غلام محی الدین نے عوام کی اصلاح و ہدایت کے ساتھ ساتھ تصنیفی و

تالیفی خدمات انجام دیں۔ اُنھوں نے ایک عمدہ اور قیمتی کتب خانہ فراہم کیا تھا جس کا معتد بہ حصہ دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ اُس کا بچا کھچا حصہ کتب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد میں محفوظ ہے۔ موصوف کی حسبِ ذیل کتابیں ملتی ہیں۔ ان میں اوّل الذکر تین مطبوعہ ہیں۔

۱۔ تحفۂ رسولیہ (فارسی۔منظوم) مناقب و معجزات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ ملفوظات شریف (فارسی۔نثر) شاہ غلام علی (م۔۱۲۴۰ھ) کے ملفوظات۔

۳۔ خطبات حضوری۔ مجموعہ خطباتِ عیدین و جمعہ

۴۔ رسالہ علم المیراث (عربی۔نثر)۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش اسلام آباد

۵۔ زاد الحاج (پنجابی منظوم) نسخۂ خطی مخزونہ ذخیرہ شیرانی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور و نسخۂ دیگر کتب خانہ سید محمد طیب ہمدانی۔ قصور

۶۔ رسالہ نظامیہ (فارسی منظوم) مسئلہ وحدت الوجود پر لکھا گیا ہے۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ مولوی محمد شفیع لاہور و نسخۂ دیگر کتب خانہ سید محمد طیب ہمدانی۔ قصور

۷۔ سلالۃ المرورہ فی تجویز اسماء المشہورہ (فارسی۔نثر) مولانا محمد خرم علی بلہوری کی تردید میں ہے جس میں غلام محی الدین، عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنے کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش۔ اسلام آباد

۸۔ حُلیہ مبارک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نسخہ خطی ذخیرہ شیرانی پنجاب یونیورسٹی لاہور

۹۔ دیوانِ حضوری (فارسی و پنجابی)

۱۰۔ اسرار الحقیقت مخزونہ کتب خانہ موسیٰ زئی شریف۔ ڈیرہ اسماعیل خان[۱]

۱۱۔ بیاض ــــــ مخزونہ کتب خانہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لاہور

---

[۱] کتاب خانہ ہای پاکستان ص ۱۷۷

[۲] فہرست مخطوطاتِ شفیع ص ۱۹۷

۱۲۔ مکتوبات۔ مولانا غلام محی الدین قصوری کے مکتوبات کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔ شاہ غلام علی دہلوی اور دیگر احباب کے نام مکتوبات کا مجموعہ انہوں نے "مکاتیب طیبہ" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اُن کے خلفاء مولانا غلام نبی للہی، مولانا محمد صالح کنجاہی اور مولانا غلام محمد کے نام قابلِ ذکر مکتوبات ملتے ہیں۔



پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی

پیر سیّد غلام محی الدین بن پیر سیّد مہر علی شاہ دسمبر ۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوئے والدین کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ تربیت و تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اُنہوں نے قاری عبدالرحمان جونپوری سے قرأت و تجوید کی مشق کی اور جامعہ غوثیہ گولڑہ میں مولانا محمد غازیؒ سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی پیر سیّد مہر علی شاہ اُن کی تعلیم کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک خط میں اُنہیں تاکید کرتے ہیں:

"سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا۔ جمعہ و جماعت کا التزام رہے اپنے استاد صاحب کا حسبِ ہدایت خیال رکھنا۔ اُن کی ضروریات کو قبل از وقت مہیّا رکھنا۔ اُن کی صحت کا خیال چاہیئے نہ صرف اپنے سبق اور مطلب کا۔ ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبر گیری رکھو یعنی کوئی وطنی ناتراشیدہ حسبِ عادت اہل وطن پیش آنے نہ پاوے۔"[1]

گولڑہ بستی کے قریب سے ریلوے لائن گزرتی ہے اور جنکشن ہونے کی وجہ سے کافی گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔ آج سے ستر اسّی سال پہلے بچوں کے لیے ریلوے انجن میں وہی دلچسپی تھی جو آج جمبو جیٹ میں ہو سکتی ہے۔ پیر صاحب اپنے ہمجولیوں کے ساتھ وقت گزارنے ریلوے سٹیشن آجاتے تھے۔ "ریلوے انجن" کی دلچسپی اُن پر اس قدر حاوی ہو گئی کہ گھر میں ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل نصب کر دیا۔ سیّد پیر مہر علی شاہؒ نے اُن کی دلچسپی دیکھتے ہوئے انہیں "بابوجی" کہا اور پھر یہی خطاب،

---

[1] مہر منیر ص ۳۶۳

نام کی جگہ حاصل کر گیا۔ ایک دفعہ کسی دوست نے ان سے "ریلوے انجن" سے لگاؤ کا سبب دریافت کیا تو اُسے جواب دیا:

"مجھے اس کی چار ادائیں بہت پسند ہیں:
ایک تو اس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اُتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔ دوسرے اس کی وفا کہ اس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں لے جائے گا۔ تیسرے ایثار کہ خود جلتا ہے مگر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزلِ مقصود پر لے جاتا ہے اور چوتھے استقامت کہ اپنی متعیّنہ راہ (لائن) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔"[۵۱]

پیر سیّد مہر علی شاہؒ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی اور اُنہوں نے اجازتِ بیعت و خلافت سے سرفراز کیا۔ ابتدا میں اُن کی زندگی میں لوگوں کو مرید نہیں بناتے تھے مگر پیر سیّد مہر علی شاہؒ کی تاکید پر بیعت لینے لگے۔

کئی بار ارضِ حجاز گئے اور حج کی سعادت حاصل کی۔ اس کے علاوہ افغانستان ترکی اور مشرقِ وسطیٰ کے اکثر ممالک کی سیاحت کی۔ وہاں کے روحانی خانوادوں سے رابطہ قائم کیا اور اولیائے کبار کے مقابر پر حاضری دی۔

پیر صاحب مخیّر، منکسر مزاج اور ملنسار بزرگ تھے۔ ۲۲ر جون ۱۹۷۴ء/یکم جمادی الآخر ۱۳۹۴ھ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں فوت ہوئے۔ گولڑہ میں اپنے والدِ ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

اُنہوں نے اپنی زندگی میں سلسلہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کام کیا۔

۵۱۔ ایضاً ص ۳۶۶-۳۶۷

جامعہ غوثیہ گولڑہ کی تعمیر و ترقی پر پوری توجہ دی۔ کتب خانہ میں قیمتی اور نادر کتابوں کا اضافہ کیا اور پیر سید مہر علی شاہ کی تصنیفات کی اشاعت کا انتظام کیا۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے، شاہ غلام معین الدین صاحب اور شاہ عبدالحق صاحب ہیں۔ اوّل الذکر صاحبِ سجادہ ہیں۔

غلام محی الدین احمد مکھڈی

مولانا غلام محی الدین احمد بن میاں محمد بن حافظ محمد محسن کے آبا و اجداد موضع "مغلوہا محرم خان"
تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک سے مکھڈ منتقل ہوئے تھے۔ وہیں غلام محی الدین احمد اندازاً ۱۲۷۵ھ/
۱۸۵۸-۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے اور دادا حافظ محمد محسن نے ان کی تربیت
کی۔ مولوی محمد قاسم (ساکن بٹھو نزد فتح جنگ ضلع اٹک)، مولوی خورشید لنگڑیالی، حافظ عبدالقدوس
چھاچھی اور مولانا خان محمد مرجانی سے علوم درسیہ کی تحصیل کی۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے تعلق بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ ۱۲۹۵ھ میں اُن کے
نانا خواجہ زین الدین مکھڈی کا انتقال ہوا تو خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے اُن کی دستار بندی کی۔
خواجہ تونسویؒ نے بھی اُنہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا اور بیعت کی اجازت دی۔ ۱۲۹۹ھ میں خواجہ
تونسویؒ کی معیت میں فریضۂ حج ادا کیا۔

غلام محی الدین احمد کی زندگی میں "مدرسہ مولوی صاحب" (محمد علی مکھڈی) کی رونق میں اضافہ
ہوا۔ تشنگانِ علومِ دینیہ دُور و نزدیک سے مکھڈ آتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ وہ
خود مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرس تھے۔ اُنہوں نے مولانا محمد علی مکھڈی کے ذخیرۂ
کُتب میں معتدبہ اضافہ کیا۔ مدرسہ سے الگ عمارت تعمیر کرائی اور کتابوں کو ترتیب سے
الماریوں میں رکھوایا۔

ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کو وفات پائی اور مکھڈ میں تدفین عمل میں آئی۔[1] اُن کے
پس ماندگان میں تین صاحبزادے تھے۔

---

[1] تذکرۃ الصدیقین ص ۸۵-۹۴ (ملخص)

۱۔ غلام زین الدین

۲۔ احمد الدین

۳۔ محمد الدین مؤلف "تذکرۃ الصدیقین"



حافظ غلام مرتضیٰ

حافظ غلام مرتضیٰ بن حافظ حماد بن مولانا حسام الدین چیلاواہن (حاصل پور) ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے مولانا خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری اور مولانا محمد موسیٰ ملتانی کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا خدا بخش اُن کی ذہانت اور جذب و شوق کی وجہ سے اُن پر خصوصی نگاہِ شفقت رکھتے تھے۔

فارغ التحصیل ہو کر اپنی بستی "چیلاواہن" میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ بعد میں ترکِ سکونت کر کے سابق ریاست بہاول پور میں آ گئے اور خیر پور کے نواح میں ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام بھی "چیلاواہن" مشہور ہوا۔

برادر بزرگ مولانا حافظ غلام حسینؒ (خلیفہ خواجہ نور محمد مہارویؒ) سے بیعت کی اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

۳۰ ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ / ۱۶ مارچ ۱۸۳۹ء کو وفات پائی۔[1] اُن کے چند اہم شاگرد یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد اکمل (فرزند)
۲۔ مولانا محمد افضل (فرزند)
۳۔ مولانا حافظ نور جہانیاں
۴۔ مولانا غلام فخر الدین



---

[1] سہ ماہی "الزبیر" (۳) بابت اگست ۱۹۶۱ء

غلام مرتضیٰ نقشبندی

مولانا غلام مرتضیٰ نقشبندی موضع بھینی ضلع شیخوپورہ میں ۱۸۱۳ء/۱۲۲۸ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ بعد میں ترکِ سکونت کر کے موضع قلعہ لال سنگھ تحصیل شرقپور آ گئے اور اس نسبت سے "غلام مرتضیٰ قلعہ والے" مشہور ہوئے۔

مولانا غلام مرتضیٰ نے ابتدائی تعلیم بہاول پور میں حاصل کی۔ چوہنگ (ضلع قصور) کے مولانا بدرالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ جیّد عالم اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ دینی خدمات کی بجاآوری کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

۱۸۵۵ء/۷۲-۱۲۷۱ھ میں عثمان گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور آ گئے۔ ایک خانقاہ قائم کی اور اپنی جائیداد خانقاہ کے اخراجات کے لئے وقف کر دی۔ چند سال بعد خانقاہ کے ساتھ دینی مدرسہ شروع کیا اور خود ہی تدریس کرتے تھے۔

۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء/ ۲۳ر ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو فوت ہوئے۔ عثمان گنج میں مدفون ہوئے۔

اُن کے خلفاء میں پیر نور محمد (فرزند) مہر محمد صوبادم ۱۳۶۵ھ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔



غلام مرتضیٰ بیربلوی

مولانا غلام مرتضیٰ ابن محمد اسلم ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں ضلع سرگودہا کے گاؤں بیربل شریف میں پیدا ہوئے۔ خاندان میں علمی و دینی روایت چلی آرہی تھی۔ مولانا محمد اسلم عالم و فاضل شخص تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں صاحبزادے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

مولانا غلام مرتضیٰ نے لڑکپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ تیرہ سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ حصول علم کے لیے مختلف مقامات پر مقیم رہے مگر کہیں بھی جمعیت خاطر حاصل نہ ہوئی۔ آخر للہ شریف ضلع جہلم میں مولانا غلام نبی للہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے شرف بیعت رکھتے تھے اور ان کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔ انہیں کتابوں سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا جس میں تفسیر و حدیث، اور تصوف کا عمدہ ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔ بیربل شریف ان کے دم قدم سے طلبہ دین و عرفان کا مرکز بن گیا تھا۔

آخری عمر میں مرض فالج میں مبتلا ہوئے۔ ایک پہلو بالکل بے حس ہوگیا تھا مگر کوئی نماز قضا نہ ہونے دی۔ ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ/ ۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو وفات پائی اور اپنی تعمیر کردہ مسجد کے جنوبی جانب مدفون ہوئے۔

مولانا غلام مرتضیٰ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے بے شمار فتاویٰ لکھے جو تاحال مرتب نہیں ہوسکے۔ ان کے قلم سے حسب ذیل اہم کتابیں نکلی ہیں:

۱۔ رسالہ مختصر نزہت الناظرین مع شرح روض الریاحین

۲۔ تحفۃ العارفین وہدیۃ السالکین

۳۔ تذکرۃ الحسنات

۴۔ رسائل در فضائل رمضان وعیدین

۵۔ مصباح الدجیٰ اور اس کی شرح شمس الضحیٰ (علم حدیث)

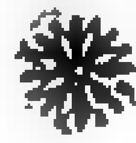
مولانا مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے:

۱۔ خواجہ احمد سعید (جانشین)

۲۔ خواجہ محمد سعید

۳۔ مولانا غلام رسول

مولانا مرحوم سے ارادت مندوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ ان کے خلفائے مجاز میں سیّد احمد حسن سرہندی اور مولانا محمد سلیم دہلوی کے نام نمایاں ہیں۔



غلام مرشد

مولانا غلام مرشد دسمبر ۱۸۹۵ء/ ۱۳۱۳ھ میں انگہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔[1] اُن کے والدِ ماجد، حضرت اللہ بخش تونسویؒ کے ارادت مند تھے اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔

مولانا غلام مرشد نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ اپنی تعلیمی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اکتوبر ۱۹۱۱ء سے اگست ۱۹۱۴ء تک (کا زمانہ) درسِ نظامی اور مولوی فاضل کے نصاب میں مہارت پیدا کرنے کے لئے گزرا جو پنجاب یونیورسٹی کا اس وقت مروّجہ سلیبس تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے میں نے کام کیا۔ جس کی تدریس کا فرض یونیورسٹی نے اورینٹل کالج کے سپرد کیا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور دارالعلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرس (پرنسپل) مولانا غلام رسول صاحب گجراتی اور مدرسہ حمیدیہ کے پرنسپل مولٰینا محمد ذاکر صاحب بگوی اور مفتی عبداللہ ٹونکی کی خاص توجہ اور التفات سے دونوں کام پایۂ تکمیل کو متوقع عزت کے ساتھ پورے ہوئے اور فاضلیت کی سندیں حاصل کیں اور ۱۵-۱۹۱۴ء کو دورۂ حدیث کی سند حاصل کرنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ اُس وقت وہاں کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے .... وہ دورۂ حدیث

---

[1] انٹرویو مولانا غلام مرشد مرحوم ماہنامہ فکرو نظر (اسلام آباد) جنوری۔فروری ۱۹۷۰ء ص ۱۰۷

کے قابلِ اعتماد تلامذہ سے انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی بیعت لیتے تھے۔
جس کا شرف خاکسار کو بھی حاصل ہوا۔ سالانہ امتحان میں اللہ تعالیٰ کے
فضل و کرم سے نہ صرف فرسٹ رہا بلکہ ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔
یہ مستند ترین سندیں حاصل کرنے کے بعد اجمیر شریف میں جو
نظام حیدر آباد (دکن) نے دارالعلوم قائم کیا۔ اور جس کے وائس چانسلر
نظام دکن کی طرف سے مولانا انوار اللہ مدار المہام امور دینیہ تھے اور پرنسپل
مولانا معین الدین تھے .... میں نے دو سال وہاں رہ کر
عقلیات کے نصاب کو مکمل کیا اور سالانہ امتحان میں فرسٹ آیا۔ اور
ممتحنِ اعلیٰ ابوالبرکات ٹونکی نے میرے پرچے پر یہ سنہری حروف رقم
فرمائے کہ اگر امتحان کا قانون مقرر کئے ہوئے نمبروں سے زیادہ نمبر کی
اجازت دیتا تو میں اس طالب علم کو بجائے سو نمبروں کے ایک سو دس
نمبر دیتا۔[۵]

مولانا غلام مرشد نے سنداتِ فضیلت حاصل کر کے درس و تدریس کا شغل اپنایا۔
دارالعلوم خانقاہ سیال شریف ضلع سرگودھا اور موضع سور کی تحصیل خوشاب (ضلع
سرگودھا) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

موضع سور کی کے زمانۂ قیام میں خلیفہ شجاع الدین کی ترغیب پر آل انڈیا مسلم لیگ
کی رکنیت اختیار کی اور لاہور چلے آئے۔ دارالعلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔
لاہور میں انہوں نے علمی و دینی کاموں کے پہلو بہ پہلو سیاسی سرگرمیوں میں کھل کر حصہ
لیا۔ جمعیت علمائے ہند کی شاخ پنجاب کے صدر رہے۔ تحریکِ خلافت کے

---

[۵] نقوش (لاہور)۔ جنوری ۱۹۷۶ء

زمانے میں بھرپور کام کیا۔ پنجاب خلافت کمیٹی کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری تھے اور مولانا غلام مرشد ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو (نائب صدر خلافت کمیٹی پنجاب) گرفتار ہوئے تو مولانا غلام مرشد کو اُن کی جگہ نائب صدر بنایا گیا۔

تحریکِ خلافت کے زمانہ میں یہ بحث زوروں پر تھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے اُس کا "قریشی النسب" ہونا بنیادی شرط ہے۔ ترکی کا خلیفہ چونکہ قریشی نہیں ہے اس لئے تحریکِ خلافت جس خلافت کو بچانے کے لئے کوشاں ہے وہ سرے سے "خلافت" ہی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں "الائمہ من القریش" (حدیث) سے استدلال کیا جاتا تھا۔ مولانا عبدالقادر قصوری اور ڈاکٹر علامہ اقبال کی تجویز پر مولانا غلام مرشد نے بھاٹی دروازہ (لاہور) کے باہر ایک جلسۂ عام میں تقریر کی۔ اُنہوں نے حدیث "الائمہ من القریش" کو درایتاً اور روایتاً غیر صحیح قرار دیا۔ اُن کی تقریر لاہور کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کی۔ اُن کی اس تقریر سے کافی ہلچل پیدا ہوئی۔

مولانا غلام مرشد کا اندازِ فکر دارالعلوم نعمانیہ ہند کی عام فضا سے مختلف تھا تاہم دارالعلوم کی انتظامیہ اُن کے علمی تبحر کے پیشِ نظر اُنہیں برداشت کرتی چلی آرہی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں برِصغیر کے بعض مسلمان راہنماؤں نے سعودی عرب کی مبیّنہ قبہ شکنی کے پیشِ نظر انتہائی اقدامات شروع کئے اور مسلمانوں کو سفرِ حج سے روکنے لگے۔ پنجاب میں مولانا ظفر علی خان نے اس رویے کی مذمت کی اور اپنے اخبار میں سعودی حکومت کا دفاع کیا۔ اُنہوں نے اِسی سلسلے میں مقبرہ جہانگیر لاہور کے صحن میں ایک جلسے کا اہتمام کیا جس میں مولانا غلام مرشد نے خطاب کیا اور قبّوں کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو انتہائی قدم اُٹھانے سے روکا۔ مولانا مرحوم کی یہ تقریر دارالعلوم نعمانیہ ہند کے کارپردازوں کو پسند نہ آئی اور وہ دارالعلوم سے الگ ہو گئے۔ مولانا اس دور کی

یادوں میں لکھتے ہیں:

"دارالعلوم نعمانیہ ہند کی انتظامیہ کی طرف سے اس تقریر کی تردید کرنے کو کہا گیا۔ خاکسار نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے نوٹس کی پشت پر لکھ دیا۔ آپ میرا استعفاء منظور فرمائیں۔ چنانچہ استعفاء منظور ہو گیا اور میں طلبہ کو ساتھ لے کر بھاٹی دروازہ کی اونچی مسجد میں آ گیا۔ بھاٹی دروازے کے مخیر لوگوں نے ان کے لئے کتابیں مہیا کر دیں اور ان کے قیام اور طعام کا بھی بندوبست کر دیا۔ جنہیں یہاں باقاعدہ درس دیا گیا۔ جو کورس رہ گیا تھا اس کو مکمل کرنے کے لئے یہاں درس دیا گیا۔"[۵۱]

مولانا غلام مرشد کی دینی خدمات میں اُن کے "درسِ قرآن" کو اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے مسجد کناری بازار میں نماز فجر کے بعد درسِ قرآن دینا شروع کیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اُن کے اندازِ درس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"مولوی غلام مرشد کا طرزِ بیان دورانِ درس قرآن زیادہ تر بطور محقق پروفیسر ہی رہا۔ میں باقاعدہ حاضر ہوتا اور دیگر احباب بھی جن میں خصوصیت سے پروفیسر محمد دین تاثیر، ڈاکٹر نذیر، مولوی محمد بخش مسلم و سید عبداللہ و دیگر حضرات ضرور باقاعدگی سے شامل ہوتے اور اکثر اوقات اہلِ لاہور سے مختلف جماعتوں کے لوگ شامل ہو کر بعض سوال بھی کرتے اور علمی بحث کا دائرہ وسیع ہو جاتا مگر مولوی صاحب نہایت عمدگی سے علمی رنگ میں ہر ایک کی تسلی کرتے۔"[۵۲]

۵۱۔ نقوش (لاہور)۔ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۳۱۳

۵۲۔ بادشاہی مسجد ص ۲۹

66012 ~~23022~~

بعد میں بھاٹی دروازے کی اُونچی مسجد میں بھی نمازِ مغرب کے بعد مولانا غلام مرشد کا درسِ قرآن شروع ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں علامہ اقبال کے ایما پر انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور نے اُنہیں بادشاہی مسجد لاہور کی خطابت کے لئے چُنا۔ بادشاہی مسجد کے خطیب ہو جانے پر اُنہوں نے کناری بازار کی مسجد کے بجائے سُنہری مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا غلام مرشد نے مسلسل تقریباً ۳۸ سال بادشاہی مسجد میں خطبہ جمعہ و عیدین دیا۔ اُنہوں نے آخری خطبہ جمعہ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کے جمعۃ الوداع میں دیا۔ تاہم اس کے بعد بھی درسِ قرآن دیتے رہے۔

مولانا غلام مرشد معقولات میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ بعض اوقات اپنی معقولات پسندی کے پیشِ نظر دینی مسائل میں منفرد نقطۂ نگاہ اختیار کر لیتے تھے جس سے حلقۂ علماء میں اُن کی شدید مخالفت ہوتی تھی۔

آخری زندگی میں مولانا نے عوامی زندگی تقریباً ختم کر دی تھی۔ تاہم اُن کے عقیدت مند برابر استفادہ کرتے رہے۔ مولانا غلام مرشد سے متفرق مضامین یادگار ہیں۔ ۴ر ستمبر ۱۹۷۹ء/ ۱۲ر شوال ۱۳۹۹ھ کی صبح تین بجے لاہور میں فوت ہوئے اور حسبِ وصیت اپنے وطنِ مالوف انگہ میں سپردِ خاک کئے گئے۔



سیّد غلام مصطفیٰ نوشاہی

سیّد غلام مصطفیٰ بن حافظ سیّد محمد شاہ بن سیّد محمد امین، خانوادہ نوشاہی کے فرزند تھے۔

۲۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸ر فروری ۱۸۹۰ء کو ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ فارسی درسیات کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی۔ بارہ سال کی عمر میں پرائمری سکول پنڈی کالو ضلع گجرات میں داخل ہوئے۔ تین سال میں پرائمری تعلیم مکمّل کر لی اور شیخ احمد حنفی (م ۱۳۲۸ھ) ساکن دھریکاں ضلع گجرات کے درس میں شامل ہوئے۔ صرف و نحو، منطق اور فقہ کی تحصیل وہیں سے کی۔ حافظ عالم الدین (ساکن اگرویہ) سے علم تجوید کی مشق کی۔ قاضی محمد امین فاروقی (م ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ) سے بھی پندرہ تعلیم پائی۔

اپنے والد ماجد سے سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت کی اور اُن کی رحلت کے بعد سجّادہ کو رونق بخشی۔ عربی فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اور "نوشاہی" تخلّص کرتے تھے۔

۱۸ر شوال ۱۳۸۴ھ/ ۲۱ر فروری ۱۹۶۵ء کو واصل بحق ہوئے اور ساہن پال کے گورستانِ نوشاہیہ میں مدفون ہوئے۔ مرحوم کی مندرجہ ذیل تالیفات کے خطی نسخے کتب خانۂ نوشاہیہ ساہن پال میں محفوظ ہیں[1]

۱۔ ترجمہ کریما (پنجابی نثر)

۲۔ ترجمہ نام حق (")

۳۔ ترجمہ پندنامہ ــــ شیخ عطار (پنجابی نثر)

۴۔ ترجمہ گلستان

---

[1] تذکرہ نوشہ گنج بخش ص ۱۷۸-۱۷۹

۵۔ فیض محمد شاہی المعروف انوارِ نوشاہی، (دس جلدیں)

۶۔ تفسیر نوشاہی (سورۂ مزمل)

۷۔ خطباتِ نوشاہی

۸۔ مکتوباتِ نوشاہی

۹۔ رقعاتِ نوشاہی

۱۰۔ دیوانِ نوشاہی

۱۱۔ پنج گنج نوشاہی

۱۲۔ نوشاہی نامہ

۱۳۔ رسالہ رفع سبابہ

۱۴۔ رسالہ طاعون

۱۵۔ رسالہ الخواص۔ شجرۂ طریقت ہے اور مشائخ سلسلہ کے مختصر حالات ہیں۔

۱۶۔ مجالسِ نوشاہی (ضیاء العارفین) مرتبہ شریف احمد شرافت نوشاہی۔

۱۷۔ ملفوظاتِ نوشاہی (کنز المعرفت) ۴ جلدیں مرتبہ شریف احمد شرافت نوشاہی۔

۱۸۔ معمولاتِ نوشاہی (ہدایۃ السالکین) مرتبہ " " "

۱۹۔ ملفوظاتِ نوشاہی (کنز الفوائد) مرتبہ بشارت نوشاہی

۲۰۔ عیون التواریخ

۲۱۔ نصائح ضروری (منظوم)

مرحوم کے دو لڑکے ہوئے:

۱۔ سیّد ابو الظفر شریف احمد شرافت نوشاہی مؤلف "شریف التواریخ"

۲۔ سیّد ابو الرضا بشیر احمد بشارت نوشاہی (م ۱۳۸۱ھ)

☆☆☆

غلام مصطفٰے امرجانی

مولانا غلام مصطفٰے بن مولانا خان محمد محدث بن میاں دولا تقریباً ۱۹۰۵ء/۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا خان محمد بلند پایہ محدث تھے اور پورے علاقہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مولانا غلام مصطفٰے نے ابتدائی کتابیں مولانا عبدالرحمان ساکن جاتگلہ (ضلع اٹک) اور مولانا غلام نبی کرسالی سے پڑھیں۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ لطیفیہ علی گڑھ میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۲۸ء/۱۳۴۶ھ میں مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ اور یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ چھ سال بعد منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء/۱۳۵۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور مولانا حسین احمد مدنی سے حدیث پڑھی۔ امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور دارالعلوم کی طرف سے حدیث کی چند کتابیں بطور انعام حاصل کیں۔

فارغ التحصیل ہو کر مرجان آگئے اور یہیں تدریس میں مصروف رہے۔ البتہ آخری زندگی میں "مدرسہ محمدیہ" قلعہ دیدار سنگھ اور "دارالعلوم تعلیم القرآن" راولپنڈی میں فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ درسِ نظامی کی سب ہی کتابیں پڑھاتے تھے تاہم ادب کی کتابیں ہر سال زیرِ تدریس رہتی تھی اور عموماً طلبہ میں "شیخ الادب" مشہور تھے۔

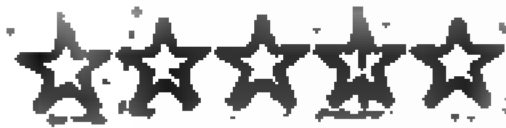
اشاعتِ حدیث اور تردیدِ شرک و بدعت میں کوشاں رہے۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ سے وابستہ تھے اور جمعیت کے نائب صدر تھے۔ مولانا حسین علی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔

۲۹ جنوری ۱۹۷۷ء/۸ صفر ۱۳۹۷ھ کو مرجان میں وفات پائی۔ دوسرے دن مولانا غلام اللہ خان نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور گاؤں کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ مولانا غلام مصطفٰے مرحوم سے حسبِ ذیل دو کتابیں بھی یادگار ہیں۔

۱۔ اصلاح الاخوان

۲۔ وصایا فی المزایا (غیر مطبوعہ)

مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے حافظ عبد الرشید اور حافظ عبد الرحیم ہیں جو "مدرسہ عربیہ تعلیم الدین" بھیرہ میں خدماتِ تدریس انجام دے رہے ہیں۔



غلام نبی سوہدروی

مولانا غلام نبی بن حبیب اللہ کے آباؤ اجداد موضع پانڈے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ میں ۲۳ رمضان ۱۲۶۳ھ/۴ ستمبر ۱۸۴۷ء کو پیدا ہوئے[1] ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔

مولانا غلام نبی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے پنجاب کے مختلف شہروں وزیرآباد، جلالپور، سیالکوٹ اور امرتسر میں مقیم رہے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قادر بخش وزیرآبادی، عبدالباقی جلالپوری اور مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی کے نام ملتے ہیں۔ آخرالذکر سے انہوں نے حاشیہ خیالی، مطوّل، توضیح و تلویح، تفسیر بیضاوی اور حدیث کا درس لیا تھا۔ انہیں حافظ محمد لکھوی (م ۱۳۱۱ھ) اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے اجازتِ حدیث حاصل تھی۔

مولانا عبداللہ غزنویؒ (م ۱۲۹۸ھ) کے صحبت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ اُن کے زیرِ اثر تقلید ترک کی اور اہلِ حدیث مسلک اختیار کیا۔ سوہدرہ میں اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ اُن کا زیادہ وقت وعظ و تذکیر میں گذرتا تھا۔ باقاعدہ تدریس نہ کرتے تھے تاہم جو طالب علم کتاب لے کر آجاتا تا اُسے مایوس نہ کرتے تھے اور اُس کی خواہش کے مطابق سبق پڑھا دیتے تھے۔

۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ایک سو سال سے زائد عمر پا کر فوت

---

[1] ہفت روزہ "اہلِ حدیث" (امرتسر) بابت ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء۔ صاحبِ "نزہت الخواطر" نے اُن کے والد کا نام "محبوب عالم" اور سالِ ولادت ۱۲۶۵ھ لکھا ہے۔ (جلد ۸، ص ۳۵۰)

ہوئے اُن کے دو بیٹے مولانا عبدالحمید اور مولانا عبدالحکیم تھے جنہوں نے والد کی زندگی میں وفات پائی۔

مرحوم سے پنجابی نظم میں مندرجہ ذیل رسائل در کار ہیں:

۱۔ تحفۃ الوالدین
۲۔ تحفۃ المعجزات فی تاکید الصلوٰۃ
۳۔ تحفۃ العجلاء المعروف بہ نصیحۃ النساء

غلام نبی للہی نقشبندی

مولانا غلام نبی بن قاضی حسن دین للہ شریف ضلع جہلم میں ۱۲۳۴ھ/ ۱۹-۱۸۱۸ء میں ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ قاضی حسن دین اپنے وقت کے اچھے عالم تھے مولانا غلام نبی نے اپنے والد سے صرف و نحو پڑھی۔ بعض دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ طلبِ علم کے لیے پشاور کا سفر کیا اور مولانا محمد احسن معروف بہ حافظ دراز (م ۱۲۶۲ھ) سے علومِ مروجہ کی تکمیل کی اور سندِ فراغ حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر للہ شریف میں مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔ عموماً اسی ۸۰ نوے ۹۰ طلبہ استفادہ کرنے کے لیے ہر وقت حاضر رہتے تھے ان میں مبتدی بھی ہوتے اور منتہی بھی۔ مولانا موصوف سب کو ایک سے جذبہ و شوق سے پڑھاتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے نقشبندی سلسلے میں مجاز تھے۔ نرم خو، خوش خلق اور خندہ جبیں شخصیت کے مالک تھے۔ قرآن مجید نہایت اہتمام اور ترتیل سے پڑھتے تھے۔ مولانا غلام محی الدین قصوری کے زیرِ تربیت تھے کہ قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ چھ ماہ میں قرآن مجید یاد کر لیا۔

۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/ ۲۵ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہوئے اور للہ شریف میں دفنائے گئے۔ نمازِ جنازہ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی نے پڑھائی تھی مرحوم سے سینکڑوں افراد نے فیض اٹھایا۔ ان کے چند فیض یافتہ (جنہیں خلافت و اجازت بھی حاصل رہے) افراد یہ ہیں:

۱۔ مولانا دوست محمد (جانشین۔ م ۱۳۱۷ھ)

۲۔ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی

۴۔ مولانا غلام حسن ساکن ڈھڈیاں

مولانا غلام نبی سے کوئی تالیف یادگار نہیں البتہ اُن کے مریدِ صادق مولانا محمد حسن مؤلف "حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" نے یکم محرم تا ۱۵ ررجب ۱۳۱۰ھ کے ملفوظات مرتب کئے ہیں۔ تاہم اُن کی یادگاروں میں سے ایک اہم یادگار اُن کا جمع کردہ ذخیرہ کتب ہے جس میں "اسلامیات" کا وسیع حصہ ہے۔



غلام یٰسین

مولانا غلام یٰسین وان بچھراں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی کتب میانوالی اور سرگودہا کے مدارسِ عربیہ میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے اور سندِ فراغ حاصل کی۔

۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء چار سال بھوپال کے ایک مدرسہ میں ملازمت کی۔ وہاں سے واپس وطن آئے اور مدرسہ مظفریہ وان بچھراں میں درس و تدریس کرنے لگے۔ یہ زمانہ اُن کے علمی شباب کا تھا۔ سینکڑوں فقہی جزئیات اُن کے نوکِ زبان تھیں۔ منطق و فلسفہ کے فنون میں اِس قدر مشہور ہوئے کہ دُور دراز سے طلبہ استفادہ کے لئے آتے تھے۔

مدرسہ مظفریہ سے مستعفی ہو کر اپنے گھر کے نزدیک مسجد میں درس جاری کیا مگر بڑے مدارس کے منتظمین اُن کو اپنے ہاں لے جاتے اور اس طرح گاؤں کا سلسلۂ تدریس منقطع ہو جاتا تھا۔ آخری دنوں میں مدرسہ سراج العلوم سرگودھا میں پڑھا رہے تھے کہ ۱۹؍رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ / ۱۸؍مارچ ۱۹۶۰ء کو داعی اجل کا بلاوا آ گیا۔

مرحوم نے تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا خلیل الرحمان

۲۔ مولانا رشید احمد

۳۔ مولانا بشیر احمد



غوث بخش اوچی

مولانا غوث بخش بن محمد بخش بن خدا بخش کی ولادت اوچ شریف میں ہوئی۔ وہ نسباً حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ اُن کے باپ، دادا سلسلۂ نظامیہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ اُن کے دادا خدا بخش، خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (م ۱۱۴۲ ھ) کے مرید تھے اور اُن کے والد ماجد، خواجہ فخر الدین دہلوی (۱۱۹۹ ھ) سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔

خاندان کے اکثر افراد طبابت پیشہ تھے چنانچہ انہوں نے بھی فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔ دینیات، فلسفہ اور طب میں اُن کی خاصی شہرت تھی۔ مولانا گل محمد احمد پوری اُن کے بھانجے تھے۔ اوچ کے گیلانی اور بخاری خانوادے اُن کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب بہاول خان ثالث اُن کے مرتبہ شناس تھے۔

مولانا غوث بخش اوچ شریف میں فوت ہوئے اور خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے احاطے میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی تالیفات میں سے "تحفۂ غوثیہ" دو جلدوں میں ملتی ہے جو ادویہ اور اُن کے خواص پر ایک عمدہ تالیف ہے۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ نواب صاحب بہاول پور کے کتب خانے کی زینت ہے۔[1]

---

[1] اولیائے بہاولپور ص ۱۶۵-۱۶۶

فتح الدین اذبر

مولانا فتح الدین اذبر بن حکیم میاں غلام محمد ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں خوشاب ضلع سرگودھا میں متولد ہوئے۔ وہ صحابی رسولؐ حضرت اسید بن حضیر کی اولاد میں سے تھے۔

خوشاب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مسجد موراں لاہور میں دینی تعلیم حاصل کی۔ آخر میں حیدر آباد (دکن) جا کر مولانا انوار الحق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور سند فراغ حاصل کی۔ مولانا انوار الحق اُن کی قابلیت، ذہانت اور سعادت مندی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی صاحبزادی کا عقد نکاح اُن سے کر دیا۔

مولانا فتح الدین اذبر طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ میر عثمان علی خان نظام حیدر آباد کے ابتدائی دور میں شاہی طبیب اور قاضی القضاۃ تھے۔ دس سال ان مناصب جلیلہ پر فائز رہے بعد میں ایک ناخوشگوار واقعہ کے نتیجہ میں حیدر آباد سے وطن مالوف خوشاب آ گئے۔

۱۶ شوال ۱۳۵۶ھ/۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء کو فوت ہوئے۔ مسجد حافظ خان محمد کے شمالی جانب چار دیواری میں اُن کی ابدی آرام گاہ ہے۔ مرحوم متبحر عالم، حق گو مبلغ اور اور صاحب قلم تھے۔ جناب عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے اُن کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ مقدمہ تفسیر روح القرآن (مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ)

۲۔ تفسیر روح القرآن فی تشریح آیات القرآن (مطبوعہ حیدر آباد) صرف پہلے پارہ کی تفسیر ہے۔

۳۔ الوقعۃ الاسلامیہ (مطبوعہ کانپور۔ ۱۳۵۱ھ)

۴۔ شرح ترکیب دیباچہ گلستان مع حواشی (مطبوعہ لاہور ۱۳۲۶ھ)

۵۔ کتاب العطایا (میراث)

۶۔ نخبۃ المیراث (//)

۷۔ نقشہ انوار الفرائض (//)

۸۔ ترجمہ و حاشیہ دلائل الخیرات (اوراد)

۹۔ رسالہ مفتاح الدلائل (//)

۱۰۔ قرار الانوار و مرادات الاسرار (عملیات)

۱۱۔ شجرہ ولایت الشہداء

۱۲۔ صفوۃ المصادر العربیہ معروف بہ صرف اذریہ

۱۳۔ کتاب الصرف المعروف بہ صرف کبیر

مولانا فتح الدین اذری سے بیسیوں افراد نے علمی استفادہ کیا۔ ان کے نامور طلبہ میں مولانا غلام مرشد سابق خطیب شاہی مسجد لاہور کا نام بہت نمایاں ہے۔



فتح محمد

مولانا فتح محمد بن ملک حسن خان بن حامد خان کے آباؤ اجداد صوبہ سرحد سے موضع "وہوا" ضلع ڈیرہ غازیخان منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۲۸۰ھ/ ۶۴-۱۸۶۳ء میں مولانا فتح محمد پیدا ہوئے۔ "وہوا" میں تحصیل علم کے مواقع نہ تھے اس لئے بارہ سال کی عمر میں طلب علم کے لیے سفر اختیار کیا اور تونسہ شریف میں قیام پذیر ہوئے۔ تونسہ میں خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے سالانہ عرس پر ضلع اٹک اور علاقہ ہزارہ کے زائرین جاتے تھے۔ ان سے مولانا فتح محمد کو ان علاقوں کی درسگاہوں کے بارے میں معلوم ہوا چنانچہ کھڈ، پنڈی گھیپ اور ہزارہ میں چندے قیام کر کے اکتساب فیض کرتے رہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ انہوں نے مولانا احمد سکندر پوری معروف بہ فاضل ہزاروی سے بھی استفادہ کیا تھا۔[1]

تزکیہ و تربیت کے لیے سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) سے بیعت کی تھی۔ عملی زندگی کا آغاز تجارت سے کیا۔ فن جراحی و طب میں بھی مہارت حاصل تھی بعد میں یہی فنون ذریعۂ روزگار بنے۔ تدریس و تعلّم کا شغل بطور شوق اپنا رکھا تھا۔ بدعات اور رسوم شرکیہ کے استیصال میں کوشاں رہتے تھے۔

یکم صفر ۱۳۶۱ھ/ ۱۸ر فروری ۱۹۴۲ء کو انتقال ہوا۔ نماز جنازہ مولانا احمد علی لاہوری نے پڑھائی۔ بوقت رحلت تین لڑکے اور تین لڑکیاں بقید حیات تھیں۔ صاحبزادوں میں سب سے بڑے مولانا بشیر احمد پسروری تھے۔ ان سے چھوٹے قاری مولانا حمد اللہ (فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور) ہیں اور سب سے چھوٹے حمد اللہ ہیں۔



---

[1] شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء ص ۲۲۶

فتح محمد اچھروی

مولانا ابوالمسرت تاق فتح محمد بن میاں امام دین اچھرہ (لاہور) کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں چیچک میں مبتلا ہوئے اور نورِ بصارت سے محروم ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دینیہ کی تحصیل کی۔

مولانا فتح محمد زندگی بھر دینِ حقہ کی تبلیغ و ترویج میں مشغول رہے۔ اچھرہ کی مسجد میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی جو اُن کے نام کی مناسبت سے "جامعہ فتحیہ" مشہور ہے۔ یہ مدرسہ اُن کی تدریس سے خاصا مشہور ہوا۔

معاصر علمائے اہلسنت سے اُن کے اچھے مراسم تھے۔ میاں شیر محمد شرقپوری اور سائیں توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالرسول قصوریؒ سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔

۲۹ رشوال ۱۳۳۵ھ / ۱۸ راگست ۱۹۱۷ء کو وفات پائی۔ لوحِ مزار پر مولانا اصغر علی روحی کے حسبِ ذیل اشعار کندہ ہیں:

امام حافظاں، فتح محمد	کہ در عشقِ پیمبر بود یکتا
احب الصالحین وکان منہم	ففاق القوم صدقاً اجمعینا
ولم بات الھوا مادام حیّا	لیوم یجعل الولدان شیبا
صدائے ارجعی در گوش افتاد	بعد قرب حق شد مسند آرا
بسالِ عزمِ خلدش گفت روحی	بجنت رفت و با حق باد مولا

۱۳۳۵ھ

مولانا مرحوم سے چند رسائل یادگار ہیں جن میں "صلوٰۃ القرآن بہ متابعت حبیب الرحمان" زیادہ مشہور ہے جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تردید میں لکھا گیا تھا۔



فتح محمد بہاول نگری

مولانا فتح محمد بن سجاول خان بن تبریز خان موضع جیبب کے (بہاول نگر) کے باشندے تھے۔ ۱۳۰۴ھ/۸۷-۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا سلطان محمود حصاری، مولانا سلطان محمود افغانی اور مولانا سلطان محمود (مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی) سے علمی استفادہ کیا۔ مدرسہ معینیہ اجمیر میں مولانا معین الدین اجمیری (م ۱۳۵۹ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سندِ حدیث مولانا عبد العلی محدثؒ (مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی) سے ۴ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ کو حاصل کی۔

مولانا فتح محمد نے پنجاب کے مختلف مقامات پر تدریس کے فرائض انجام دیئے صادق گنج ضلع بہاول نگر میں ایک عرصہ مقیم رہے اس کے بعد جموں وچیل (ضلع ساہیوال) گھنڈ پور (ضلع بہاول نگر) اور بہاول نگر میں دینی و تبلیغی کام کیا۔ غالباً ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم بہاول نگر کی بنیاد رکھی، جو اُن کی نگرانی اور تدریس میں تیزی سے ترقی کر رہا تھا کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۹ء/ ۳۰ رمضان ۱۳۸۹ھ کو پیغامِ اجل آگیا۔

مولانا فتح محمد صوفی منش عالم دین تھے۔ خواجہ عبدالحلیم چشتی (خلیفہ مولانا غلام رسول تونگیروی) سے بیعت تھے اور اُن کی جانب سے مجازِ بیعت تھے۔

مولانا فتح محمد اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔ اور خود فارسی، عربی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اُن سے ایک تصنیف "ادب در وحدتِ وجود و وحدتِ شہود" یادگار ہے جو تاحال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔

فریدالدین

مولانا فریدالدین بن احمدالدین بن امیر حمزہ اندازاً ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں موضع بھوئی گاڑ ضلع اٹک کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن حنفیہ کے واسطے سے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے ملتا ہے۔

قرآن مجید اور ابتدائی درسی کتابیں برادرِ بزرگ مولانا محب النبی سے پڑھیں۔ بعض کتابیں مثلاً حمداللہ، شرح سلم العلوم والدِ ماجد سے پڑھیں۔ تکمیلِ تعلیم کے لیے مولانا مشتاق حسین کانپوری (م) بن مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے۔ مولانا مشتاق حسین کانپوری کانپور سے جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور وہاں سے میرٹھ منتقل ہوئے تو مولانا فریدالدین بھی اپنے استاد کے ہمراہ مراد آباد اور میرٹھ چلے گئے۔ واپس وطن آکر کتبِ حدیث برادرِ بزرگ سے پڑھیں اور اُن ہی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

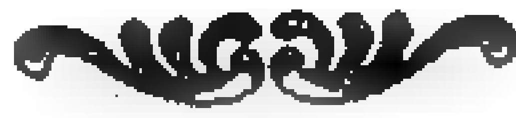
تقریباً ۱۳۵۰ھ/۳۲-۱۹۳۱ء میں علومِ متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور بچاروالا (ضلع فیصل آباد) کے ایک دینی مدرسہ میں اعزازی طور پر تدریس کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد وطن مالوف بھوئی گاڑ آ گئے۔ اُن کے اندازِ تدریس اور تبحرِ علمی کے پیشِ نظر اکثر مدارسِ دینیہ کے کارپردازوں کی خواہش رہتی تھی کہ وہ اُن کے مدارس کی مسند کو رونق بخشیں۔ چنانچہ جامعہ غوثیہ گولڑہ، جامعہ محمدیہ بھیرہ، جامعہ رضویہ وار برٹن، دارالعلوم مکھڈ، دارالعلوم ترگ شریف اور دارالعلوم لالہ موسیٰ میں پڑھاتے رہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ سیاسی تحریکوں سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وہ مزاجاً مدرّس تھے اور تقریباً بیالیس سال تدریس کی۔ سبق ہمیشہ باقاعدہ مطالعہ کے بعد پڑھاتے تھے اور طلبہ کو اس امر کی تلقین کرتے تھے کہ سبق پڑھنے کے لیے باقاعدہ تیاری کر کے آیا کریں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ جلسوں میں تقاریر کیں۔ جلوسوں کی قیادت کی اور اس راہ میں سنتِ یوسفی بھی ادا کی۔

۷ رشوال ۱۳۹۲ھ/ ۱۴ نومبر ۱۹۷۲ء کو صبح آٹھ بجے دل کا شدید دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اگلے دن بھوٹی گاڑ میں دفنائے گئے[1]

مولانا حسن الدین ہاشمی (استاد جامعہ اسلامیہ۔ بہاولپور) مرحوم کے فرزندِ ارجمند ہیں۔



---

[1] ملخص از "ضیائے حرم" بابت نومبر ۱۹۷۲ء

فضل الٰہی حضروی

مولانا فضل الٰہی بن مہر علی شاہ اندازاً ۱۲۴۰ھ/۲۵-۱۸۲۴ء میں اگرور ضلع کوہستان میں پیدا ہوئے۔ مولانا فضل الٰہی کے بچپن میں اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے زمانۂ تعلیم کے بارے میں اطلاعات میّسر نہیں ہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ تکمیلِ علم کے بعد حضرو ضلع اٹک آ گئے تھے۔

مولانا فضل الٰہی نے حضرو میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کا زیادہ وقت طلبہ کو پڑھانے، مطالعہ کرنے اور ریاضت و عبادت میں گزرتا تھا۔ حافظ عبدالغفور سواتی (م ۱۲۹۳ھ) سے تعلّقِ بیعت رکھتے تھے۔ مولانا فضل الٰہی متواضع منکسر المزاج اور ہردلعزیز عالم تھے۔ طلبہ اور مساکین کی امداد کرنے میں راحت و مسّرت محسوس کرتے تھے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ/۱۰ جون ۱۹۲۴ء کو مرض طاعون فوت ہوئے۔ نمازِ جنازہ اُن کے فرزند مولانا خدا بخش مرحوم نے پڑھائی تھی۔ جنازے کے شرکا میں مولانا حسین علی ساکن واں بچھراں نمایاں عالم تھے۔ مولانا فضل الٰہی حضرو میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

قبر پر حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کندہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

پیرِ ما شمعِ ہدایت بود عارف باکمال

طالبانِ راہ خدا را رہنمائے بے مثال

در ورع در زہد و تقویٰ گوئے سبقت بُردہ بود

ای خدا در روزِ حشرت دہ او را جاہ و جلال

بر زبانِ پیرو برنا ایں خبر مشہور شُد
قطبِ عالم شمعِ یزداں کرد از دُنیا رِحال
ایں قدر محسوس شد از انتقالت ای ولی!
رفت از دنیائے دوں آں چشمۂ آبِ زلال
گفت ہاتف از رقم در گوشِ واحدؔ ایں سخن!
رفت از دارِ فنا آں صاحبِ طیب خصال

۱۳۴۲ھ

مولانا فضل الٰہی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا میاں خدا بخش ۲۔ مولانا عبدالرحمان فاضل دیوبند

۳۔ مولانا میاں محمد اکبر۔ والد ماجد مولانا فضل الٰہی کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔



فضل الٰہی وزیر آبادی

مولانا فضل الٰہی بن میراں بخش بن رجب دین بن نور محمد قریشی ۲۷ رمضان ۱۲۹۹ھ / ۱۲ اگست ۱۸۸۲ء کو وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی سکول وزیر آباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا۔ عربی اور فارسی کی بعض کتابیں اُن کے درس میں پڑھیں۔

عملی زندگی کا آغاز محکمہ ریلوے میں ملازمت سے کیا۔ ایک سال کام کیا ہو گا کہ ۱۹۰۲ء / ۲۱-۱۳۲۰ھ میں سرحد پار مجاہدین کے امیر مولانا عبدالکریم سے ملاقات کی اور اُن کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ امیر عبدالکریم نے انہیں برِ صغیر کے لیے اپنا خلیفہ نامزد کیا اور یہاں سے آدمی اور سرمایہ فراہم کرنا اُن کے فرائض میں داخل تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ کام محنت، رازداری اور تندہی کے ساتھ کیا۔ مجاہدین کی اعانت کے الزام میں ۷ نومبر ۱۹۱۵ء / ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو گرفتار کیے گئے اور جالندھر جیل میں محبوس رہے اُن پر مقدمہ چلا مگر "جرم" ثابت نہ ہو سکا۔ جنگِ عظیم اوّل کے خاتمے پر رہا ہوئے۔ تاہم تین سال کے لئے وزیر آباد میں نظر بند کر دیے گئے۔ حالات بگڑتے جا رہے تھے اور انگریزی حکومت سرحد پار مجاہدین کے ہمدردوں پر مقدمات قائم کر رہی تھی اس لئے مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی ۱۷ اگست ۱۹۲۰ء / ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو ہجرت کر کے یاغستان چلے گئے۔

۱۹۳۹ء / ۵۸-۱۳۵۷ھ میں اپنا نام "عبدالرزاق کابلی" ظاہر کر کے بمبئی کے راستے سے حج کا سفر کیا اور ارضِ حجاز سے واپسی پر برصغیر کے چیدہ چیدہ راہنماؤں سے ملے۔ مرشد آباد اور مونگیر میں کافی عرصہ مقیم رہے۔ اکابرِ مسلم لیگ اور قائدِ اعظم محمد علی جناح سے

کئی ملاقاتیں کیں اور تحریکِ پاکستان میں کام کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جہادِ کشمیر میں اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سمیت حصّہ لیا لیکن اچانک جنگ بندی کے اعلان سے دل برداشتہ ہو گئے اور اسی صدمے سے ۵ رمئی ۱۹۵۱ء / ۲۸ رجب ۱۳۷۰ھ کو جہلم میں وفات پائی۔
"غلطی ہائے عدیم المثالِ جہاں" اور "مسئلہ کشمیر" اُن کے رشحاتِ قلم میں سے ہیں۔



فضل علی قریشی رح

مولانا فضل علی قریشی بن فرزند علی قریشی ۱۲۷۰ھ / ۵۴-۱۸۵۳ء میں داؤد خیل میں پیدا ہوئے۔ مولانا قمر الدین سے کتب درسیہ کی تحصیل کی اور دورۂ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارن پوری (م ۱۲۹۷ھ) سے پڑھا۔

بھائیوں کے ساتھ داؤد خیل سے ترکِ سکونت کر کے ضلع مظفر گڑھ آئے اور حکومت سے کچھ رقبہ لے کر کاشتکاری شروع کی۔ ان کی کوششوں سے جنگل ہی لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں نہیں بدلا بلکہ "مسکین پور" کے نام سے ایک بستی آباد ہو گئی۔

مولانا فضل علی قریشی نے ابتدا میں مولانا سید لعل شاہ ساکن دندہ شاہ بلاول سے بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد موسیٰ زئی شریف گئے اور خواجہ سراج الدین رح (م ۲۶ ربیع الاولی ۱۳۳۳ھ) کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ موصوف اچھے خوشنویس تھے۔ خواجہ سراج الدین مرحوم کی خط و کتابت اُن ہی کے ذمے تھے۔

علمائے دیو بند کی خدماتِ دینیہ کے قدر دان تھے۔ ایک دفعہ دیو بند گئے تو مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) قاری محمد طیب اور دوسرے اکابرِ دیو بند نے عزت و احترام کا سلوک کیا۔ دیو بند سے دہلی آئے اور مفتی کفایت اللہ (م ۱۳۷۲ھ) کے مدرسہ امینیہ تشریف لے گئے۔ فرقِ باطلہ کے خلاف، علمائے دیو بند کا ساتھ دیا۔ ایک بار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح بغرضِ تقریر قادیان جا رہے تھے۔ وہ مولانا فضل علی کو باصرار ساتھ لے گئے چنانچہ قادیان میں اُن ہی کی صدارت میں خانہ زاد نبوت کے بخیے ادھیڑے گئے۔

مولانا فضل علی کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا۔ خود ہل چلاتے اور فارغ اوقات میں اصلاح و ارشاد کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مہمان نواز، ایثار پیشہ اور متواضع بزرگ تھے۔ کوئی مہمان بے وقت آجاتا تو اپنا کھانا بھجوا دیتے اور خود صبر و شکر کر لیتے

تھے۔[1] موصوف کو تمبا کو سے نفرت تھی اور ان کی توجہ کاملہ کا اثر تھا کہ بیعت ہونے والا شخص اگر تمباکو پینے یا کھانے کا عادی ہوتا تو وہ اس بُری عادت سے توبہ کر لیتا تھا۔[2]

یکم رمضان ۱۳۵۴ھ / ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو مسکین پور میں واصل بحق ہوئے اور وہیں مزار ہے۔ مرحوم کے ۶۷ خلفائے عظام کی فہرست جناب محمد عبد المالک صدیقی نے مرتب کی ہے[3] ان میں سے مندرجہ ذیل نے علمی و دینی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

۱۔ مولانا عبد الغفور عباسی مدنی رح

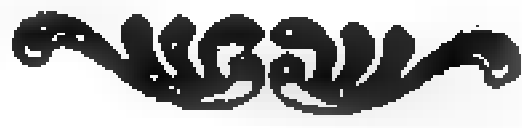
۲۔ مولانا محمد عبد المالک صدیقی ساکن احمد پور شرقیہ

۳۔ مولانا حسین علی قریشی (مسکین پور)

۴۔ مولانا محمد عبد اللہ مرحوم (بھلی شریف)

۵۔ خواجہ محمد سعید قریشی (م ۱۳۶۳ھ)

مولانا فضل علی کے پسماندگان میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔



---

[1] تجلیات ص ۲۲

[2] تحفہ زاہدیہ ص ۲۸

[3] تجلیات ص ۲۶ - ۲۸

فضل میراں

مولانا فضلِ میراں ٹبی غوث پور تحصیل و ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔[1] پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل تھے۔ ترکِ موالات کے زمانے میں آزاد مسلم ہائی سکول گجرات قائم کیا گیا جس کے کرتا دھرتا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (م ۱۳۸۱ھ) تھے آزاد مسلم سکول میں مدرس رہے تھے۔ اُن کے رفقائے کار میں مولانا نصر اللہ خان عزیزؒ اور ملک حسن علی جامعی صاحب شامل ہیں۔

مولانا فضلِ میراں، حضرت شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی تالیفات پر گہری نظر رکھتے تھے متذکرۃ الصدر بزرگ اُن سے حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیتے تھے۔[2] مولانا موصوف کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہو سکے۔

اُنہوں نے علامہ سیّد عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی کی تالیف "انسان کامل" کا اُردو ترجمہ کیا تھا جو پہلی بار ملک محمد الدین مدیر "صوفی" نے شائع کیا تھا بعد میں نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کیا۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے شاہ ولی اللہ کے مشہور رسالہ "ہمعات" کا ترجمہ بھی کیا تھا۔



---

[1] دیباچہ "انسانِ کامل"

[2] مکتوب پروفیسر محمد سرور بنام راقم الحروف۔

فقیر اللہ خوشابی ثم مدراسی

مولانا فقیر اللہ[1] بن فتح دین بن عبد اللہ موضع کھٹہ مصرال تحصیل خوشاب میں ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳-۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا محمد سے حاصل کی۔ مولانا محمد، سید نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ اس کے بعد مولانا فقیر اللہ نے حافظ عبد المنان وزیر آبادی اور مولانا عبد الجبار امرتسری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں موصوف اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے۔ سید نذیر حسین دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ استادِ گرامی مولانا دہلوی کے حکم پر بنگلور تشریف لے گئے۔ بنگلور میں انہوں نے "مدرسہ نصرت الاسلام" کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی۔ کچھ عرصہ بعد مدراس تشریف لے گئے۔ اور باقی عمر وہیں گزار دی اس لئے "مدراسی" مشہور ہو گئے۔ مدراس میں انہوں نے "مدرسہ احیاء الاسلام" جاری کیا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ تحریکِ مجاہدین کے لئے مدراس سے رقوم بھجواتے تھے۔

مولانا فقیر اللہ ۹ رشوال ۱۳۴۱ھ/ ۲۵ رمئی ۱۹۲۳ء کو فوت ہوئے[2] اور بنگلور میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مولانا فقیر اللہ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی اہلیہ پنجاب کی تھیں۔ جن سے دو صاحبزادے (مولانا عبد اللہ اور حافظ احمد سعید) اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک صاحبزادی کا عقدِ نکاح مولانا نجم الدین ڈھیر یالوی اور دوسری کا مولانا حافظ محمد گوندلوی سے ہوا۔

---

[1] ابتداء میں نام "فقیر محمد" تھا جسے فقیر اللہ سے بدل دیا۔

[2] سیرتِ ثنائی ص ۳۷۳ (حاشیہ)۔ صاحب نزہت الخواطر نے سالِ وفات ۱۳۳۴ھ/ ۱۶-۱۹۱۵ء (جلد ۸، ص ۳۶۵)

مولانا فقیراللہ نے دوسری شادی مدراس میں مولانا محمد اسماعیل مدراسی کی ہمشیرہ سے کی جن سے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے مولانا عطاء اللہ سلفی پیدا ہوئے [1]

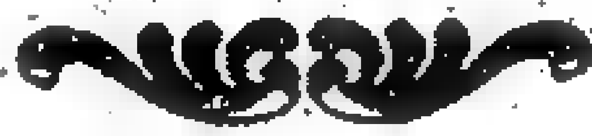
مولانا فقیراللہ سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ القول المصدوق فی اثبات التشہد للمسبوق

۲۔ التبری من افتراء المفتری

۳۔ الموعظۃ الحسنۃ فی خطبۃ الجمعہ بکل لسان من الالسنۃ

۴۔ رسالہ فی اثبات الجہر بالفاتحۃ فی صلوٰۃ الجنازہ



---

[1] سیرت ثنائی ص ۳۷۳ (حاشیہ)

فقیر اللہ نیازی

مولانا فقیر اللہ نیازی بن مولانا غلام محمد نیازی ۱۸۹۲ء/ ۱۰-۱۳۰۹ھ میں قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام محمد نیازی جیّد عالم اور سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ کے اہم فرد تھے۔ اُنہیں خواجہ سچیار نوشاہیؒ سے ارادت و محبت تھی۔

مولانا فقیر محمد نیازی کی رسم بسم اللہ خواجہ سچیار نوشاہی نے ادا کی۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم سے حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں، مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں "درسِ نظامی" کا نصاب مکمل کیا۔ پچیس سال کی عمر میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا فقیر محمد نیازی، پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کے ارادت مند تھے اور اُن کی تبلیغی و دینی مساعی میں تعاون کرتے تھے۔ تحریکِ خلافت میں اُنہوں نے اپنے مرشدِ گرامی کی ہدایت پر عمل کیا۔ اسی طرح فتنۂ ارتداد کے زمانے میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ تحریکِ مسجد شہید گنج میں پیر سید جماعت علی شاہ کے پہلو بہ پہلو رہے۔ اس راہ میں اُنہوں نے خندہ پیشانی سے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیالکوٹ میں مقیم رہے اور علمی و دینی کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور جیل گئے۔ راولپنڈی اور سیالکوٹ کی جیلوں میں رہے۔ ۱۴ راگست ۱۹۶۲ء/ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو ستّر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور قبرستان شہیداں سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔



خواجہ فقیر محمد چوروی

خواجہ فقیر محمد بن نور محمد بن فیض اللہ تیراہی بن خان محمد کا سلسلۂ نسب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔ اُن کی تاریخِ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ البتہ اُن کی ولادت خواجہ فیض اللہ تیراہی (م ۸ ربیع الاوّل ۱۲۴۵ھ) کی زندگی میں تیرئی شریف نزد تیراہ میں ہوئی تھی۔[۱] اس اعتبار سے موصوف ۱۲۴۵ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔

خواجہ فقیر محمد نے علومِ دینیہ کی تحصیل والدِ ماجد سے کی اور اُن ہی کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ میں بیعت کی۔ بیس سال کی عمر میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے اور اپنے برادرِ اصغر خواجہ دین محمد کے ساتھ اندرونِ پنجاب کا اصلاحی و تبلیغی سفر کیا۔ دو ماہ کے اس سفر میں انہوں نے ضلع گجرات اور ضلع سیالکوٹ میں رشد و ہدایت کی روشنی عام کی۔

خواجہ فقیر محمد کے ذریعہ سلسلۂ نقشبندیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اُن سے ایک دنیا نے استفادہ کیا۔ جب کسی شخص کو حلقۂ ارادت میں داخل کرتے تو اُسے "دوست" کہہ کر پکارتے اور بوقتِ بیعت ایسے اشعار پڑھتے جن میں تعلق باللہ اور حبِ رسول ؐ پر زور ہوتا تھا۔ بعض مواقع پر یہ شعر پڑھتے:

ہر دم خدا را یاد کن، دلہائے غمگین شاد کن!
بلبل صفت فریاد کن، مشغول شو در ذکر ہُو

غافلی کفر است پنہاں در وجودِ آدمی
ایں چنیں کافر شدن را حاجتِ زنّار نیست

---

[۱] [illegible] تیراہی قلمی ص ۴۷

کبھی کبھی جذب وکیف میں پڑھا کرتے تھے:

ہر چہ در کائنات می بینم ہمہ را نور ذات می بینم

من کہ در ذات او شدم فانی کے لبوئے صفات می بینم

۲۹ محرم ۱۳۱۵ھ[1] / ۵ جولائی ۱۸۹۷ء کو چورہ شریف میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں "غفرلہ" سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔ اُن کے معروف خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری

۲۔ سید جماعت علی شاہ ثانی لاثانی

۳۔ صاحبزادہ غلام محی الدین بن مولانا محمد خان عالم (باولی شریف)

۴۔ حافظ عبدالکریم (راولپنڈی)

۵۔ مولانا غلام محمد یگوی

۶۔ مولانا محمد حسین پسروری

۷۔ خواجہ احمد بنی چوروی (صاحبزادہ)



---

[1] انوار قمرالہی میں غلطی سے ۱۳۱۶ھ لکھا گیا ہے ص ۸۷

فقیر محمد جہلمی

مولانا فقیر محمد جہلمی بن حافظ محمد سفارش ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں بمقام "چتن" (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے۔ ختم قرآن کے بعد میاں قطب الدین (ساکن ٹاہلیانوالہ) سے فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا نور محمد[1] (ساکن کھائی کوٹلی۔ ضلع جہلم) سے صرف و نحو، فقہ اور دیگر علوم کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد راولپنڈی گئے جہاں مولانا عبدالکریم شاہپوری اور مولانا محمد حسن ذیفروزوالا ضلع گوجرانوالہ سے منطق کی تحصیل کی۔

۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں دہلی کا سفر اختیار کیا اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے درس میں حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے منطق و فلسفہ پڑھانے سے معذرت کردی اور اُنہیں مولانا محمد شاہ مؤلف "مدار الحق" کے سپرد کیا۔ چند دن بعد مولانا مفتی صدر الدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) کے ہاں چلے گئے اور ڈیڑھ سال اُن کی خدمت میں رہ کر علمی و دینی استفادہ کیا۔ اواخر ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں واپس وطن آ گئے۔ یہاں سے لاہور جاکر مولانا کرم الٰہی (م ۱۲۸۲ھ) سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں فنِ خوشنویسی میں مہارت حاصل کی۔ مرزا امام ویردی ایرانی (متوطن حویلی میاں خان۔ لاہور) اور اُن کے شاگرد صوفی غلام محی الدین سے استفادہ کیا۔ میرا حمد حسین دہلوی سے بھی فن کے رموز سیکھے تھے۔ مطبع ناظر خیر اللہ خان کابلی میں کتابت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۸۴-۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں مطبع آفتابِ پنجاب لاہور میں قانونی کتب کی کتابت اور

---

[1] شاگرد مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

رسالہ "انوار الشمس" کی ادارت پر مامور ہوئے۔ مارچ ۱۸۷۵ء/ ۱۲۹۲ھ میں اخبار "آفتاب پنجاب" کے مدیر مقرر ہوئے اور ۱۸۸۴ء کے وسط تک فرائض ادارت انجام دیئے۔

۳ر اکتوبر ۱۸۸۴ء/ ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ سے اپنے لخت جگر "محمد سراج الدین خان مرحوم" کے نام پر جہلم میں "مطبع سراج المطابع" کی بنیاد رکھی اور ۵ر جنوری ۱۸۸۵ء/ ۱۸ر ربیع الاولی ۱۳۰۲ھ سے ہفت روزہ "سراج الاخبار" جاری کیا۔

محمد دین فوق نے "سراج الاخبار" کے مضامین کے بارے میں لکھا ہے:

"سراج الاخبار میں جو نظمیں چھپتی ہیں وہ بالعموم عامیانہ اور غیر مستند ہوتی ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کو خود شاعری کا مذاق نہیں ہے۔ اخبار میں شیعہ، اہل حدیث اور احمدی صاحبان کے خلاف اکثر مضامین چھپا کرتے ہیں اور یہ شاید اس لئے کہ مولوی صاحب کے مذہبی مذاق سے اُن کے ناظرین واقف ہیں اور وہ اُن ہی کے مذاق کے مضامین بھیجا کرتے ہیں[1]"

مولانا فقیر محمد جہلمی زمانہ طالب علمی میں مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری سے متعارف ہوئے اور اُن کے زیر اثر تردید عیسائیت کا ذوق پیدا ہوا۔ اخبار "کوہ نور" (لاہور) اور اخبار "منشور محمدی" (بنگلور) میں اُن کے مضامین طبع ہوتے تھے۔

اُن سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ حدائق الحنفیہ

۲۔ رسالہ آفتاب محمدی

۳۔ عمدۃ الابحاث فی وقوع طلقات الثلاث

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات ص ۶۱

۴۔ السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم

۵۔ زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل

۶۔ ترجمہ تصدیق المسیح

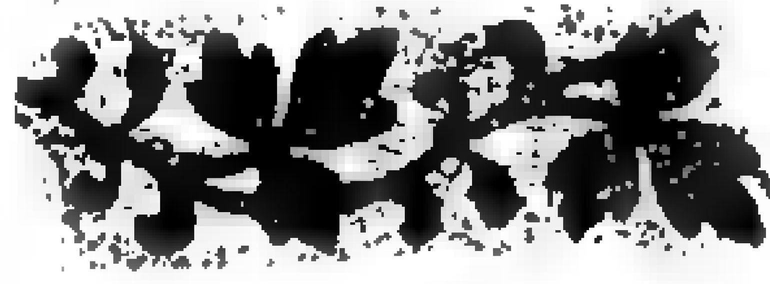
ان کتابوں کے علاوہ مولانا ولی اللہ لاہوری کی حسب ذیل تحریرات پر حواشی لکھے ہیں :

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان

۲۔ ابحاث ضروری

۳۔ مباحثہ دینی

مولانا فقیر محمد جہلمی مصروف علمی اور دینی زندگی گزار کر ۱۳۶۵ھ/۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے[1]



---

[1] ماہنامہ "نقوش" آپ بیتی نمبر ص ۱۴۸۱

فقیر محمد نقشبندی

مولانا فقیر محمد بن خواجہ غلام حسن نقشبندی موضع ڈگر سوہاگ (سواک) میں پیدا ہوئے انھوں نے ابتدائی کتب درسیہ مولانا گل حسن (خلیفہ خواجہ غلام حسن نقشبندی) سے پڑھیں۔ مولانا عبدالکریم جامپوری، مولانا فتح محمد (ریتڑہ والا)، مولانا جان محمد پیلانوی، مولانا احمد یار، حافظ محمد رمضان، مولوی فضل حق (کرڑی شموزئی)، مولانا حامداللہ گھوٹوی اور مولانا مرید احمد (ساکن بیل) کے نام اُن کے اساتذہ میں ملتے ہیں۔

مولانا فقیر محمد مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے اپنے والد ماجد سے مجاز بیعت تھے۔

مولانا موصوف "صرع" کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہت علاج کیا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اپنے والد ماجد کی زندگی میں صرع کے دورہ میں تالاب میں گر کر ۱۲ ربیع الاولی ۱۳۴۶ھ/ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔ چاہ تھل کے مقام پر مدفون ہوئے۔ مولوی عبدالرسول نے قطعۂ تاریخ کہا۔ چند اشعار یہ ہیں:

دریغا صاحبِ اعزاز و علا رفت — ز دنیا صاحبِ صدق و صفا رفت

. . . . — . . . .

. . . . — . . . .

حکیم عبدالرسول ایں خبر بشنید — سن تاریخ گفتن مصلحت دید

بگفتا از غمِ ایں صدمۂ سخت — ولی و عالمِ کامل جواں بخت[1]

۱۳۴۶ھ

---

[1] فیوضاتِ حسنیہ ص ۳۰۲

فیروز الدین

مولوی فیروز الدین لاہوری بن جان محمد بن میاں امام بخش بن جیوے خان، اگست ۱۸۶۴ء/۸۱-۱۲۸۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ راجپوت برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے جد امجد جیوے خان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک عہدے دار تھے اور آبائی گاؤں نیاز بیگ سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے تھے۔ جیوے خان کے پوتے جان محمد نے علمِ دین حاصل کیا۔ لاہور کے اچھے پڑھے لکھے لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ جب مہاراجہ شیر سنگھ کو فارسی پڑھانے کے لیے اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو مہاراجہ کی نظر مولوی جان محمد پر پڑی سردار بخشیش سنگھ کے علاوہ بعض دوسرے نوجوان سکھ سردار اُن کے شاگرد تھے۔

مولوی فیروز الدین کے نانا مولوی نجم الدین "اندرون دروازہ شیرانوالہ محلہ نوگھرا کے بازار میں ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے تھے"[1]

اس خاندانی پس منظر میں مولوی فیروز الدین کی تعلیم شروع ہوئی۔ ابتدا والدِ ماجد سے کی مگر ابھی آٹھ نو سال سے زیادہ عمر نہ تھی کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ فارسی درسیات کا کافی حصہ برادرِ بزرگ مولوی فتح الدین اور چچا خلیفہ نبی بخش سے پڑھا۔ ۱۸۷۸ء/۹۵-۱۲۹۴ھ میں اورینٹل کالج لاہور کی جماعت "منشی عالم" میں داخلہ لیا اور فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی۔

مولوی صاحب کو دورِ طالب علمی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے مسٹر ولیم۔ رینیل ڈائریکٹر تعلیمات نے اُنہیں تصنیف و تالیف کے ساتھ اشاعت و طباعت کی طرف توجہ دلائی۔ اُنہوں نے چارٹوں اور درسی کتابوں کی طباعت و اشاعت شروع کی۔ فیروز پرنٹنگ پریس کے نام سے چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس قدر ترقی دی کہ آج اُن

---

[1] جہادِ زندگی ص ۳۴

کا خاندان ملک کے امیر ترین خانوادوں میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں انہوں نے دو لاکھ کی رقم سے "فیروز سنز ٹرسٹ" کے نام سے ایک وقف قائم کیا جس کے زیر اہتمام پشاور، لاہور اور کراچی میں خیراتی شفا خانے کام کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب نادر شاہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جشنِ استقلال میں شرکت کے لئے افغانستان گئے۔ ۱۹۳۰ء میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ اُن کے والد کو فقراء صوفیاء سے بہت عقیدت تھی اور یہ عقیدت و ارادت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ پہلے حضرت احمد علی کابلی سے بیعت ہوئے۔ اُن کی رحلت کے بعد ایک پٹھان مولوی عبداللہ صاحب سے تعلقِ بیعت استوار کیا مگر اُن کی بیعت کرنا ایک فعلِ عبث ثابت ہوا۔[له] آخر کار خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے رشتۂ ارادت قائم کیا۔

مولوی صاحب اشاعتی سرگرمیوں میں مصروف ۲ اپریل ۱۹۴۹ء/ ۲ رجمادی الاخری ۱۳۶۸ھ کو فوت ہوئے اور مزار حضرت علی ہجویریؒ کے قریب دفنائے گئے۔

مولوی صاحب نے اپنی خود نوشت "جہادِ زندگی" میں حسبِ ذیل کتابوں کو اپنی تالیفات میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں پر محکمۂ تعلیم نے گراں قدر انعامات سے اُن کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

۱۔ بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب[ٹه]

۲۔ اردو ترجمہ کشف الاسرار (منسوب بہ حضرت علی ہجویریؒ)

۳۔ تاریخ دربارِ دہلی (۱۹۰۳ء)

له جہادِ زندگی ص ۱۶۳

ٹه جناب محمد نصر اللہ خان نے اس ترجمے کو اپنے والد گرامی مولانا رحمت علی خان ساقی کی کاوش قرار دیا ہے۔ (مولانا رحمت علی خان ساقی مرحوم ص ۹)

۴۔ یادگارِ سعدی

۵۔ فیروز اللغات (اُردو، اُردو)

۶۔ فیروز اللغات (فارسی، اُردو)

۷۔ تاریخ دربارِ اسلام

۸۔ اُردو ترجمہ قرآن و تفسیر "تسہیل القرآن"[۱]

۹۔ الہام منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم

مولوی صاحب اپنی تالیفات کے بارے میں رقمطراز ہیں ؛

"کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے ترجمے اور فیروز اللغات اُردو و فارسی کی تدوین کے علاوہ میں نے اور بھی بہت سی علمی، ادبی، درسی اور مذہبی کتب تصنیف و تالیف کیں جن میں تاریخ دربارِ اسلام اور مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔ تاریخ دربارِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے لے کر خلفائے راشدین تک کے مبسوط حالات نہایت تفتیش و تفحص کے بعد درج کئے گئے ہیں۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی ضخامت ایک ہزار صفحات ہے۔ ایک عالم نے اس کتاب کی بڑی قدر افزائی کی۔ اسی طرح مثنوی مولانا روم کے ترجمے نے بھی (جس کا نام الہام منظوم ہے) علمی ادبی حلقوں سے کما حقہٗ خراجِ عقیدت وصول کیا[۲]۔ میری تمام تصانیف کا

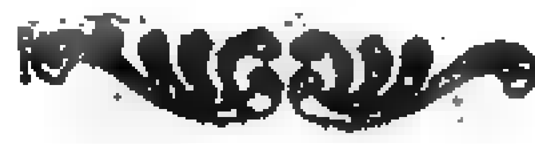
---

[۱] جناب محمد نصر اللہ خان نے اسے بھی اپنے والد گرامی مولانا رحمت علی خان ساقی کی کاوش قرار دیا ہے۔ (مولانا رحمت علی خان ساقی مرحوم ص ۹)

[۲] جناب سیماب اکبر آبادی (م ۱۳۷۱ھ) "الہام منظوم" کے بارے میں ساغر نظامی کو لکھتے ہیں :
"آج بے حد متالم ہوں۔ الہام منظوم کا پہلا دفتر لاہور سے وصول ہوا ہے۔ اس کے سرِ صفحہ

حجم پچاس ہزار صفحات کے لگ بھگ ہوگا۔[1]

مولوی صاحب نے سرسید احمد خان کی اصلاحی تحریک میں اپنے اخبارات کے ذریعے حصہ لیا۔ پہلے "پنجاب پنچ" اور پھر "مشیر ہند" کے نام سے اخبار جاری کیے۔ تحریکِ آزادی میں اُن کے انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" نے اہم کردار ادا کیا۔ اُنہوں نے ایک علمی و ادبی مجلہ "تعلیم و تربیت" بھی جاری کیا جسے ۱۹۴۱ء میں تحالفتاً بچوں کے لیے وقف کر دیا جو بچوں کے اردو رسائل میں منفرد حیثیت کا مالک ہے۔



(ماشیہ صفحہ گزشتہ) پر مترجم مولوی فیروز الدین لکھا ہوا ہے۔ گویا اس خواب کی تعبیر ہے جو آغازِ کار میں مجھے اور آپ کو نظر آ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب کی اس سرمایہ دارانہ خود غرضی نے مجھے بہت ملول کیا۔"

(روحِ مکاتیب ص ۱۹۳ - ۱۹۴)

اس پر ساغر نظامی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "یہ شدید غلط بیانی اور تاریخی حق تلفی ہے۔ رسائل و دفتر کا ترجمہ صرف مولانا سیماب نے تنہا کیا ہے۔"

[1] جہادِ زندگی ص ۷۴ - ۷۵

فیض الحسن جہلمی

مولانا فیض الحسن بن مولانا محمد حسن فیضی ۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ / ۶ اپریل ۱۸۸۳ء کو "بسیں" میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ کی تحصیل اپنے فاضل اور جید والد محترم سے کی۔ ۱۹۰۷ء / ۱۳۲۵ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اپنے والد ماجد کی طرح جامعہ نعمانیہ لاہور میں مدرس رہے۔

شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور فیض تخلص کرتے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی منقبت میں ایک قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:[1]

کیف اثنیت جل من الثناء — ل فی وصف حجی العلماء!

جل عما نقول فیہ کما جل — یا وصافہ عن النظراء

امامنا بل امام کل امام — ورکن قصر الشریعۃ الغراء

حیوٰۃ دین ابو حنیفۃ خیر — المکرمات وسید الاصفیاء

کان واللہ روضۃ الدین فی — الغبراء اغصانہ علی الخضراء

قمر الفلک آفل کل یوم — ولذاک السکون وسط سماء

لا یہ آفتہ الطحاق وان لا — یبصر الفضل مقلۃ عمیاء

تم النظم ایہا الفیض واستغفر — لما قد جنیت من اخطاء

مولانا فیض الحسن تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ منشی محبوب عالم مدیر "پیسہ اخبار" کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا کے مدیروں میں شامل تھے۔ انھوں

---

[1] انتخاب مناقب سلیمانیہ ص ۱۹۷-۱۹۸ بحوالہ تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۹۳

نے عربی کی متعدّد کتابوں کو اُردو کا جامہ پہنایا۔ اُن کے چند تراجم یہ ہیں:

۱۔ علم الکلام (امام غزالیؒ)

۲۔ تجرید الاحادیث (امام عبدالرؤف مناوی)

۳۔ حدائق الاخبار (محمد صادق فرغانی)

۴۔ سیرت محمد عربی (طالسٹائی)

جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ / نومبر ۱۹۲۸ء کو وفات پائی اور آبائی گاؤں بجیں میں مدفون ہوئے۔

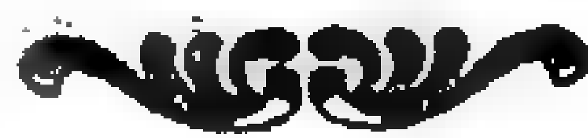


قائم الدین عباسی

مولانا قائم الدین عباسی قصبہ محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا حبیب اللہ گمانوی سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل نہ کر سکے تھے مگر خداداد قابلیت و ذہانت سے علومِ مروّجہ خصوصاً فقہ و حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے۔

مولانا عباسی نے تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں بہت کام کیا تھا۔ اس کے بعد موضع جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ مولانا دوست محمد قریشی کی ترغیب و تشویق پر تنظیم اہلِ سنت میں شامل ہوئے اور تنظیم کے پلیٹ فارم پر سرگرم تبلیغ رہے۔ فنِ تقریر میں ان کی سلاست و فصاحت ضرب المثل تھی۔ اصلاحِ معاشرہ اُن کی تقریروں کا اہم موضوع ہوتا تھا۔

مولانا عباسی ایک ماہ بیمار رہ کر ۱۹۷۷ء کے آغاز (۱۳۹۶ھ) میں جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں فوت ہوئے۔ مولانا منظور احمد عباسی نے اُن کی تعمیر کردہ مسجد اور مدرسہ کا انتظام سنبھالا۔[۱]



۱۔ ملخص از کشف الحقیقت ص ۲۹۲-۲۹۳

حافظ سیّد قل احمد نوشاہی

حافظ سیّد قل احمد نوشاہی بن حکیم سیّد الٰہی بخش ۱۲۱۲ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ خانوادۂ نوشاہ گنج بخشؒ کے ممتاز افراد میں سے تھے۔ اُنہوں نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے جدِ امجد حافظ سیّد نور اللہ (م ۱۲۲۹ھ) اور اپنے والد بزرگوار سے کی نیز اپنے چچا زاد بھائی مولانا سیّد غلام قادر بن سیّد عبداللہ نوشاہی اور مولانا محمد غوث (چکریاں والا) سے بھی استفادۂ دینی کیا۔

خالصہ حکومت کی جانب سے روزینہ مقرر تھا اور کچھ زمین بصیغہ "دھرم ارتھ" ملی تھی۔ چوہتر سال کی عمر میں ۲۳ ربیع الاخریٰ ۱۲۸۶ھ/ ۲ اگست ۱۸۶۹ء کو ساہن پال میں فوت ہوئے۔ اُن کے دو صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا سیّد محمد امین مختار السالکین (م ۱۳۰۱ھ)

۲۔ مولانا سیّد محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ)

حافظ سیّد قل احمد سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں، مولانا شرافت نوشاہی صاحب نے جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق ترتیب و تدوین کی ہے۔

۱۔ بستان الاوراد
۲۔ ثمرات الافکار
۳۔ وسائط العلوم
۴۔ مخزن الاعمال
۵۔ مصباح العلاج
۶۔ لغاتِ نوشاہی
۷۔ تبیان القرآن
۸۔ مکتوبات



پیر قلندر شاہ لاہوری

پیر قلندر شاہ بن پیر کرم شاہ (المعروف بہ سیتا شاہ) بن پیر ابوالفتح (المعروف بہ شاہ جیو) ۱۱۸۵ھ/ ۷۲-۱۷۷۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں سلسلۂ اصلاح وارشاد اور خدمتِ دین کئی پشتوں سے چلی آرہی ہے۔

۱۱۹۶ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں اُن کے والدِ ماجد اپنے اہل وعیال کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے تھے۔ پانچ سال کے بعد وطن واپس آرہے تھے کہ شاہجہانپور کے نزدیک ۱۲۰۱ھ/ ۸۷-۱۷۸۶ء میں قزاقوں سے مڈبھیڑ ہوگئی جس میں پیر کرم شاہ کام آگئے۔

پیر کرم شاہ کے پس ماندگان وطن لوٹنے کے بجائے بانس بریلی چلے گئے جہاں ۱۲۰۴ھ/ ۹۰-۱۷۸۹ء تک رہے۔ پیر قلندر شاہ نے اِس زمانے میں حصولِ فیض کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ شیخ بدرالدین رہتکی ثم لکھنوی (م ۱۲۰۵ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ اُن کی رحلت پر اُن کا مسقّف مقبرہ بنوایا۔ لکھنؤ سے ردولی، الٰہ آباد اور محمد آباد بنارس کے سفر کئے اور تکمیلِ تعلیم کی۔

پیر قلندر شاہ ۱۲۱۰ھ/۹۶-۱۷۹۵ء میں واپس لاہور آگئے۔ شعبان ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۰ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں اراضی خریدی اور وہیں منتقل ہوگئے۔ وہیں ۲ رمضان ۱۲۴۸ھ/ ۱۷ فروری ۱۸۳۲ء کو فوت ہوئے۔

پیر قلندر شاہ اپنے وقت کے کامل سہروردی بزرگ اور بڑے اہلِ دل مصنف تھے۔ ان کے حسبِ ذیل رسائل ملتے ہیں[1]۔

---

[1] فہرستِ مخطوطاتِ فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور، ص ۹۱-۹۷

۱۔ بیانِ حق (فارسی) نجم الدین النسفی (م ۵۳۷ھ) کے رسالہ موسومہ "العقائد النسفیہ" کی منظوم شرح ہے۔

۲۔ حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فارسی۔ منظوم)

۳۔ حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ہندی۔ منظوم)

۴۔ معراج القبول (فارسی۔ منظوم)

پیر قلندر شاہ کی اکثر منظومات "قصائد قلندری" میں طبع ہو چکی ہیں۔



سیّد قلندر علی گیلانی سہروردی

سیّد ابو الفیض قلندر علی نسبًا گیلانی اور مشربًا سہروردی تھے۔ وہ موضع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول مذہبی اور علمی تھا۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے پائی۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ ان کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے نامساعد حالات میں تعلیم جاری رکھی۔ مڈل کا امتحان پاس کر کے دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے استفادہ کیا۔ مدرسہ منظر اسلام میں تقریبًا اڑھائی سال مقیم رہے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا شیر محمد شرقپوری سے بھی استفادہ کیا۔ حیات گڑھ (گجرات) کے بزرگ مولانا غلام محمد سہروردی سے بیعت تھے اور ان کی طرف سے بیعتِ طریقت کے مجاز بھی۔

سیّد قلندر علی گیلانی جامع مسجد شاہ ابو المعالیؒ لاہور کے خطیب تھے۔ کئی سال یہاں خطابت اور درس و تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد مسجد چودہریاں قلعہ گوجر سنگھ میں منتقل ہوئے۔ ان کی تقریر دلنشین اور مؤثر ہوتی تھی۔ معمولات میں سنتِ نبوی کا خاص خیال رکھتے تھے۔

۲۷ صفر ۱۳۷۷ھ/ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء کو قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں فوت ہوئے۔ میّت ہنجروال (لاہور سے سات میل دور ملتان روڈ پر ایک گاؤں) لائی گئی اور تدفین عمل میں آئی۔

گیلانی مرحوم نے حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ سیّاحِ لامکان ۲۔ جمالِ رسول

۳۔ موعظۃ للمتقین

۴۔ صحیفۂ غوثیہ

۵۔ دعوت الحنفیہ

۶۔ حلیۃ النبی

۷۔ لباس التقویٰ

۸۔ رسالہ علم غیب

۹۔ الفخر فخری

۱۰۔ قمیصِ یوسفی

۱۱۔ تذکرہ سہروردیہ

۱۲۔ تعارف سہروردیہ

۱۳۔ جمالِ الٰہی

۱۴۔ میلاد الرسول

۱۵۔ پردۂ نسواں



قمر الزمان بلند شہری

مولانا سید قمر الزمان بن سید محمد رفیع رضوی سبزواری چھولس ضلع بلند شہر (بھارت) کے باشندے تھے۔ وہیں ۱۹۰۷ء/۱۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ مدرسہ عربیہ منصبیہ میرٹھ میں داخل ہوئے۔ مولانا یوسف حسین صاحب اور مولانا سبطِ حسین صاحب سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد امروہہ جاکر حاجی مرتضیٰ حسین صاحب (والد گرامی جناب یوسف حسین صاحب) سے درس لیا۔ وہاں سے سلطان المدارس لکھنؤ گئے اور علومِ مروجہ کی تکمیل کر کے "صدر الافاضل" کی سند لی۔ حکیم منے آغا صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۹ء/۴۸-۱۳۴۷ھ میں میرٹھ آگئے اور مطب و تدریس کا شغل شروع کیا۔ ۱۹۳۵ء/۵۴-۱۳۵۳ھ سے تقسیمِ ہند تک مادرِ علمی مدرسہ عربیہ منصبیہ میں درس دیا۔

مولانا قمر الزمان تقسیمِ ہند کے بعد لاہور آگئے اور دیال سنگھ کالج میں اسلامیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ انہوں نے لاہور میں علمی مذاکرات اور تحریکوں کو زندگی بخشی۔ انہوں نے اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں سے ایک مختصر سا حلقہ قائم کر لیا تھا۔ جامعہ امامیہ میں درس دیتے تھے اور اہلِ علم کے قدر دان تھے۔

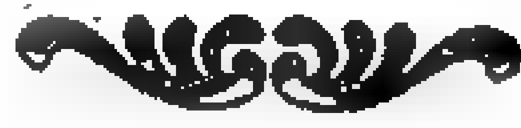
۲۹ر رجب ۱۳۷۹ھ/۲۹ر جنوری ۱۹۶۰ء کو آنت پھٹ جانے سے فوت ہوئے[1]۔ مرحوم منطق و فلسفہ میں انتہائی کمال رکھتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں

---

[1] مطلع انوار ص ۳۶۱-۳۶۲

گاہے ماہے شعر بھی کہتے تھے۔ مولانا سیّد مرتضیٰ حسین فاضل نے اُن کی حسبِ ذیل کتابوں کی اطلاع دی ہے:

۱۔ رازِ قدرت
۲۔ الحکمۃ الطالعہ شرح شمس البازغہ
۳۔ ترجمہ جامع المسائل (فقہ)



محمد کرم الدین دبیر

مولانا محمد کرم الدین دبیر ۱۸۵۲ء/۷۰-۱۲۶۹ھ کے لگ بھگ بھیں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے لاہور اور امرتسر کے اساتذۂ وقت سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے حلقۂ درس میں شریک رہے۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد چند سال وطن مالوف میں مشغولِ تدریس رہے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی مؤلف "حدائق الحنفیہ" سے دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ اُن کے ایماء پر ہفت روزہ "سراج الاخبار" کے مدیر ہو گئے۔

مولانا دبیر مناظرانہ مزاج رکھتے تھے اور مناظرین کی جملہ خوبیوں طلاقتِ لسانی، حاضر جوابی، منطقیت اور مضبوط قوتِ یادداشت سے بدرجۂ اتم بہرہ مند تھے۔ یوں تو انھوں نے اہلِ تشیع، اہلِ حدیث اور قادیانی حضرات سب ہی سے مباحثے کئے تھے مگر اُن کا اصل ہدف قادیانیت تھی۔ اُنھوں نے "سراج الاخبار" میں قادیانیت پر خوب لکھا اور جلسوں میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بھرپور تنقید کا نشانہ بنایا۔ مرزا صاحب کے معتقدین نے اُن پر یکے بعد دیگرے مقدّمے قائم کئے۔

پہلا مقدّمہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو اور دوسرا مقدّمہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو حکیم فضل دین بھیروی کی جانب سے گورداس پور میں دائر کیا گیا۔ ان دونوں مقدّمات میں باعزت طور پر بری ہوئے۔ تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب مدیر اخبار "الحکم" نے مولانا دبیر اور مولانا فقیر محمد جہلمی کے خلاف دائر کیا جس میں مدعا علیہما کو ۵۰ روپے جرمانہ ہوا۔

مولانا دبیر نے بھی مرزا قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کی تضحیک اور اُن کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی بنیاد پر مقدمہ دائر کیا جو

اس بنا پر خارج ہوگیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عم زاد بھائی کو ایسا استغاثہ دائر کرنے کا قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

مولانا دبیر نے دوسرا استغاثہ ان ہر دو صاحبان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی ذاتی کا کیا کیوں کہ مرزا صاحب نے اپنی تالیف "مواہب الرحمان" میں انہیں کذاب، اور لئیم جیسے "خطابات" سے نوازا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعدم ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قید اور ناشر "مواہب الرحمان" حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ مگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے ان کو اس لیے بری کر دیا کہ مستغیث مولانا کرم دین نے اپنی "واضح" اور "ثابت شدہ" فریب دہی کی وجہ سے اپنے آپ کو مرزا صاحب کے ریمارکس کا مستحق بنا دیا تھا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے "حسام الحرمین" میں علمائے دیوبند کی تکفیر کی۔ اس کتاب کی تائید میں مولانا حشمت علی خان لکھنوی نے "الصوارم الہندیہ" مرتب کی جس میں مولانا دبیر کا فتویٰ بھی موجود ہے[۱]۔ مولانا مرحوم کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب کا بیان ہے کہ بعد میں حقیقتِ حال معلوم ہونے پر ان کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی[۲]۔

مولانا دبیر کو پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے عقیدت تھی۔ اپنی تالیف "آفتابِ ہدایت" کا انتساب پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نام کیا تھا اور پیر صاحب نے ان کی مناظرانہ مساعی کی تعریف کرتے ہوئے انہیں "غازیٔ اسلام" قرار دیا تھا۔

---

[۱] الصوارم الہندیہ ص ۱۱۰ - ۱۱۱، ہدایت المسلمین (تالیف میاں محمد بخش قادری) کی منظوم تقریظ میں بھی یہی رنگ موجود ہے۔

[۲] آفتابِ ہدایت ص ۲۰ - ۲۱

مولانا دبیر ۸ر شعبان ۱۳۶۵ھ/۱۷ر جولائی ۱۹۴۶ء کو حافظ آباد میں مکان کی چھت گرنے سے جاں بحق ہوئے۔ میت بھیں لائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ مرحوم کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا دبیر سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ آفتاب ہدایت (رد رفض و بدعت)

۲۔ تازیانۂ عبرت (قادیانی حضرات کی طرف سے دائر کردہ مقدمات کی روداد)

۳۔ مناظرات ثلاثہ

۴۔ صداقت مذہب نعمانی

۵۔ السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول

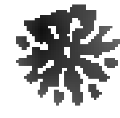
مولانا مرحوم فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور دبیر تخلص کرتے تھے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی رحلت پر حسب ذیل مرثیہ کہا[1] ؏

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر وفات پیر ما شاہنشہ دنیا و دین
شد غروب آں مہر عالمتاب شد گیتی سیاہ
بر فلک گریاں ملائک جن و انس بر زمین
رخت بستہ زیں سرا چوں رفت در دار السلام
گفت رضواں خیر مقدم فادخلوہا خالدین
حور و غلماں صف کشیدہ منتظر بہر جمال
طالب دیدار ارواح عباد الصالحین

---

[1] مہر منیر ص ۳۴۴

جسم شد محجوب از ما لیک روحِ پاک اُو
ہر زماں نگرانِ حالِ طالبانِ صادقین
باشد از بہرِ مریداں حضرتِ اقدس دبیرؔ
روزِ محشر مثلِ جدّ خود شفیع المذنبین[1]



---

[1] مولانا دبیرؔ نے اس مرثیہ کے علاوہ "تازیانہ عبرت" میں بھی پیر صاحب مرحوم سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے تاہم پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے سوانح نگار کے بیان کے مطابق وہ پیر صاحب کے مرید نہیں تھے۔ دیکھئے: مہر منیر ص ۲۵۵

محمد کلیم اللہ مچھیانوی

محمد کلیم اللہ مچھیانوی بن غلام قادر بن حافظ محمد حیات بن جیون کی ولادت تیرہویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں بمقام گاکھڑہ ضلع گجرات ہوئی۔ اُن کا نسبی تعلق وڑائچ برادری سے تھا اور علم و فکر کی روایت اُن کے خاندان میں ایک صدی سے چلی آ رہی تھی۔ اُن کے دادا حافظ محمد حیات صاحب ایک مدرّس تھے اور کافیہ ابن حاجب پر اُن کا حاشیہ یادگار ہے۔ ان کے علمی تبحر کا اندازہ اس حاشیہ سے ہوتا ہے۔[1]

محمد کلیم اللہ کے والد مولوی غلام قادر (م ۱۲۹۲ھ) اپنے وقت کے جید عالم اور کامل طبیب تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں باریابی کا اعزاز رکھتے تھے۔[2]

محمد کلیم اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولوی محمد اسماعیل ساکن خنوانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولوی بدرالدین ساکن گوکیلی، مولوی شاہنواز خان ساکن بھروکی، حافظ نورالدین چکوڑوی (م ۱۳۰۲ھ) اور مولوی سید احمد شاہ دیوالوی (م ۱۳۰۲ھ) کے نام بھی ملتے ہیں۔

تحصیلِ علوم سے فارغ ہوئے تو ۱۸۵۲ء/۶۹-۱۲۶۸ھ میں گاکھڑہ سے ترکِ سکونت کر کے مچھیانہ ضلع گجرات میں اقامت پذیر ہو گئے۔ یہاں درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔

---

[1] نسخہ خطی در کتب خانہ احمد حسین احمد قریشی گجرات

[2] تذکرہ علمائے احناف (خطی)۔ بحوالہ اورینٹل کالج میگزین بابت ستمبر-دسمبر ۱۹۷۱ء

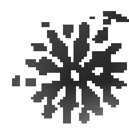
موصوف کو معقولات بالخصوص منطق سے گہری دلچسپی تھی۔ قریشی احمد حسین احمد قلعداری کی روایت ہے:

"کہا جاتا ہے، علمائے ہند بالخصوص علمائے فرنگی محل نے بطور طعن کہا کہ اہلِ پنجاب معقولات کا درک نہیں رکھتے۔ مولوی کلیم اللہ صاحب نے فرنگی محل، دہلی اور گرد و نواح کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے علماء سے مناظرے کئے اور اپنا لوہا منوایا۔ میرے والد بزرگوار علامہ مولوی محمد عبد الکریم فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب مرتے دم تک اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں نے پنجاب کی آبرو رکھ لی۔"[1]

مولوی محمد کلیم اللہ خدماتِ دینیہ انجام دیتے ہوئے ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں فوت ہوئے اور مچھیانہ ضلع گجرات میں دفنائے گئے۔

مرحوم سے کئی کتابیں یادگار ہیں جن کے خطی نسخے احمد حسین احمد قریشی قلعداری کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے "تذکرہ علمائے احناف" بوجوہ اہمیت کا مستحق ہے۔

یہ تذکرہ تیرہویں صدی کے آخری عشرہ میں لکھا گیا ہے۔ تذکرہ میں مؤخر ترین سن وفات ۱۲۹۳ھ ملتا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ تذکرہ ۱۲۹۳ھ یا اس کے کچھ بعد مکمل ہو گیا تھا۔ مولوی فقیر محمد جہلمی کا متداول تذکرہ "حدائق الحنفیہ" ۱۲۹۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس اعتبار سے "تذکرہ علمائے احناف" کو تقدّم زمانی حاصل ہے۔



---

[1] اورینٹل کالج میگزین بابت ستمبر، دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۱۲۵

گل محمد احمد پوری

خواجہ گل محمد بن حکیم اللہ رکھا بن مولوی محمد بخش ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں اوچ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) سے جاملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے شیخ ظہیر الدین عہد شاہجہان میں ملتان آگئے تھے، اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

مولوی محمد بخش اوچی خواجہ فخرالدین دہلوی سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے۔ خواجہ گل محمد کے والد حکیم اللہ رکھا بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے۔ نواب صادق محمد خان ثالث نے جو اُن کے قدردان تھے اور مدّاح، انہیں اوچ سے بلا کر احمد پور شرقیہ میں قیام کی پیش کش کی۔ اس طرح خواجہ گل محمد کا خاندان اوچ سے احمد پور شرقیہ منتقل ہو گیا۔

خواجہ گل محمد نے طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دینی تعلیم صاحب "تحفہ غوثیہ" مولانا غوث بخش اور دوسرے علماء سے پائی۔ قاضی محمد عاقل رح کے مدرسہ کوٹ مٹھن میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ ایک روایت کے مطابق حافظ محمد جمال ملتانی رح کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔

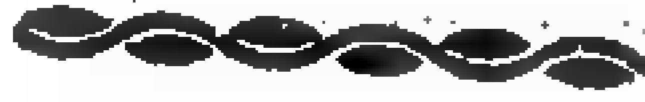
خواجہ گل محمد، قاضی محمد عاقل کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ احمد پور شرقیہ میں ایک خانقاہ اور دینی درس گاہ کے بانی تھے۔ تلقین و ارشاد کے ساتھ فنِ طب کے ذریعے بھی عوام کی خدمت کرتے تھے۔

۱۲۴۳ھ/ ۲۸-۱۸۲۷ء میں احمد پور شرقیہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

اُن کے دو صاحبزادے خواجہ محمود بخش اور خواجہ محمد بخش تھے۔ اوّل الذکر سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ گل محمد کے علمی آثار میں سید محمد المعروف میر خورد بن سید کمال الدین کی تالیف "سیر الاولیا"، کا تکملہ ہے جس میں دیگر سلاسل کے مشائخ عظام کے علاوہ سلسلۂ نظامیہ فخریہ کے بزرگان کرام، خصوصاً اپنے مرشد گرامی قاضی محمد عاقل کے خانوادے کے حالات اور اُن کے ملفوظات یکجا کئے ہیں۔

خواجہ گل محمد احمد پوری کے ایک خلیفہ میاں محمد شریف تھے جو قصبہ خان بیلہ (بہاول پور) میں مدفون ہیں۔



لال حسین اختر

مولانا لال حسین اختر ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں دھرم کوٹ رندھاوا کے رہنے والے تھے۔ تحریکِ خلافت کے زمانے میں اورینٹل کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔ تحریک عدمِ تعاون کا آغاز ہوا تو اورینٹل کالج کو خیرباد کہہ دیا اور اپنے وطن جا کر سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ لینے لگے۔ خلافت کمیٹی بٹالہ سے منسلک ہو کر سارے ضلع کا دورہ کیا اور پوری قوت سے خلافت کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ کی۔ آخر حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور چند سرسری پیشیوں کے بعد ایک سال قید کی سزا سُنا دی گئی۔ یہ قید انہوں نے گورداسپور جیل میں کاٹی۔ قید سے رہا ہوئے تو سوامی شردھانند کی بھڑکائی ہوئی منافرت کی آگ نے اُن کی توجہ جذب کر لی اور شُدھی کے مقابلے میں تبلیغ اسلام کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

آریہ سماجیوں کے خلاف کام کرتے ہوئے انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور سے متعارف ہوئے اور انجمن کی کوششوں سے متاثر ہو کر اس سے وابستہ ہو گئے۔ خود لکھتے ہیں:

"مجھے لاہوری مرزائیوں کے چند مبلّغ ملے۔ اُنہوں نے میرے سامنے اپنی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو نہایت ہی مبالغہ سے بیان کیا اور مرزا صاحب آنجہانی کی خدماتِ اسلامی کے بڑھ چڑھ کر افسانے سنائے اور کہا کہ ہماری جماعت کے وہی عقائد ہیں جو اہلِ سنت والجماعت کے ہیں۔ مرزا صاحب مُدعی نبوّت نہیں تھے۔ جن لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوّت منسوب کیا ہے۔ انہوں نے مرزا صاحب کے متعلق جھوٹ بولا

ہے اور بہتان طرازی وافترا پردازی سے کام لیا ہے ...... چونکہ مرزائی مذہب کے متعلق میرا مطالعہ صفر کے برابر تھا اس لئے میں تبلیغِ اسلام کے نام پر اُن کے دامِ تزویر میں پھنس گیا اور مرزا صاحب کی مجددیت و مہدویت کا پھندا اپنے گلے میں ڈال دیا۔[1]

انجمن احمدیہ سے منسلک ہو کر انجمن کے تبلیغی کالج میں داخل ہوئے۔ سنسکرت پڑھی اور ویدوں کا مطالعہ کیا۔ کالج سے فارغ ہوئے تو تبلیغی کام کرنے لگے۔ انجمن کے حلقے میں انہیں کافی اہمیت حاصل ہو گئی۔ اخبار "پیغامِ صلح" کے مدیر اور احمدیہ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری کے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ آٹھ سال انجمن احمدیہ سے وابستہ رہنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۳۲ء/ ۱۳۵۰ھ کو انجمن کی ملازمت سے استعفٰی دے دیا جو ۲۶ جنوری کو منظور ہو گیا۔ انجمن احمدیہ سے ترکِ تعلق کے بعد انہوں نے "ترکِ مرزائیت" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں قادیانیت پر سیر حاصل تنقید ہے۔

ترکِ قادیانیت کے بعد اہلِ سنّت وجماعت کے مسلک کے مطابق تبلیغ شروع کی۔ اس مقصد کے لئے ایک ماہنامہ "تائید الاسلام" (لاہور) جاری کیا جو اُن کی ادارت میں کچھ عرصہ چھپتا رہا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اُن کی تمام توجہ قادیانیت کی طرف رہی۔ مجلس تحفّظ ختمِ نبوت کے مبلّغ اور مناظر تھے۔ مولانا لال حسین اختر نے تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔

لال حسین اختر دینی خدمات انجام دیتے ہوئے ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ/ ۱۱ جولائی ۱۹۷۲ء میں فوت ہوئے۔

---

[1] ترکِ مرزائیت ص ۶-۷

قاری لطف اللہ

قاری لطف اللہ بن مفتی فقیر اللہ جنوری ۱۹۲۱ء/۱۳۳۸ھ میں رائے پور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک معروف دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد مفتی فقیر اللہ مدرسہ رشیدیہ رائے پور میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے۔ خاندان کے اکثر مرد ہی نہیں خواتین بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی درسی کتب اپنے والد ماجد اور مولانا عبد العزیز رائے پوری سے پڑھیں۔ متوسطات مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں مولانا خیر محمد جالندھری کی نگرانی میں پڑھیں۔ یہاں سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور گئے اور ایک سال مولانا عبد اللطیف، مولانا عبد الرحمان کاملپوری اور مولانا اسعد اللہ سے استفادہ کیا۔ یہاں سے دار العلوم دیوبند گئے۔ دیوبند میں مولانا دوست محمد قریشی اُن کے ہم سبق تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی دار العلوم کی اندرونی کشمکش کے باعث اپنے ساتھیوں سمیت دار العلوم دیوبند سے قطع تعلق کر کے ڈابھیل چلے گئے۔ قاری لطف اللہ صاحب بھی ڈابھیل گئے۔ مولانا عثمانی کے علاوہ مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد یوسف بنوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو ایک سال مدرسہ رائے پور میں ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ بعد میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر سے بطور مبلغ وابستہ ہو گئے۔ بستی غزاں جالندھر میں خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جالندھر سے ریاست کپور تھلہ کے تاریخی قصبہ سلطان پور لودھی منتقل ہو گئے اور انجمن تعلیم القرآن کے زیر اہتمام تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ انجمن تعلیم القرآن کا قائم کردہ مدرسہ ریاست کپور تھلہ میں مثالی درسگاہ تھی۔ انجمن کے کارکنوں میں محمد صدیق مستری مرحوم، چوہدری فتح محمد خان اور چوہدری فضل محمد وکیل کے نام بہت نمایاں تھے۔

سلطان پور لودھی سے مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی (م ۱۳۷۶ھ) کے ایماء پر لدھیانہ منتقل ہو گئے۔ مولانا لدھیانوی کے زیرِ اثر سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا اور مجلس احرارِ اسلام کے ساتھ تعاون کرنے لگے۔ لدھیانہ کے بعد فیروز پور چھاؤنی اور منڈی یزمان ضلع بہاول پور میں بھی فرائض خطابت انجام دیئے۔

پاکستان قائم ہوا تو چک ۱۹۵ صادق آباد میں قیام تھا۔ یہاں سے اپنے والد محترم کے ہمراہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی (بہاول نگر) منتقل ہو گئے۔ جب ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں مدرسہ رشیدیہ رائے پور کی تجدید ساہیوال میں ہوئی تو اس کی ترقّی میں قاری لطف اللہ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس زمانے میں خود عارف والا میں مقیم تھے۔ یہاں سے کمالیہ منتقل ہوئے اور مدرسہ نعمانیہ" کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ کی ترقی کے لیے کوشاں تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ ۳ر اکتوبر ۱۹۵۶ء/ ۲۷ر صفر ۱۳۷۶ھ کو بورے والا سے وہاڑی جاتے ہوئے لاری کے حادثے میں جل کر شہید ہو گئے۔ میت ساہیوال لائی گئی اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مولانا غلام دستگیر ناؔمی مرحوم نے قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے۔[1]

ہوئے ہیں فوت اس دنیائے فانی سے وہ لطف اللہ
کہ ردِّ رفض و بدعت میں تھی تقریر انتخاب ان کی
جو سوچا ناؔمی حامد نے، ہاتف سے ندا آئی
شہیدِ سوختہ تاریخ کہہ دیجے جناب اُن کی

۱۳۹۰ — ۱۴ = ۱۳۷۶ھ

قاری لطف اللہ مرحوم تنظیم اہلِ سنّت پاکستان کے راہنماؤں میں سے تھے۔ اُن کی رحلت سے تنظیم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ مرحوم نڈر، بے باک اور حق گو مقرّر تھے۔

---

[1] ہفت روزہ "دعوت" (لاہور) شمارہ بابت ۱۹ نومبر ۱۹۵۶ء

اُن کی تقاریر اکثر حکومتِ وقت کو ناگوار گذرتیں اور اُنہیں نظربند یا زبان بند کر دیا جاتا تھا۔ ایک مقدمہ کے سلسلے ہی میں وہاڑی جا رہے تھے کہ پیغامِ اجل آ گیا۔



سیّد لعل شاہ ہمدانی

حضرت سیّد لعل شاہ ہمدانی کے اجداد میں سے سیّد بلاول شاہ ہجرت کر کے موضع "دندہ" (ضلع اٹک) آئے تھے۔ اُن ہی کے نام پر یہ گاؤں "دندہ شاہ بلاول" مشہور ہوا۔ سیّد لعل شاہ یہیں پیدا ہوئے۔ مولانا احمد دین انگوی (خلیفہ حاجی دوست محمد قندہاری) سے دس سال کے عرصے میں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اُستادِ گرامی کی نگرانی میں تدریس شروع کی۔

حاجی دوست محمد قندہاری کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا اور اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ حاجی صاحب کی وفات کے بعد خواجہ محمد عثمان سے تجدید بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ۷ر شعبان ۱۳۱۴ھ/ ۲۳ر جنوری ۱۸۹۶ء کو دندہ شاہ بلاول میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

صاحبِ "فوائدِ عثمانی" نے اُن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "عالم فاضل، صالح، متقی، دائم الذکر والفکر، صاحبِ استغراق و صاحبِ حلم و خلق و صاحبِ سخاوت و صاحبِ توکل"[۱]

---

[۱] فوائدِ عثمانی ص ۱۵۴

حکیم سیّد مبارک علی ہمدانی

حکیم سیّد مبارک علی بن سیّد عبدالحق کوٹ مراد خان (قصور) کے ہمدانی سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ/۲۳ مارچ ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سیّد عبدالحق محدث اور سیّد امانت علی سے حاصل کی۔ حاجی عبدالرحمان (خلیفہ مجاز میاں شیر محمد شرقپوریؒ)، مولانا روشن دین (سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی) اور مولانا محمد دین نوشاہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کی اسناد حاصل کیں۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او۔ٹی کی پیشہ ورانہ تربیت حاصل کی۔

فنِ طب سے لگاؤ تھا اور طبیہ کالج لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔ کافی عرصہ گورنمنٹ ہائی سکول اور اسلامیہ ہائی سکول قصور میں السنۂ شرقیہ کے استاد رہے۔ بعد میں ملازمت سے مستعفی ہو کر مطب کھولا۔ قصور کے با اثر افراد میں سے تھے۔ تیس سال میونسپل کمیٹی قصور کے رکن رہے۔ ہر جمعہ وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اصلاح معاشرہ اور تبلیغِ حق میں مصروف رہتے تھے۔ فتنۂ قادیانیت کی تردید میں جری اور سراپا عمل تھے۔

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/۱۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو فوت ہوئے۔ اُن کے صاحبزادے سیّد محمد طیب شاہ ہمدانی قصوری خاندانی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔[1]

حکیم صاحب سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف ص ۳۹۱-۳۹۵

۱۔ سیّد البشر

۲۔ ذکرِ خیر (سوانح حیات سیّد عبدالحق محدث قصوری)

۳۔ مرزائے قادیانی

۴۔ تفسیر نوادر (غیر مطبوعہ)

۵۔ حاشیہ نام حق (")

۶۔ ترجمہ اُردو منیتہ اللبیب (")

۷۔ خطبات (۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۳ء) (")

۸۔ رسالہ وراثت (منظوم) (")



محب النبی

مولانا محب النبی بن مولانا احمد الدین بن امیر حمزہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں ضلع اٹک کے گاؤں بھوئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم والد ماجد مولانا احمد الدین سے حاصل کی جو علاقے کے معروف عالم تھے۔ صرف و نحو کی بعض کتابیں مولانا نواب علی ہزاروی سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیئے دہلی گئے۔ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں زیر تعلیم رہے۔ آخر میں مدرسہ معینیہ اجمیر میں مولانا مشتاق احمد کانپوری سے استفادہ کے لیئے حاضر ہوئے۔ اُن سے تصریح، شرح چغمنی اور صدرا کے اسباق پڑھے۔

اُنہوں نے پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن سے شیخ اکبر ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) کی فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔

مولانا محب النبی فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ پنجاب کی جن معروف درس گاہوں میں مدرس رہے۔ اُن میں دار العلوم غوثیہ گولڑہ شریف، جامعہ نظامیہ وزیر آباد، جامعہ محمدی جھنگ اور جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی شامل ہیں۔

۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ/۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء کو فوت ہوئے، موضع بھوئی میں دفنائے گئے۔[1]



---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۰۵ و تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۴۱۶-۴۱۸

محبوب عالم

مولانا محبوب عالم بن مولوی اللہ دین موضع فیروز والا ضلع گوجرانوالہ کے ایک غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۸۶۳ء/۸۰-۱۲۷۹ھ میں اپنے ننھیال موضع بھروکی نزد وزیرآباد (ضلع گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔

محبوب عالم کے چچا مولوی احمد الدین بُرج اٹاری نزد لاہور میں مدرّس تھے۔ اُنہوں نے اپنے چچا کی نگرانی میں برج اٹاری سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ مڈل کا امتحان قصور میں پاس کیا۔ جہاں اُن کے دوسرے چچا ماسٹر محمد الدین مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اسی زمانے میں مولوی محبوب عالم کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ بعد میں اُنہوں نے پرائیویٹ طور پر پنجاب یونیورسٹی سے "منشی" اور "منشی عالم" کے امتحانات پاس کئے۔ "منشی" کے امتحان میں پورے صوبے میں اوّل آئے اور انعام و اکرام سے نوازے گئے۔

ماسٹر محمد الدین ایک ماہوار رسالہ "کلیدِ امتحان مڈل وانٹرنس" نکالتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی دوسری مصروفیات کے پیشِ نظر اسے مولوی محبوب عالم اور اُن کے بھائی منشی عبدالعزیز کے حوالے کر دیا۔ مولوی صاحب نے رسالہ کا انتظام و انصرام سنبھالا اور لاہور میں مطبع خادم التعلیم قائم کیا۔ لاہور میں دو سال رہ کر گوجرانوالہ آ گئے۔ یہاں بھی کاروبار نہ چل سکا تو اپنے گاؤں "فیروز والا" میں منتقل ہو گئے۔

مولوی محبوب عالم نے "کلید امتحان مڈل وانٹرنس" کی ادارت اور انتظام سے اخبار نویسی کی دُنیا میں قدم رکھا اور اس کے بعد مختلف رسائل اور اخبارات جاری کئے۔ ۱۸۸۸ء/ ۰۶-۱۳۰۵ھ میں فیروز والا سے اخبار "ہمت" جاری کیا۔ جس کی پیشانی "ہمتِ مرداں مددِ خدا"

ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہفت روزہ "سکول ماسٹر" شروع کیا۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ عوام کو ایک سستے اخبار کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے "ہمت" کو "پیسہ اخبار" میں تبدیل کر دیا اور ایک مہینے کے اندر اندر کاروبار فیروز والا سے گوجرانوالہ منتقل کر لیا۔ "پیسہ اخبار" اپنی ارزاں قیمت اور دلچسپ مضامین کی بدولت بہت جلد ایک اہم اور مقبول اخبار بن گیا۔

مولوی محبوب عالم نے گوجرانوالہ سے ہی زراعت کی ترقی اور زمینداروں کی راہنمائی کے لئے ایک رسالہ "زمیندار و باغبان و عطار" جاری کیا جو پنجاب میں اپنی قسم کا اوّلین رسالہ تھا۔

۱۸۸۹ء/۰۷-۱۳۰۶ھ میں مولوی محبوب عالم نے "پیسہ اخبار" کو لاہور منتقل کیا۔ گوجرانوالہ کے زمانۂ اشاعت میں "پیسہ اخبار" کانگرس کا ہمنوا تھا۔ لاہور میں بھی کچھ عرصہ کانگرس کی حمایت کرتا رہا۔ بعد میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں رہا۔ ۲۰ مئی ۱۸۹۹ء/۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ ہفت روزہ "پیسہ اخبار" بند ہوا۔ دوبارہ ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں جاری ہوا۔

مولوی صاحب نے اُردو اخبار کے ساتھ انگریزی اخبار ہفت روزہ "" ۱۸۹۵ء/۱۳۱۳ھ میں جاری کیا جو دو سال بہار دکھا کر مرجھا گیا۔

مولوی صاحب نے مئی تا دسمبر ۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ میں یورپ کا سفر کیا اور یورپی ممالک کی زندگی کا مشاہدہ کیا۔ مولوی صاحب ایک کامیاب صحافی تھے۔ اُنہوں نے متذکرۃ الصدر رسائل اور اخباروں کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل بھی جاری کئے۔

۱۔ انتخاب لاجواب (اجرا: ۱۸۹۵ء)

۲۔ بچوں کا اخبار (اجرا: ۱۹۰۲ء)

۳۔ شریف بی بیاں (اجرا: ۱۹۱۰ء)

مولوی صاحب کئی زبانیں جانتے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی کے علاوہ فرانسیسی، ترکی اور روسی سے واقف تھے۔ مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا۔ ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ جس میں بیس ۲۰ ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ موصوف ۲۷ رمئی ۱۹۳۲ء/ ۲۱ رمحرم ۱۳۵۱ھ کو فوت ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:[1]

سحر گاہاں بہ گورستان رفتم!
دراں گورے پُر از انوار دیدم
زہاتف سالِ تاریخش شنیدم
معلّیٰ تربتِ محبوبِ عالم

۱۳۵۱ھ

مولوی محبوب عالم کامیاب مترجم اور اہلِ قلم تھے۔ اُن کی قلمی یادگاروں میں "سفرنامہ یورپ" معروف ہے۔ اُنہوں نے ابتدائے عمر میں شعر و شاعری بھی کی تھی اور مسافرؔ تخلّص کرتے تھے۔ بعد میں صحافت کی مصروفیات میں یہ ذوق دب کر رہ گیا۔



---

[1] سرودِ رفتہ ص ۲۲۰

محبوب عالم گجراتی

مولانا محبوب عالم موضع سیدا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے باشندے تھے۔ اُنہوں نے علومِ دینیہ کی تحصیل کے لئے وسطِ ہند کا سفر کیا اور فارغ التحصیل ہوکر مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرس ہو گئے۔

خواجہ توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) سے بیعت ہوئے اور تین ماہ بعد ملازمت سے مستعفی ہوکر انبالہ آ گئے۔ اُن کے انبالہ آجانے سے "مدرسہ توکلیہ" جاری ہوا۔ گیارہ برس انبالہ میں مقیم رہے اور خواجہ توکل شاہ (م ۱۳۱۵ھ) سے خلافت حاصل کی۔[1] انبالہ سے اپنے آبائی وطن آ گئے اور اپنے علم و عمل سے گجرات کے نواح میں دین کی اشاعت کی۔ ۱۲ رمضان ۱۳۳۵ھ / ۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء کو وفات پائی۔ سیدا تحصیل پھالیہ میں دفنائے گئے۔ مولوی سلام اللہ شائق نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا[2]

چوں جناب مولوی محبوب عالم زندہ دل!
شد روانہ جانبِ فردوس روحش شاد باد
عالم و فاضل، فقیہہ بے بدل، مدنی منش
عابد و زاہد، شریف و پارسا، نیکو نہاد!
بر مزارش ابرِ رحمت روز و شب باشد نزول
می کنم ہر دم دُعا از حضرتِ ربّ العباد

---

[1] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۴۵۹

[2] تذکرہ اولیائے گجرات ص ۸۶ ۔ محمد حسین قریشی (مسعود) کتاب بیات

۸۲۹
حل

از ہزارہ مولوی صاحب چراغ دین نوشت
جانب شائق کہ گوید سال آں عالی نژاد
از سر اندیشہ از افسوس گفتہ سالِ اُو
مولوی محبوب عالم در بہشت عدن باد

۱۳۴۳ھ + ۲ = ۱۳۴۵ھ

مولانا محبوب عالم مرحوم سے خواجہ توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) کی سوانح حیات "ذکرِ خیر" یادگار ہے۔



محبوؔب علی شاہ اٹکی!

مولانا سید محبوب علی شاہ موضع سگھر ضلع اٹک کے باشندے تھے۔ اُنہوں نے مولانا محمد باقر سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد سلطان المدارس لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ وہاں مولانا محمد رضا سے بطورِ خاص اثر قبول کیا اور ہمیشہ اُن کا ذکر عزت و احترام سے کرتے رہے۔

مولانا سید محبوب علی شاہ نے عمرِ عزیز کا بیشتر حصّہ درس و تدریس میں گزارا۔ اٹک (کیمبلپور) پدھراڑ اور خوشاب کے مدارس میں تشنگانِ علوم کی پیاس بجھائی۔ خوشاب میں اُن کی یاد میں "مدرسہ جعفریہ" قائم ہوا۔ مولانا موصوف علم نحو و معانی میں لاثانی تھے۔ حلقہ طلبہ میں "سیبویہ وقت" مشہور تھے۔

مولانا موصوف وسیع النظر، خوش ذوق اور خوش تقریر تھے۔ عربی نظم و نثر پر کامل قدرت رکھتے تھے۔ درس نظامی کے علاوہ جامعہ ازہر کے نصاب سے بخوبی آگاہ تھے۔ عام طور پر طلبہ کو جامعہ ازہر کا نصاب ہی پڑھاتے تھے۔ کتابوں کے بے حد شائق تھے۔ تفسیر و حدیث اور نحو پر بہت اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

مولانا موصوف اپنے علم و فضل کے ساتھ ساتھ شہسواری اور نشانہ بازی میں یکتا تھے۔ اُنہوں نے اپنے معاصر اہل سنّت علماء سے کئی مناظرے کیے۔ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں خوشاب میں فوت ہوئے اور اپنے گھر کے صحن میں دفنائے گئے۔[1]

مولانا مرحوم کی تالیفات میں "ہارونِ محمدی" اور "بخاری کا صحیح فیصلہ" چھپ کر تقسیم ہو چکی ہیں۔



---

[1] مطلع انوار ص ۳۸۸

محمد انوری

مولانا محمد بن فتح الدین رائے کوٹ ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد مولوی فتح الدین، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خادم تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیری سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ اُن کے علم و نظر سے اس قدر متاثر تھے کہ "انوری" اپنے نام کا جزو بنا لیا۔

فارغ التحصیل ہو کر سکول میں مدرس ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۲ھ میں مولانا عبدالقادر رائے پوری سے سلسلۂ بیعت میں منسلک ہوئے۔ اُن کے ارشاد پر ملازمت سے الگ ہوئے[1] قیامِ پاکستان کے بعد فیصل آباد ہجرت کر آئے اور محلہ سنت پورہ میں سکونت اختیار کی۔ اسی محلہ میں بریلوی مسلک کے بزرگ مولانا سردار احمد رہائش رکھتے تھے۔ دونوں حضرات میں اختلافِ مسلک کے باوجود کبھی الجھاؤ پیدا نہیں ہوا۔ اُن کا عمل مولانا انور شاہ کاشمیری کی وصیت پر تھا۔ اُن ہی کے الفاظ میں "حضرت شاہ صاحب دیوبند سے رخصت کرتے وقت وصایا کرتے تھے کہ کسی سے اُلجھیو مت۔ مسائل متفق علیہا بیان کرنا اور اصولی باتیں عمدہ پیرائے میں بیان کرنا۔ ان شاء اللہ خلق اللہ مانوس ہو گی۔ پھر جب لوگوں کو مانوس کر لو گے پھر جو کہو مانیں گے۔"[2]

مولانا محمد انوری متقی، نیک نفس، سادہ دل اور شریف الطبع بزرگ تھے۔ اظہارِ حق میں بیباک تھے۔ اسلام کے متقابل فتنوں کی سرکوبی اور بیخ کنی میں سرگرم تھے۔ قادیانیت کی تردید کا جذبہ مولانا انور شاہ کاشمیری سے ملا تھا۔ شہرۂ آفاق مقدمہ بہاول پور میں مولانا کاشمیری کے

---

[1] ماہنامہ "بیّنات" (کراچی) اکتوبر ۱۹۶۳ء ص ۱۱

[2] ایضاً ص ۱۳

دستِ راست اور وکیل کی حیثیت سے کام کیا تھا اور پوری تفصیل کے ساتھ اس مقدمہ کی روداد مرتب کی تھی جو تقسیمِ ہند کے حادثے میں ضائع ہو گئی۔[1]

مولانا عبدالقادر رائے پوری سے خلافت حاصل کی تھی۔

۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء / ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ کو فیصل آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ انوارِ انوری

۲۔ مکتوباتِ بزرگان

۳۔ الاحادیث المتبرکہ (اربعین شاہ ولی اللہ کی تشریح مع چہل احادیث)

بیسوں دینی و اصلاحی مضامین ان پر مستزاد ہیں۔



---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ص ۱۹۶ (حاشیہ)

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

مولانا محمد ابراہیم میر بن غلام قادر سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ اپریل ۱۸۷۴ء/ ۱۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا ابو عبداللہ عبیداللہ غلام حسن اور بعض دوسرے علماء سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ مولانا غلام حسن نے حسب ذیل سند عنایت فرمائی تھی۔

باسمہ سبحانہ حامداً و مصلیاً و مسلما

اما بعد علامہ فہیم مولوی حافظ محمد ابراہیم بارک اللہ فی عمرہ آمین۔ از اعزہ اصحاب و اخص احباب و ارشد ارباب ارادت کاتب الحروف است و در علوم عقلیہ و نقلیہ مہارت کماینبغی بہم رسانیدہ و در اکثرے ازاں بل ہمہ آں نسبت تلمذ بایں ہیچ میرز درست داشتہ۔ و در زمان قصیر استفادہ فنونِ کثیر نمودہ مع ذالک کمال ذہین است و بمطالعہ و فہم سلیم مناسبت متین پیدا کردہ طبع نکتہ رس دارد۔ و دلِ بے ہوس و بایں ہمہ باریاضات و مجاہدات و خلوص نیت و حسن طویت موصوف است و از سعادت و رشد و اہلیت و شرم و حیا نصیبہ وافی و بہرہ کافی نصیب اوست ہذا ما اعلم واللہ حسیبہ، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم الامین و علی آلہ الطیبین الطاہرین۔ آمین

حررہ افقر العباد الی اللہ
ابو عبداللہ عبیداللہ عفا اللہ عنہا جنی
و استعملہ فیما یحب و یرضی آمین

اس کے علاوہ مولانا موصوف کو سیّد نذیر حسین محدث دہلویؒ نے بھی سند حدیث دی تھی۔

مولانا ابراہیم میر صاحب فارغ البال اور معاشی مسائل سے آزاد عالم دین تھے انہیں وراثت میں کافی زمین اور دوسری جائیداد ملی تھی۔ اس جائیداد کی آمدنی سے خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے۔ انہوں نے نادر و نایاب کتابوں کا اچھا ذخیرہ بہم پہنچایا تھا۔

مولانا میر پنجاب کے اہل حدیث علماء کے سرخیل تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے رفقاء میں سے تھے اور اُن ہی کی طرح مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (قائم شدہ دسمبر ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ) کے بانیوں میں سے تھے۔ سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند سے وابستہ رہے۔ مگر متحدہ قومیت کے مسئلے پر جمعیت علمائے ہند سے الگ ہو گئے۔ جب مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) نے جمعیت علمائے اسلام کی داغ بیل ڈالی۔ تو مولانا میر نے پیرانہ سالی کے باوجود اس کے لئے کام کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی رکھتے تھے اور ۱۹۱۸ء کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ سے اُن کا تعلق خاطر پختہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ پاکستان وجود میں آیا۔

مولانا موصوف نے تعلیمی اور دینی انجمنوں کے پلیٹ فارم سے بھی بھرپور کام کیا ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تنظیم و ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ سیالکوٹ میں انجمن تائید الاسلام کی بنیاد رکھی۔ جس کے تحت ایک ادارہ "مدرسۃ العلوم" قائم کیا۔ ۳ر دسمبر ۱۹۱۱ء/۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو سیالکوٹ کے چند اہلِ درد نے "انجمن اسلامیہ سیالکوٹ" کے نام سے ایک رفاہی سماجی انجمن بنائی۔ مولانا موصوف اس کے اوّلین اجلاس میں شامل ہوئے اور انجمن کے شعبہ تبلیغِ اسلام کے نگران رہے۔

مولانا محمد ابراہیم میر نے ساٹھ سال کی عمر میں یکم ر جولائی ۱۹۵۶ء/۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ کو وفات پائی اور سیالکوٹ میں سپردِ خاک کئے گئے۔ اُن سے کئی علمی و دینی کتابیں

یادگار ہیں۔ اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

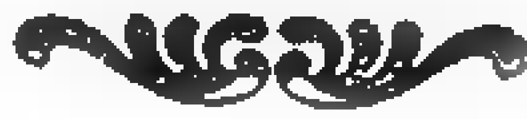
۱۔ تاریخ اہل حدیث

۲۔ شہادت القرآن

۳۔ سیرت المصطفٰے (جلد اوّل و دوم)

۴۔ تفسیر الدر النظیم

اُن کی ادارت میں ماہنامہ "الہادی" (سیالکوٹ) ایک عرصہ تک طبع ہوتا رہا۔



محمد ابراہیم جگرانوی

مولانا محمد ابراہیم بن پیر محمد کا آبائی گاؤں سلیم پور سدھواں ضلع لدھیانہ تھا۔ وہ موضع بلندا تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسیات موضع بلندا میں پڑھیں مولانا محمد ساکن کوٹ بادل (ضلع جالندھر) سے درس نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۸ ربیع الاخری ۱۳۲۸ھ کو سند فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر چند ماہ دارالعلوم دیوبند میں فرائض تدریس انجام دیئے۔ وہاں سے بھاگل پور منتقل ہوئے اور دو سال وہاں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ بھاگل پور سے دھرم کوٹ ضلع فیروز پور گئے اور چودہ سالہ قیام کے بعد جگراؤں ضلع لدھیانہ چلے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے میاں چنوں ضلع ملتان آ گئے اور آخر دم تک یہیں مقیم رہے۔ میاں چنوں میں انہوں نے اپنے معمول کے مطابق دینی مدرسہ قائم کیا۔ اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۹ ستمبر ۱۹۷۰ء / ۷ رجب ۱۳۹۰ھ کو اختلاج قلب سے وفات پائی اور اپنے قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میاں چنوں کے احاطہ میں دفنائے گئے۔

مولانا محمد ابراہیم صوفی منش عالم تھے۔ انہوں نے زمانہ طالب علمی میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کے ہاتھ پر بیعت سلوک کی۔ ان کی رحلت پر مولانا حافظ محمد صالح جالندھری (خلیفہ حضرت گنگوہی) سے تجدید بیعت کی۔ دنیا سے ان کے اٹھ جانے پر مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے استفادہ شروع کیا۔ آخر میں مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (م ۱۳۸۲ھ) سے بیعت ہوئے اور ان کے مجازین میں شمار ہوتے تھے۔ اجازت بیعت کا واقعہ مولانا محمد ابراہیم کے خلف الرشید مولانا رشید احمد نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

"ایک شخص نے حضرت رائے پوری کو بیعت کے لئے عرض کیا۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جگرانوی سے بیعت ہو جاؤ۔ اس پر آپ نے عرض کیا کہ مجھے تو بیعت لینے کی اجازت نہیں۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم اجازت دیتے ہیں"[1]

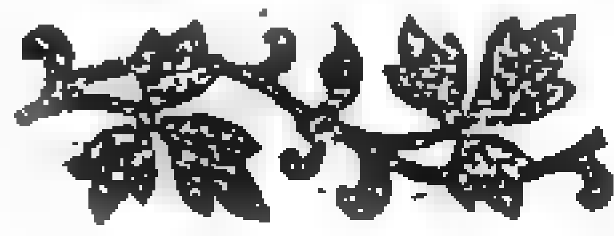
مولانا محمد ابراہیم مرحوم نے کم و بیش ساٹھ سال تدریس کی اور سینکڑوں طالبانِ علم نے اُن سے استفادہ کیا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد عبداللہ دھرم کوٹی خلیفہ مولانا عبدالقادر رائے پوری رح

۲۔ مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری

۳۔ مولانا عبدالحکیم لدھیانوی

۴۔ مولانا عبدالعزیز (زرعی فارم۔ ساہیوال)



---

[1] ہفت روزہ "خدام الدین" (لاہور) بابت ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء ص ۱۴

حافظ محمد ابوالحسن سیالکوٹی

حافظ محمد ابوالحسن (معروف بہ حافظ محمد ثانی) بن شہسوار موضع پنجگرائیں (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ کھوکھر برادری کے چشم و چراغ تھے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم مروّجہ کی تحصیل سیالکوٹ، لاہور اور امرتسر میں کی۔ میاں سید نذیر حسین دہلوی رح (م ۱۳۲۰ھ) سے اجازت حدیث حاصل کی۔

حافظ محمد ثانی فارغ التحصیل ہو کر آبائی گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ وعظ و نصیحت کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری کیا۔ بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے۔ ۸ محرم ۱۳۲۵ھ / ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء کو آبائی گاؤں میں وفات پائی [۱]

حافظ صاحب مرحوم کی حسب ذیل تصنیفات ملتی ہیں۔ تمام کتابیں اُردو میں ہیں۔

۱۔ فیض الباری ترجمہ و شرح صحیح البخاری

۲۔ تلخیص الصحاح

۳۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح

۴۔ اکمال ترجمہ اسماء الرجال مشکوٰۃ المصابیح

۵۔ فیض الستار ترجمہ کتاب الآثار امام محمد

۶۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین

۷۔ خلاصۃ البراہین

۸۔ ترجمہ تیسیر الوصول (حصہ پنجم و ششم)

---

[۱] ہفت روزہ اہل حدیث" (امرتسر) بابت ۹ اپریل ۱۹۲۰ء

۹۔ الکلام المبین فی اظہار تلبیسات المقلدین عن رد فتح المبین

۱۰۔ الظفر المبین (حصہ دوم)

۱۱۔ تردید الجاہلین والمشرکین

۱۲۔ مناقب مرتضوی رض (در شان حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ)

۱۳۔ خطبات التوحید

۱۴۔ فقہ محمدیہ

۱۵۔ انتفاع المرہون فی جواب کشف المرہون

۱۶۔ تجلی آسمانی برسر دجال قادیانی



محمد احمد سونی پتی!

سیّد محمد احمد بن سیّد علی جان بن سیّد محمد بن سیّد عمار علی ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۳۱۸ھ میں سونی پت میں پیدا ہوئے۔ اس خانوادے کے جدّ امجد سیّد نصر اللہ، عہدِ التمش (۶۰۷ھ-۶۳۴ھ) میں نیشاپور سے ترکِ سکونت کر کے برِّصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ سیّد نصر اللہ کو سرکار دربار میں قبولیّت حاصل تھی۔ سلطان التمش کی صاحبزادی سلطانہ رضیہ کی آتالیقی کا شرف انہیں حاصل تھا۔ اس خانوادے کے کئی افراد نے علم و ادب کی دنیا میں نام حاصل کیا۔ مولانا سیّد عمّار علی (م ۱۳۰۴ھ) بلند پایہ شیعہ عالم تھے۔ اسی طرح سیّد محمد (محمد احمد سونی پتی کے دادا) اصول فقہ و کلام میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ سیّد علی جان اگرچہ عالم تھے مگر دنیوی معاملات میں مصروف رہے اور سماجی کاموں میں لگے رہے۔

سیّد محمد احمد سونی پتی پانچ سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے۔ اُن کی والدہ نے جائیداد کے انتظام کے ساتھ ساتھ فرزند کی تعلیم و تربیّت کا پورا پورا خیال رکھا۔ مولانا سیّد محمد احمد نے علوم متداولہ کی تحصیل کی اور مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے سندِ فراغ حاصل کی۔

مولانا موصوف نے یو۔پی اور پنجاب میں تبلیغی دَورے کئے۔ آریہ سماجی مبلغوں کی دریدہ دہنی نے آگرہ اور گرد و نواح میں آگ لگا رکھی تھی۔ ان علاقوں میں اسلام کی حقانیت پر بیسیوں تقاریر کیں اور سادہ لوح دیہاتیوں کو آریہ سماجی پنڈتوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے بچایا۔

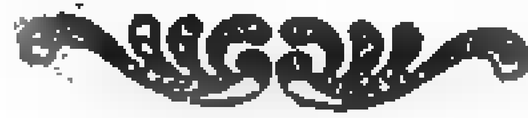
مولانا محمد احمد فعال عالم و مبلّغ تھے۔ عراق و ایران کا سفر بھی کیا تھا۔ اُنہوں نے وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ انہوں نے مدرسۃ الواعظین کے شعبۂ تصنیف و تالیف اور رسالہ "الواعظ" سے بھرپور تعاون کیا۔

تقسیم ہند کے بعد لاہور آ گئے بعد میں ملتان منتقل ہو گئے اور وہیں ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۸ء/ ۱۰ر ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ کو رحلت فرمائی[1] مرحوم کی قلمی یادگاروں میں حسب ذیل اہم ہیں۔

۱۔ ختم نبوت

۲۔ شہادتِ عظمیٰ

۳۔ تفسیر قرآن مجید



---

[1] ملخص از مطلع انوار ص ۴۲۳۔ ۴۲۴

سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری

مولانا سیّد محمد احمد قادری بن سیّد دیدار علی شاہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں ریاست الور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد سیّد دیدار علی شاہ معروف خطیب اور عالم دین تھے۔ مولانا ابوالحسنات نے الور کے مقامی مکتب میں حافظ عبدالحکیم اور حافظ عبدالغفور سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مرزا احمد بیگ سے اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ قرأت و تجوید کی مشق قاری قادر بخش الوری سے کی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ بعد میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم طب نواب حامی الدین احمد خان مراد آبادی سے حاصل کیا۔[۱]

مولانا ابوالحسنات نے حصول علم کے لئے طویل سفر کئے۔ بمبئی، بجے پور، دہلی، آگرہ، اجمیر، لاہور، ملتان، پشاور، بریلی، رام پور اور بدایون کے علمی مراکز کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں گئے۔

علومِ دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو مسلمانانِ الور کی دینی راہنمائی کا منصب حاصل کیا۔ الور کی مسجد تریولیہ ہندوؤں نے شہید کردی تھی۔ اس واقعہ سے مسلمانانِ الور میں غم و غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا ابوالحسنات نے مسجد کی تعمیرِ نو کا عزم کیا۔ مسلمانانِ الور کی خواہش کو زبان دی۔ گرفتار ہوئے مگر اُن کی مساعی سے ریاستی خرچ پر مسجد از سرِ نو تعمیر کر دی گئی۔

۱۹۲۰ء/۳۹-۱۳۳۸ھ میں الور سے آگرہ آ گئے اور مطب شروع کیا۔ اُن کے والد ماجد

---

[۱] تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور ص ۳۱۷

لاہور آ گئے تھے اور مسجد وزیر خان میں خطبہ دیتے تھے۔ ۱۹۲۶ء/۵/۴ ر ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہوئے تو مولانا ابوالحسنات اس منصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے مسجد وزیر خان کی خطابت کے ساتھ ساتھ چنگڑ محلّہ کی ایک ویران مسجد کو آباد کیا۔ اپنے والد اور برادرِ اصغر مولانا ابوالبرکاتؒ کے تعاون سے "دارالعلوم حزب الاحناف" کی بنیاد رکھی۔

مولانا ابوالحسنات تحریکِ پاکستان میں سرگرم رہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جمعیت علمائے اسلام میں شامل رہے۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں "جمعیت علمائے اسلام" کا صدر چُنا گیا۔

بریلوی نقطۂ نظر کے علماء نے ۲۶، ۲۷، ۲۸، مارچ ۱۹۴۸ء/۱۵، ۱۶، ۱۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ کو ملتان میں ایک کانفرنس بلائی اور "جمعیت علمائے پاکستان" کے نام سے ایک نئی تنظیم قائم کی۔ مولانا ابوالحسنات کو اس نئی تنظیم کا صدر چُنا گیا اور وہ آخر دم تک اس عہدے پر فائز رہے۔

مولانا ابوالحسنات نے قیام پاکستان کے بعد تحریک جہادِ کشمیر میں حصّہ لیا۔ چندہ جمع کیا۔ مجاہدین بھیجے اور خود بھی میدانِ جہاد میں اُتر گئے۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء کی تحریک ختمِ نبوّت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ "مجلسِ عمل" کے وہی صدر تھے۔ گرفتار ہوئے اور کراچی، سکھر اور حیدر آباد کے قید خانوں میں ایک سال محبوس رہے۔ جیل میں بیمار ہوئے اور رہائی کے ایک سال بعد داعئ اجل کا پیغام آ گیا۔ ۲، شعبان ۱۳۸۰ھ/ ۲۰، جنوری ۱۹۶۱ء کو ساڑھے بارہ بجے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حضرت علی ہجویری کے احاطۂ مزار میں دفنائے گئے۔

مولانا ابوالحسنات نے اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن سے مجازِ بیعت تھے۔ اُن کے علاوہ سیّد علی حسین شاہ کچھوچھویؒ سے بھی اجازتِ بیعت حاصل تھی۔

مولانا ابوالحسنات کی مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہوئی ہیں:

۱۔ تفسیر الحسنات ۲۔ اوراقِ غم

۳۔ صبحِ نور ۴۔ الناصح

۵۔ طیب الوردہ شرح قصیدۃ البُردہ (اُردو) ۶۔ مسدس حافظ

۷۔ مخمّسِ حافظ ۸۔ دیوانِ حافظ

۹۔ ترجمہ کشف المحجوب ۱۰۔ شمیمِ رسالت

۱۱۔ اظہار الاسلام ۱۲۔ فرشتۂ رحمت

مولانا ابوالحسنات اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور حافظ تخلص کرتے تھے۔ اُن کا مجموعہ کلام طبع ہو چکا ہے۔

مولانا ابوالحسنات کی اولاد میں چار لڑکے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ مولانا سید امین الحسنات خلیل احمد قادری (خطیب مسجد وزیر خان لاہور) دینی حلقوں میں معروف ہیں۔



محمد ادریس کاندہلوی

مولانا محمد ادریس بن حافظ محمد اسماعیل بن محمد اسحاق کاندہلہ ضلع مظفر نگر (یو۔پی) کے ایک بلند پایہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مفتی الٰہی بخش کاندہلوی (م ۱۲۴۵ھ) مؤلف "تکملہ مثنوی معنوی" اس خاندان کے جد امجد تھے۔ اُن کے والد حافظ محمد اسماعیل صاحب جیّد عالم دین اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے مُرید تھے۔

مولانا محمد ادریس ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ / ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد ماجد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ موصوف والد ماجد کی طرف سے صدیقی اور والدہ کی طرف سے فاروقی النسب تھے۔

مولانا محمد ادریس نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا اشرف علی تھانوی کے زیرِ نگرانی خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ میں حاصل کی۔ یہاں انہیں مولانا عبداللہ گنگوہی مؤلف "تیسیر المنطق" سے استفادہ کا موقع ملا۔ بعد میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور تشریف لے گئے۔ مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا ثابت علی اور حافظ عبداللطیف جیسے اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۹ برس کی عمر میں سندِ فراغ حاصل کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں شرکت کی۔

۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں مدرسہ امینیہ دہلی سے منسلک ہوئے۔ ایک سال کی تدریس کے بعد مہتمم دارالعلوم دیوبند کی پیش کش پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۴۶ھ تک (تقریباً ۸ سال) بحیثیت مدرسِ عربی کام کیا۔ یہاں سے علیحدگی کے بعد حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔

حیدر آباد میں نو سال مقیم رہے اور ہمہ تن تصنیف و تالیف میں منہمک رہے۔ دوبارہ ۱۳۵۵ھ میں بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ جب انہیں

دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت ملی۔ اُس وقت حیدر آباد میں اڑھائی سو روپے سے زیادہ مشاہرہ پاتے تھے اور دیوبند میں صرف ستر روپے ماہانہ کی پیشکش تھی۔ احباب اور اہلِ خانہ نے دیوبند جانے کی شدید مخالفت کی مگر انہوں نے مادرِ علمی کی دعوت پر لبیک کہا۔

۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو کر پاکستان آ گئے اور جامعہ عباسیہ بہاول پور (حال جامعہ اسلامیہ بہاول پور) میں بطور شیخ الجامعہ تعینات ہوئے۔ دو سال بہاول پور میں قیام رہا ہوگا کہ مولانا مفتی محمد حسن نے جامعہ اشرفیہ لاہور کی داغ بیل ڈالی۔ مفتی صاحب قابل اساتذہ کی تلاش میں تھے۔ مفتی صاحب سے تعلقِ خاطر کے سبب جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں لاہور تشریف لائے تو مفتی محمد حسن صاحب کی نگاہِ انتخاب نے انہیں جامعہ اشرفیہ کے لیے چُن لیا۔ چنانچہ ۶ راگست ۱۹۵۱ء کو لاہور آ گئے۔

روایت ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مولانا سے فرمایا "میں آپ کو پراٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں" مولانا نے بلا تامل جواب دیا "حضرت! خدمت دین کی خاطر مجھے منظور ہے" مولانا محمد ادریس کو اس امر کا خیال تھا کہ جامعہ عباسیہ سے وابستگی کی صورت میں شاید خدمتِ دین کا حق ادا نہ ہو سکے اس لیے اُن تمام مادی منافع سے قطع نظر کر کے لاہور آ گئے جو سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے۔ جامعہ اشرفیہ سے آخری دم تک وابستہ رہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جس تنخواہ پر ۱۹۵۱ء میں جامعہ تشریف لائے تھے آخر تک وہی لیتے رہے۔ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ نے اُن کی تنخواہ میں اضافہ کی پیشکش کی مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُن کی زندگی گذر رہی ہے اور تنخواہ میں اضافے کی ضرورت نہیں۔

تریپن برس کی تدریسی اور علمی زندگی کے بعد ۸ رجب ۱۳۹۴ھ/۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو لاہور میں وفات پائی۔ دوسرے روز اُن کے صاحبزادے مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی

نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شادمان کالونی کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کی رحلت حلقۂ علماء میں شدت سے محسوس کی گئی۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے پُردرد مرثیے کہے۔ مولانا محمد احمد تھانوی نے "استاذ العلماء علامہ محمد ادریس کاندھلوی" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

۱۹۷۴ء

مولانا محمد ادریس کاندھلوی بلند پایہ مصنّف تھے۔ اُنہوں نے تفسیر، حدیث اور علمِ کلام کے موضوع پر بیش قیمت کتابیں تحریر کی ہیں۔ اس کے علاوہ عیسائیت اور قادیانیت کی تردید میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔

مولانا مرحوم نے ۱۲ سال کی عمر میں "مقاماتِ حریری" کی عربی شرح لکھی اور وفات سے پندرہ روز پہلے تک اُن کا قلم چلتا رہا۔ اُن کی تصنیفات و تالیفات ایک سَو کے لگ بھگ ہیں۔ جن کا تفصیلی جائزہ ایک کتاب کا موضوع ہے۔ ذیل میں اُن کی اہم تصنیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

تفسیر

۱۔ الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی (عربی۔ غیر مطبوعہ)

۲۔ معارف القرآن — اُردو۔ ۲۳ پاروں کی مکمل تفسیر ہے۔ باقی سات پاروں کے مشکل مباحث کا حل لکھ سکے تھے۔

۳۔ دلائل القرآن علی مذہب النعمان (عربی۔ مطبوعہ)

۴۔ شرائطِ مفسر و مترجم (اُردو۔ ")

۵۔ اعجاز القرآن (" ۔ ")

حدیث

۶۔ التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی۔ مطبوعہ)

یہ شرح علمی نقطۂ نظر سے اتنی ٹھوس اور بلند پایہ ہے کہ علمائے ہند و پاک کے علاوہ بلادِ عرب کے علماء و فضلاء نے اس کی تعریف کی۔ پہلی بار دمشق سے طبع ہوئی تھی۔

۷۔ مقدمہ الحدیث (عربی۔ غیر مطبوعہ)

۸۔ منحۃ الحدیث فی شرح الفیۃ الحدیث (" ۔ ")

۹۔ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ (اردو۔ مطبوعہ)

۱۰۔ القول المحکم (" ۔ ")

۱۱۔ لطائف الحکم فی اسرار نزولِ عیسٰی بن مریم (" ۔ ")

۱۲۔ الدین القیّم (" ۔ ")

۱۳۔ احسن البیان فی مسئلۃ الکفر والایمان (" ۔ ")

۱۴۔ نہایۃ الادراک فی حقیقت التوحید والاشراک (" ۔ ")

۱۵۔ فتح الغفور شرح منظومۃ القبور (" ۔ ")

سیرت و سوانح

۱۶۔ سیرت المصطفٰےؐ۔ چار جلدیں (اردو۔ مطبوعہ)

۱۷۔ خلافتِ راشدہ (" ۔ ")

عقائد و کلام

۱۸۔ عقائدِ اسلام (اردو۔ مطبوعہ)

۱۹۔ علم الکلام (" ۔ ")

۲۰۔ اسلام اور نصرانیت (" ۔ ")

مولانا مرحوم کو حضرت سید انور شاہ کاشمیریؒ سے شرفِ تلمّذ حاصل تھا اور ان کے زیرِ اثر قادیانیت کی تردید میں سرگرم رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں

انہوں نے قادیانی نبوّت کے دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے میں قدمے، قلمے اور سخنے کام کیا، مرحوم کے ایک رفیق مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے لکھا ہے:

"اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاد محترم حضرت شاہ صاحب فرما رہے تھے، عام مسلمانوں میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا، اس دورے میں ہم تینوں (مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس اور مولانا بدرِ عالم میرٹھی) کو حضرت کا ہمسفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی زمانہ میں یہ طے ہوا کہ ہر سال ایک جلسہ خود قادیان میں کیا جائے جس میں مرزا صاحب کے اوہام باطلہ کی تردید خود اُن کے مرکز میں جا کر کی جائے ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا۔

فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو اُن سے مناظرے کے لیے دارالعلوم دیو بند کی طرف سے مولانا سیّد مرتضیٰ احسن کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیقِ سفر رہے۔ خود حضرت شاہ صاحب اور علّامہ شبیر احمد عثمانی بھی پہنچ گئے۔ تین روز یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا۔

حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑ دیا اور یہ لوگ مناظرے، مباہلے کا نام چھوڑ کر زیرِ زمین سازشوں میں مصروف ہو گئے"[1]

---

[1] ماہنامہ "البلاغ"، (کراچی) شمارہ اکتوبر ۱۹۶۷ء ص ۲۱

اسی طرح عیسائیت کی تردید میں اُنہوں نے قابلِ قدر تصنیفی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے مولانا مرحوم نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ اُنہیں علوم و کتب کا پورا استحضار تھا۔ شعروشاعری کا ذوق تھا اور بالفاظ جناب احسان دانش صاحب "شاعری کا تدھلے کے لوگوں کا حصّہ ہے چنانچہ مولانا محمد ادریس صاحب بھی عربی اور فارسی میں بلا تکلّف شعر کہتے تھے"[1]

مولانا لاہور کے زمانۂ قیام میں ۱۹۶۱ء سے جامع مسجد نیلا گنبد میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ سینکڑوں تشنگانِ علم دُور دُور سے آکر مستفید ہوتے تھے۔ اُن کے مواعظ حق گوئی و حق شناسی کا مرقع ہوتے تھے "اُن کی حق گوئی اور حق نگاری مٹی کے الفاظ کو کندن کی جھنکار دے رہی تھی۔ اُن کے فکر کی بلندی اور گفتگو کی ملائمت خود بخود اپنی شیرینی سے دلوں کو متاثر کرتی چلی جاتی تھی۔ اُن کی سیدھی سادھی زبان کا لہجہ صداقت میں شرابور اور فقروں کے تاثراتی سلمہ ستارے سے پھٹے دکھائی دیتے تھے۔ جب وہ معاشرے کی کج روی کو درد و کرب سے بیان کرتے تو اُن کا آہنگ مرثیہ کا پیرہن اختیار کر لیتا جس سے ان کا ہر سانس دلوں کے بند دروازوں پر دستک دیتا محسوس ہوتا تھا"[2]

پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ میں علماء نے جو مساعی کی مولانا مرحوم اس میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۷۴ء میں کچھ عرصہ کے لیے "اسلامی نظریاتی کونسل" کے رُکن رہے۔

مولانا مرحوم نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔ امراء و حکّام سے زندگی بھر کنارہ کش رہے۔ آج کی دُنیا میں جب دولت ہی سب کچھ سمجھی جاتی ہے۔ مرحوم صرف ایک عمدہ کتب خانہ اور بیش قیمت مسوّدات چھوڑ کر رخصت ہوئے

---

[1] ماہنامہ "الرشید" (ساہیوال) دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۵۰۲

[2] ایضاً ص ۵۰۴

تھے۔

مولانا مرحوم کے صاحبزادے اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علمی و دینی خدمات میں کوشاں ہیں۔

محمد اسماعیل دیوبندی

مولانا محمد اسماعیل بن میاں سلطان علی ریاست کپور تھلہ میں پیدا ہوئے۔ میاں سلطان علی، مسلکِ اہل حدیث پر عامل تھے اور نامور عالم و مناظر تھے۔ مولانا محمد اسماعیل نے ابتدائی دینی تعلیم گھر پر حاصل کی اور مقامی سکول میں نوشت و خواند سیکھی۔

لڑکپن میں مسلکِ تشیع کی طرف مائل ہو گئے۔ والدین نے سختی کی مگر وہ اپنے مسلک پر قائم رہے۔ دینی تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ دارالعلوم میں اُنہوں نے اپنے اساتذہ سے مختلف نزاعی مسائل پر بحث و مناظرہ شروع کیا تو دارالعلوم سے نکال دیئے گئے۔ تاہم "دیوبندی" اُن کے نام کا لاحقہ بن گیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ساہیوال آ گئے اور مسجد جعفریہ میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ مناظرانہ ذوق کے پیشِ نظر علمائے اہلسنّت سے اُن کی ٹھنی رہتی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ساہیوال سے گوجرہ منتقل ہو گئے۔ گوجرہ میں چند سال گزار کر فیصل آباد میں سکونت اختیار کی اور "درس قائم آلِ محمد" کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ پنجاب میں شیعہ مدارس میں سرفہرست ہے۔

۱۴ جون ۱۹۷۶ء/۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ کو سکھے کی سے خانقاہ ڈوگراں جا رہے تھے کہ راستے میں کار کے حادثے میں فوت ہوئے۔ میت فیصل آباد لائی گئی۔ علامہ مرزا یوسف حسین صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور فیصل آباد

میں دفنائے گئے۔

مولانا محمد اسماعیل سے مناظرانہ تحریریں یادگار ہیں جو اُن کے اخبار "صداقت" (گوجرہ) میں طبع ہوتی رہی تھیں۔



محمد اسماعیل سلفی

مولانا محمد اسماعیل سلفی بن محمد ابراہیم موضع ڈھونیکی تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں ۱۹۰۱ء/ ۱۹-۱۳۱۸ھ میں متولد ہوئے۔ اُن کے والد ماجد اپنے وقت کے معروف خوشنویسوں میں سے تھے۔ ایک عرصہ مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) کا رسالہ "اشاعت السنہ" لکھتے رہے۔ مولانا عبدالرحمان محدث مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) کی تالیف "تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی" اُن کے قلم معجز رقم کی یادگار ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی نے تعلیم کا آغاز اپنے والد ماجد سے کیا۔ اُن سے ابتدائی نوشت و خواند سیکھ کر مدرسہ نصرت الاسلام گوجرانوالہ میں داخل ہوئے۔ مولانا عمرالدین اور مولانا تاج الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا حافظ عبدالمنّان محدث وزیر آبادی سے متونِ نحو اور صحاح ستّہ کا درس لیا۔ اُسی زمانے میں حافظ عبدالمنان محدث کے صاحبزادے مولوی عبدالستار سے سنن نسائی کا چوتھائی حصّہ پڑھا۔ یہاں سے دہلی گئے اور دارالکتاب والسنہ دہلی (صدر) میں مولانا عبدالرب اور مولانا عبدالرحمان ولایتی سے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن سے اجازت و سندِ حدیث حاصل کی۔ وطن واپس آکر مولانا حافظ عبدالمنّان محدث سے بھی سندِ حدیث لی۔ کچھ عرصہ مولانا عبداللہ غازی پوری سے بھی استفادہ کیا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی نے مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا محمد حسین ہزاروی سے معانی، فقہ اور مدرسہ نعمانیہ (امرتسر) میں مفتی محمد حسن سے منطق کے کچھ اسباق پڑھے۔ امرتسر میں مولانا محمد عالم آسی سے فنِ طب سیکھا۔ کچھ عرصہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

کے ہاں زیرِ تعلیم رہے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے اُن کا قیام گوجرانوالہ میں تجویز کیا تو محلہ حاجی پورہ میں اقامت گزین ہو گئے۔ مولانا علاء الدین کے انتقال پر "جامع اہل حدیث" کے خطیب مقرر ہوئے اور تادمِ آخر یہ فریضۂ دین انجام دیا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے۔ اور اپنے حلقے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اُنہوں نے "مدرسہ محمدیہ" گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی جو دین و علم کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں دو بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور تیسری بار ختمِ نبوت کی تحریک (۱۹۵۳ء) میں سنّتِ یوسفی ادا کی۔

مولانا سلفی ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ / ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو گوجرانوالہ میں فوت ہوئے۔

مولانا سلفیؒ سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی ۲۔ اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ

۳۔ امام بخاریؒ کا مسلک ۴۔ زیارۃ القبور

۵۔ مسئلہ حیات النبیؐ ۶۔ جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث

۷۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ۸۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (غیر مطبوعہ۔ نامکمل)

متذکرۃ الصدر تالیفات کے علاوہ ہفت روزہ "الاعتصام" (گوجرانوالہ / لاہور) اور ماہنامہ "رحیق" (لاہور) میں اُن کے مضامین منتشر ہیں۔



محمد اشرف فاروقی نوشاہی

مولانا محمد اشرف فاروقی بن میاں اعزالدین میاں معصوم بن علم الدین کے آباؤ اجداد موضع چک بھارا کے رہنے والے تھے وہاں سے اُن کے بزرگ ترکِ سکونت کر کے موضع پانڈو کے ضلع گوجرانوالہ میں آئے۔

مولانا محمد اشرف فاروقی النسب تھے اور اُن کے خاندان میں کئی علماء و فضلاء اور شعراء پیدا ہوئے۔ مولانا غلام شائق اِسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا محمد اشرف کے والد ماجد میاں اعزالدین (المعروف بہ عزت دین) اچھے طبیب اور عالم تھے۔ اُن کی مہر کا سجع یہ تھا:

"اعزالدین منوّر در جہاں است"

مولانا محمد اشرف ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدِ گرامی اور جدِ بزرگوار سے مروجہ انداز کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ بیعتِ طریقت شیخ ضیاء اللہ (ساکن جاکے چیمہ ضلع سیالکوٹ) سے کی تھی۔

سکھ گردی میں مولانا محمد اشرف کا آبائی گاؤں محفوظ نہ تھا اس لئے ترکِ سکونت کر کے قصبہ منچر چھٹہ چلے گئے۔ چوہدری غلام محمد خود مختار حاکم تھا۔ اُس نے مولانا محمد اشرف کی قدر و منزلت کی۔ قاضی اور مفتی کے منصب پر فائز تھے۔ آخر میں رنجیت سنگھ کے باپ مہان سنگھ نے چوہدری غلام محمد کو شکست دے کر چھٹوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ چوہدری غلام محمد سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مولانا محمد اشرف موضع کالے والا ضلع گوجرانوالہ میں منتقل ہو گئے۔ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں فوت ہوئے۔

مولانا محمد اشرف خانوادہ قادریہ نوشاہیہ کے بزرگ سید حافظ نور اللہ نوشاہی کے معاصر تھے۔ دونوں حضرات میں انس و محبت کے مراسم تھے اور ایک دوسرے کے کتب خانوں سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ مولانا محمد اشرف فارسی، اُردو اور پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے، اُن کی چند اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ مثنوی کنز الرحمت (فارسی) حاجی نوشہ گنج بخش (م ۱۰۶۴ھ) اور اُن کی اولاد و خلفاء کے حالات و کرامات بیان کئے گئے ہیں۔ کنز الرحمت کو مولوی حبیب اللہ نعمانی نے پنجابی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ اصل اور ترجمہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ مثنوی یوسف و زلیخا (فارسی)

۳۔ مصباح الطب (فارسی منظوم)

۴۔ مناقب نوشاہی (پنجابی)

۵۔ فقر نامہ (")

ان کے علاوہ اُنہوں نے پنجابی زبان میں متعدد قصّوں کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

مولانا محمد اشرف نوشاہی کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مثنوی "کنز الرحمت" کے آخر میں اپنے مرشد طریقت کے بارے میں لکھتے ہیں:[۱]

ہر کہ او مسلک عقل و خرد آگاہ بود — از دل و جان بندہ حضرت ضیاء اللہ بود
میرسد از یک نظر در بارگاہِ ایزدی — ہر کہ را لطف عمیمش رہنمائے راہ بود
ساغر لطفش چناں مخمور کردہ عالمے — چشم ہر مخلوق مست از بادۂ نوشاہ بود
نیست فردا آفتاب حشر را تابش برو — ہر کہ ابر سر ز دات پاک او سایہ بود
اشرف از کمتر غلامانش ہمیں دارد اُمید — کہ بہ عقیدہ رحمتش گہ گہ سگِ درگہ بود

[۱] کنز الرحمت ص ۱۶۶

قاضی فضل حق مرحوم کو ایک قلمی بیاض میں اُن کی فارسی ، اُردو اور پنجابی نظموں کا مجموعہ ملا تھا ۔ انہوں نے صرف اُردو حصّے کا انتخاب اپنے مضمون میں درج کیا ہے[۱]

مولانا محمد اشرف کی اولاد میں دو صاحبزادے مولانا حکیم قل احمد اور مولانا حکیم محمد کے نام ملتے ہیں ۔



۱؎ ضمیمہ "پنجاب میں اُردو" ص ۳۸۹ - ۳۹۲

حکیم محمد اشرف سندھو

حکیم محمد اشرف سندھو ضلع لاہور کے معروف گاؤں سندھو کلاں کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۷ دسمبر ۱۸۹۷ء/ ۲۲ رجب ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے مڈل کا امتحان پاس کر کے دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ مولانا عبداللہ روپڑی اور حافظ محمد حسین روپڑی سے استفادہ کیا۔ فنِ طب کی باقاعدہ تحصیل کی اور یہی ذریعہ معاش تھا۔

اپنے گاؤں میں جامع مسجد اہل حدیث تعمیر کی اور زندگی بھر فرائض امامت و خطابت انجام دیئے۔ موضع سندھو کلاں کی زیادہ تر آبادی سکھوں پر مشتمل تھی۔ اُن پر اسلام کی حقانیت واضح کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اُن کی مذہبی کتب کا بھی مطالعہ کیا جائے چنانچہ حکیم صاحب نے محنت سے گورمکھی زبان سیکھی، سکھوں کی مذہبی کتابوں کا براہِ راست مطالعہ کیا اور زبان و قلم سے انہیں دعوتِ اسلام پیش کی۔ اُن کی تبلیغی مساعی سے موضع سندھو اور گرد و نواح کے کئی سکھوں نے اسلام قبول کیا۔

فتق کے عارضے میں ۲۱ اگست ۱۹۶۴ء/ ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ کو میو ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔

حکیم محمد اشرف نے دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے مندرجہ ذیل کتابیں اور رسائل قلمبند کیے:

۱۔ رسالہ بے نمازاں
۲۔ بحرا دیوی
۳۔ پیغام جیلانی
۴۔ فرقہ وجودیہ کی اصلیت اور پہچان
۵۔ گیانی جی کیوں مسلمان ہوئے ؟
۶۔ نانک کا پیغام

۷۔ نانک کی ہردواس

۸۔ الشہاب الثاقب

۹۔ نتائج التقلید

۱۰۔ مقام اہل حدیث

۱۱۔ عقیدہ حیات النبی

۱۲۔ مقیاسِ حقیقت بجواب مقیاسِ حنفیت

۱۳۔ البشریٰ لسعادۃ الدارین (عربی)

۱۴۔ رکعات قیام رمضان

۱۵۔ اکمل البیان

۱۶۔ حقیقت نما

۱۷۔ تاریخ التقلید (غیر مطبوعہ)

۱۸۔ رسول اللہ کی نماز۔ پیران پیر کے عمل و قلم سے (غیر مطبوعہ)



حافظ محمد افضل

حافظ محمد افضل بن مولانا غلام مرتضےٰ چیلاواہن ضلع بہاول پور میں ۱۵ر شعبان ۱۲۶۶ھ/۲۶ر جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ کسی نے اُن تاریخ ولادت "شب برات زادہ شد" سے نکالی ہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد والد ماجد سے اکتساب فیض کیا۔ خواجہ خدا بخش خیر پوری سے بھی استفادہ کیا۔ حافظ محمد افضل اور اُن کے بھائی حافظ محمد اکمل نے اُن سے رسالہ توفیقیہ اور مطوّل کے اسباق پڑھے تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو والد ماجد کی نگرانی میں تعلیم و تدریس شروع کی۔ فقہ میں خصوصی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ اُن کے مدرسہ میں علوم ظاہری کے ساتھ سلوک و طریقت کے جویا بھی رہتے تھے۔

حافظ محمد افضل ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ/۲۹ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو فوت ہوئے۔ "مبارک خاتمہ" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ نیز تاریخِ وصال یہ ہے:

۱۳۰۹ھ

تاریخِ وصالش جستجو کردم ز عقل
با مر اندوہ گفتہ صد دریغ

۱۳۰۹ھ

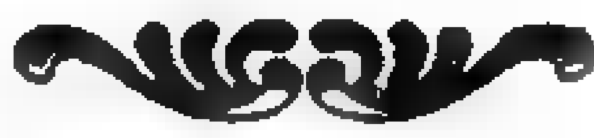
حافظ مرحوم سے سینکڑوں افراد نے فیض پایا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا اللہ بخش
۲۔ مولانا حافظ محمد
۳۔ مولانا عبداللہ جامی بہاولپوری
۴۔ حافظ جمال الدین کھوٹوی
۵۔ مولانا سلطان محمود
۶۔ حافظ حمّاد ثانی

محمد اکبر شاہ بخاری

مولانا سیّد محمد اکبر شاہ سگھر ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۳۳۳ھ/۱۵-۱۹۱۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں علمی روایت چند پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ اُن کے بڑے بھائی مولانا محبوب علی شاہ بخاری ممتاز شیعہ عالم تھے۔

مولانا سیّد محمد اکبر شاہ نے سلطان المدارس لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا سیّد محمد رضا اور مولانا سیّد محمد باقر کے تلمذ پر فخر کرتے تھے۔ مولانا سیّد محمد اکبر شاہ ایک عرصے تک وعظ و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آخر میں نور پور شاہاں نزد راولپنڈی میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔[1]



---

[1] مطلع انوار ص ۴۲۹-۴۳۰

حافظ محمد اکمل

حافظ محمد اکمل بن حافظ غلام مرتضیٰ بن مولانا حمّاد ۱۲۳۰ھ/۱۵-۱۸۱۴ء میں پیدا ہوئے۔
علومِ متداولہ کی تحصیل والد یا جد حافظ غلام مرتضیٰ اور مولانا خدا بخش خیرپوری سے کی۔ حافظِ قرآن اور عالم اجل تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس اور ہدایت و ارشاد میں بسر کی۔ اپنے بڑے بھائی حافظ محمد افضل کے ساتھ ایک ہی درسگاہ میں درس دیتے تھے۔ متوسطات کی تعلیم حافظ محمد اکمل اور درسِ نظامی کی آخری کتب حافظ محمد افضل پڑھاتے تھے۔

حافظ محمد اکمل کو فنِ میراث پر کامل عبور حاصل تھا اور اس فن کے مشکل مسائل کو انگلیوں پر حل کر دیتے تھے۔

موصوف اپنے بڑے بھائی سے چار سال چھوٹے تھے اور اُن کی رحلت کے بعد چار سال زندہ رہے۔ مرض الموت میں وفات سے ایک دن پہلے فرمایا کہ آج میری عمر بھائی کی عمر کے برابر ہو گئی ہے۔ ۱۳۱۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء میں وفات پائی[1] اور حیلا واہن (ضلع بہاولپور) میں مدفون ہوئے۔



---

[1] سہ ماہی "الزبیر" (۲) بابت اگست ۱۹۶۱ء

محمد الدین لاہوری

مولانا محمد الدین ۳ رجمادی الاولی ۱۲۶۷ھ/۶ر مارچ ۱۸۵۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے انھوں نے سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تکمیل کی اور وعظ و تدریس کا شغل اختیار کیا۔[۵۱] پھر اورینٹل کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۰ء میں مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۱ء میں انٹرنس اور منشی عالم، ۱۸۷۲ء میں مولوی عالم اور ۱۸۷۴ء میں مولوی فاضل و منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

اگست ۱۸۷۳ء میں اورینٹل کالج میں فارسی کے مدرس دوم مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۲ء میں ایم۔او۔ایل کی سند حاصل کی۔ ۱۸۸۷ء میں مدرس دوم کے ساتھ اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔[۵۲] مولانا محمد الدین زیادہ تر گورنمنٹ کالج لاہور کی ایف۔ اے اور بی۔اے کی جماعتوں کو عربی اور فارسی پڑھاتے تھے۔ ۲۶ر نومبر ۱۸۹۸ء/۱۲ر رجب ۱۳۱۶ھ کو بعارضہ بخار دن کے بارہ بجے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

مولانا محمد الدین خلیق، ملنسار اور سادہ مزاج تھے۔ اُن کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی۔ اُن کی حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں:[۵۳]

۱۔ روضۃ الادبار۔ عرب، شعراء، ادباء، علماء و فضلاء و حکماء کا تذکرہ

۵۱۔ سراج الاخبار (جہلم) بابت ۲۸ر نومبر ۱۸۹۸ء

۵۲۔ تاریخ اورینٹل کالج ص ۱۳۳

۵۳۔ اوّل الذکر گیارہ کتابوں کا ذکر "سراج الاخبار" (جہلم) کے تعزیتی نوٹ میں ہے۔ آخرالذکر تین کتابوں کے نام "اورینٹل کالج کے اساتذہ کا تحقیقی، ادبی اور درسی سرمایہ" میں ملتے ہیں۔

۲۔ تبیان الصنائع

۳۔ تفسیر فتح العظیم

۴۔ تاریخ ایام الجاہلیۃ

۵۔ قلائد الذہب، فی فوائد الادب (عربی)

۶۔ مختصر السیر فی احوال سید البشر المعروف بہ بستانِ محمدی

۷۔ حل اللغات الف لیلہ (فارسی)

۸۔ شرح محمدی (متعلق مسائل میراث و معاملات)

۹۔ رسالہ علم منطق

۱۰۔ تعلیقات مقاماتِ بدیعی

۱۱۔ روضۃ الابرار

۱۲۔ مخزن الفوائد

۱۳۔ منتخباتِ اخلاق ناصری

۱۴۔ میزان الاخلاق



خواجہ محمد الدین سیالوی

خواجہ محمد الدین بن خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۲۵۳ھ/۳۸-۱۸۳۷ء میں سیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی فارسی درسیات والد ماجد سے پڑھیں۔ بعد میں مولوی سلیمان نامی ایک مدرس سے علوم دینیہ پڑھنے شروع کیے۔ اعلیٰ تعلیم خواجہ معظم الدین مرولوی سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ مولانا فتح محمد ساکن سلیانہ ضلع جھنگ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی کی رحلت پر اُن کے علمی و روحانی جانشین ہوئے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی نے خرقۂ خلافت پہنایا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کی علمی و دینی اور اصلاحی خدمات جاری رکھیں۔ سیال کی درسگاہ نے اُن کی نگرانی میں خوب ترقی کی۔

خواجہ محمد الدین نے ۲ ربیع ۱۳۲۷ھ/۲۰ جولائی ۱۹۰۹ء کو جان، جانِ آفرین کے سپرد کی اور سیال میں اپنے والد گرامی کے پہلو میں دفنائے گئے۔ "رہبرِ چشتیاں محمد دین" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

خواجہ محمد الدین کے چار فرزند تھے۔

۱۔ صاحبزادہ محمد امین
۲۔ صاحبزادہ محمد ضیاء الدین (جانشین)
۳۔ صاحبزادہ محمد عبداللہ
۴۔ صاحبزادہ محمد سعداللہ

خواجہ محمد الدین سیالویؒ کے حالاتِ زندگی اور ملفوظات غلام دستگیر بیخود جالندھری نے "محبوبِ سیال" اور "برکاتِ سیال" کے نام سے جمع کیے ہیں۔



محمدالدین اعوان

ملک محمدالدین اعوان، مہوٹہ کلاں ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ ۹ اگست ۱۸۸۱ء/۱۳ رمضان ۱۲۹۸ھ کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا اور گاؤں مہوٹہ کلاں دریائے چناب کی طغیانی کی نذر ہو گیا تھا۔ جلالپور اور چکوال کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ مڈل کے بعد اپریل ۱۸۹۶ء/۱۳۱۳ھ میں اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں داخل ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ بی۔اے میں پڑھتے تھے کہ رنجیت سنگھ اور امیر عبدالرحمان خان والئی افغانستان کی سوانح عمریاں لکھیں۔ محمدالدین فوقؔ کے بقول اُن کی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ اُنہوں نے یہ دونوں کتابیں صرف تین دن میں لکھی تھیں۔[1]

۱۸۹۹ء/۱۷-۱۳۱۶ھ میں بغرض معاش پٹواری ہو گئے۔ ملازمت کو اپنے مزاج کے خلاف دیکھتے ہوئے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ جلالپور میں تین سال پشمینہ اور اُدویہ کا کاروبار کیا لیکن خسارہ اُٹھا کر کنارہ کش ہو گئے۔ جلالپور سے لاہور گئے اور اپنے ذوقِ تحریر کے لئے رسالہ "جلوہ نور" جاری کیا جو صرف تین ماہ چل سکا۔ اگست ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں قسمت آزمائی کے لئے کچھ عرصہ کشمیر میں گزارا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ کشمیر سے واپس جلالپور آئے اور سید غلام حیدر علی جلالپوری کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔

ملک محمدالدین نے کچھ عرصہ اخبار "ہندوستان" (لاہور) کا اہتمام و انصرام کیا۔

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات ص ۶۲-۶۳

جنوری ۱۹۰۹ء/۱۳۲۶ھ میں اپنے پیر و مرشد کی یاد میں رسالہ "صوفی" (منڈی بہاء الدین) جاری کیا۔ جسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ برصغیر کے معروف اور مقبول قلمکاروں نے اپنی تحریروں سے "صوفی" کو سرفراز کیا اور قارئین نے خوب حوصلے بڑھائے۔ رسالہ صوفی میں بطور خاص پیر سید غلام حیدر علی جلالپوری کے ملفوظات طبع ہوتے تھے۔

ملک محمد الدین نے رسالے کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ اور وہ علاقے کے امیر لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ منڈی بہاء الدین میں "صوفی منزل" کے نام سے اُن کی کوٹھی بن گئی۔ سیشن کورٹ کے اسیسر بنے۔ دنیوی امارت کے ساتھ علمی و دینی میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ "صوفی" کی ادارت اُن کا ایک اہم کارنامہ تھا۔ تاہم اُن سے چند کتابیں بھی یادگار ہیں جن میں سے حسبِ ذیل نمایاں ہیں۔

۱۔ ذکرِ حبیب (پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے حالات، ملفوظات اور کرامات کا تذکرہ)

۲۔ خاتونِ جنّت (سیرت الزہرا)

ملک محمد الدین نے صاحبزادہ پیر فضل شاہ جلالپوری کے ہمراہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں فریضۂ حج ادا کیا تھا۔



محمد امام غزالی

ابو المحمود محمد امام غزالی بن حکیم حافظ محمد میر عالم کے آباؤ اجداد موضع سنبر پیر نزد حسن ابدال ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ اُن کے پردادا ترکِ سکونت کر کے ٹمن ضلع اٹک میں آباد ہوئے۔ وہیں مولانا محمد امام غزالی ۱۸۸۸ء/۰۶-۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔

ابھی دو سال عمر تھی کہ والدِ بزرگوار حکیم حافظ محمد میر عالم کا انتقال ہو گیا۔ والدہ ماجدہ نے چھ سات کی عمر میں اُنہیں مدرسہ نعمانیہ لاہور بھجدیا۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہ کر واپس گاؤں آ گئے۔ مختلف اوقات میں ضلع اٹک کے مقتدر اساتذہ مولانا غلام محی الدین مکھڈی، مولانا قطب الدین غورغشتوی اور مولانا عبدالرحمان (پنڈی سر ال والے) سے استفادہ کیا۔ درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور مسلسل چھ سال دارالعلوم میں زیرِ تعلیم رہے۔ دورۂ حدیث شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھا۔

فارغ التحصیل ہو کر مسجد باغبانان ٹمن میں "مدرسہ اسلامیہ عربیہ" کی بنیاد رکھی اور درسِ نظامی کی تعلیم شروع کی۔ مولانا محمد امام غزالی اُن علماء میں سے تھے جنہوں نے تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک میں دینی علوم کو عام کیا۔ موصوف اپنے وسیع حلقۂ تلامذہ کے لحاظ سے تحصیل بھر کے اُستاد سمجھے جاتے ہیں۔ پچاس سالہ دورِ تدریس میں اُن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا گلشیر شہید کا نام بہت نمایاں ہے۔

مولانا محمد امام غزالی بنیادی طور پر مدرّس تھے۔ انہوں نے سیاسی تحریکوں میں بہت کم حصّہ لیا البتہ تحریکِ خلافت کے زمانے میں اُنھوں نے بھرپور کام کیا۔ خلافت کمیٹی راولپنڈی ڈویژن کے صدر تھے۔ ملتان خورد کے مقام پر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی تھی۔ جس میں علامہ شبیر احمد عثمانی رح بطورِ خاص شریک ہوئے تھے۔

مولانا صاحبِ مطالعہ اور کتاب دوست شخصیت تھے۔ انہوں نے تفسیر و حدیث، فقہ، تاریخ اور لغت کے موضوعات پر بہت اچھا ذخیرہ جمع کیا تھا جو اُن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مولانا غزالی درویش منش اور فقیر صفت انسان تھے۔ نہایت سادہ زندگی گذاری۔ خواجہ احمد میرویؒ سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ علاقے کے کئی امراء نے مستقل مالی امداد کی پیشکش کی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ ادبی ذوق بہت عمدہ تھا۔ عربی و فارسی میں شعر بھی کہتے تھے مگر کبھی محفوظ نہ کیے۔ "غزالی" لفظ کو جزوِ نام بنانے کے بارے میں اُن کا یہ شعر زبان زدِ عام و خاص ہے کہ ؎

سمیت الغزالی للتبرک
وما فیہ تماثیل الغزالی

۷۲ سال کی عمر میں درس و تدریس کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے کہ زبان کے سرطان میں مبتلا ہو گئے۔ بغرضِ علاج لاہور گئے، میو ہسپتال میں آپریشن کرایا۔ چند ماہ افاقہ رہا۔ آخر اسی مرض میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۰ء/ ۲۰ ربیع الاُخریٰ ۱۳۸۵ھ کو وفات پائی۔

مولانا محمد امام غزالی کی تحریرات میں سے کوئی تحریر شائع نہیں ہو سکی۔ اُن کے مسودات میں سے حسبِ ذیل محفوظ ہیں۔

۱۔ حواشی صحاح ستّہ
۲۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی
۳۔ حاشیہ تفسیر جلالین
۴۔ ارشاد سیّد الابرار بحرمت الزکوٰۃ علی آلہ الاطہار

مولانا مرحوم کے تین فرزند ہیں جو علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ حکیم حافظ محمود الحسن خان ۔ ٹمن میں طبابت کرتے ہیں ۔
۲۔ حافظ نور الحسن خان ۔ پروفیسر اورینٹل کالج لاہور ۔
۳۔ حافظ ضیاء الدین احمد ۔ اُستاد السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول ٹمن



سیّد محمد امین مختار نوشاہی

سیّد محمد امین مختار السالکین بن حافظ سیّد فضل احمد بن حکیم سیّد الٰہی بخش ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ/ یکم جولائی ۱۸۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب صرف چھ واسطوں سے حضرت نوشہ گنج بخش رح (م ۱۰۶۴ھ) سے ملتا ہے۔ اُنہوں نے علوم دینیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور مولانا سیّد غلام قادر بن سیّد عبداللہ نوشاہی سے پائی۔ صاحبِ حال بزرگ تھے۔ اپنے والد سے سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور خلافت مجاز کا شرف حاصل تھا۔

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۰ھ/ ۷ جنوری ۱۸۹۳ء کو ساہن پال میں جان، جانِ آفرین کو دی۔ وہیں مزار ہے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں سے "وظیفہ امینیہ" ملتا ہے۔

نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا حافظ سیّد روح اللہ (م ۱۶ صفر ۱۲۹۴ھ)

۲۔ حافظ سیّد فاضل شاہ (م ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ)

۳۔ حافظ سیّد محمد شاہ نیک اختر (م ۲۲ محرم ۱۳۳۷ھ) سجادہ نشین[1]

---

[1] تذکرہ نوشہ گنج بخش ص ۱۷۳-۱۷۴

خواجہ محمد امین مستالوی

خواجہ محمد امین بن شیخ احمد جی موضع روپڑ علاقہ سواں (ضلع راولپنڈی) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد شیخ احمد جی سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ تلدار نتھیا لویؒ کے خلیفہ تھے۔ عمر بھر اتباعِ شریعت اور ریاضت و عبادت میں مصروف رہے۔ حضرت شیخ احمد ۱۴ ر شوال ۱۲۸۴ھ/ ۸ر فروری ۱۸۶۸ء کو روپڑ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

حضرت شیخ احمد جی کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ خواجہ فقیر محمد (م ۱۵ ر شوال ۱۳۱۵ھ)

۲۔ خواجہ محمد حبیب اللہ (م ۱۹ ر ربیع الاخریٰ ۱۳۲۵ھ)

۳۔ خواجہ محمد امین (م ۲ ر شوال ۱۳۱۸ھ)

اوّل الذکر دونوں صاحبزادے روپڑ میں مقیم رہے۔ خواجہ محمد امین، ترکِ سکونت کر کے "مستال"[1] آ گئے۔ وہ حافظِ قرآن، محدث اور بلند پایہ صوفی تھے۔ سندِ اجازت حدیث حضرت قاری عبدالرحمان پانی پتی (م ۱۳۱۲ھ) سے حاصل کی تھی۔ تبرکاً سند نقل کی جاتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمان الرحیم الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد می گوید بندہ عبدالرحمان بن محمد کہ مولوی محمد امین سلمہ القوی المتین ازیں بندہ اجازت روایتِ کتبِ حدیث وغیرہ

---

[1] راولپنڈی شہر کے شمال مغرب میں اڑھائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جو پھیلتے ہوئے اسلام آباد کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔

خواستند اگرچہ من قابل این منصب نہ بودم، اما انجاحاً لمسئولہم می گویم کہ ایشاں را اجازت است کہ روایت کتب حدیث از بندہ بکنند و مواضع مغلقہ و مشتبہہ را از شروح و حواشی کتب حدیث اہل سنت حل میکردہ باشند و در تصحیح الفاظ و تشخیص معانی مخالفت جمہور اہل سنت نہ کنند و از عقائد و اعمال اہل ہوا مجتنب بودہ اتباع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم را التزام باشند و خیر خواہی خدا و رسول و اہل اسلام شعار خود سازند۔ اللہ تعالیٰ معین باد و این حقیر اخذ معقول و منقول و تحصیل سند از اساتذہ کثیر کردہ کہ اجل و افضل ایشان یگانہ آفاق حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہ ہستند و ایشان از جد مادری خود مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اخذ سند کردند و ایشان از والد ماجد خود حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ الی آخرہ سند المشہورہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

العبد المذنب عبدالرحمان

تحریرہ ۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ یوم الخمیس

مہر

۱۲۴۳
عبدالرحمان

خواجہ محمد امین ۲ شوال ۱۳۱۸ھ / ۲۳ جنوری ۱۹۰۱ء کو ملتان میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مرحوم کے فرزند ارجمند مولانا محمد عبدالعلی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

یوم بود اربعاء و دوم شوال!

سہ صد و یک ہزار و ہژدہ سنین

مرحوم سے حسب ذیل دو کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ زادالامین لاہل الیقین (فارسی۔ غیر مطبوعہ) تصوّف کے موضوع پر بصورت سوال و جواب عمدہ کتاب ہے۔ افسوس ہے کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے مؤلف مرحوم کو کتاب مکمل نہ کرنے دی۔

۲۔ تحفۂ احمدیہ (پنجابی منظوم) اس کتاب میں اپنے والدِ محترم اور شیخِ طریقت خواجہ شیخ احمد روہڑی کے شمائل، خوارقِ عادات اور کمالاتِ عالیہ نظم کیے ہیں۔

مرحوم کے دو صاحبزادے خواجہ عبدالحی اور مولانا محمد عبدالعلی تھے۔ اوّل الذکر بغرضِ حج حجاز تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ میں بیمار ہو کر فوت ہوئے۔ ثانی الذکر مرحوم خواجہ محمد امین کے جانشین ہوئے۔

محمد انشاء اللہ خان

مولانا محمد انشاء اللہ خان بن مولوی محمد انعام اللہ ۲۰ اپریل ۱۸۷۰ء/۱۸ محرم ۱۲۸۷ھ کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولوی محمد انعام اللہ ضلع کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے اور سر سید احمد خان کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انہیں سر سید احمد خان کے مذہبی اور سیاسی خیالات سے اتفاق نہ تھا مگر اُن کی تعلیمی مساعی کے مدّاح اور معترف تھے۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان نے ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں مڈل کا امتحان کرنال سے پاس کیا اور میٹرک گوجرانوالہ سے کی۔ اس اثنا میں اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تاہم اُنہوں نے مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۸۸۸ء/۱۳۰۴-۰۵ھ میں ایف۔ اے کا امتحان دیا جس میں ناکام ہوئے۔ اس کے بعد زمینداری میں مشغول ہو گئے۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان کو مضمون نگاری کا شوق ابتدا سے تھا۔ ان کا پہلا اُردو مضمون ۱۸۹۵ء/۱۳-۱۳۱۲ھ میں "پیسہ اخبار" میں طبع ہوا۔ اسی زمانے میں انگریزی اخبار دی سن (THE SUN) میں لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد وکیل (امرتسر) میں چند مضامین لکھے اور اکتوبر ۱۸۹۵ء/۱۳۱۳ھ میں "وکیل" کے مدیر ہو گئے۔

۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ میں "وکیل" (امرتسر) سے الگ ہوئے۔ ۴ جنوری ۱۹۰۱ء/۱۳۱۸ھ کو لاہور سے ہفت روزہ "وطن" جاری کیا اور "حمیدیہ پریس" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا۔ ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں جنگِ روس و جاپان کے زمانے میں "وطن" کو روزنامہ بنایا لیکن دو تین ماہ بعد روزانہ ایڈیشن بند ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں دوبارہ روزنامہ

کیا۔ ۱۹۳۰ء/۴۹-۱۳۴۸ھ تک اخبار باقاعدگی سے طبع ہوتا رہا۔

مولانا انشاء اللہ خان نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا تھا۔ جو ناقدر دانی کے باعث دو سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان کی شہرت ایک صحافی کی حیثیت سے ہے مگر اُن کی علمی اور تصنیفی کوششوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم اسلامیہ اور عربی زبان و ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔

مولانا انشاء اللہ خان ۱۹۲۸ء/۴۷-۱۳۴۶ھ میں فوت ہوئے۔ اُن کی حسب ذیل کتابیں معروف ہیں:

۱۔ اُردو ترجمہ انجیل برنباس
۲۔ بست سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید
۳۔ تاریخ خاندانِ عثمانیہ
۴۔ محاربات پیلونا
۵۔ محاربات تھسلی
۶۔ ٹرکی کی موجودہ حالت
۷۔ مظالم آرمینیا
۸۔ واقعات روم
۹۔ تاریخ حجاز ریلوے
۱۰۔ ترجمہ مقدمہ ابن خلدون



سیّد محمد باقر چکڑالوی

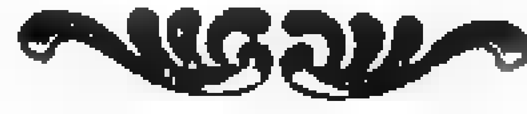
مولانا سیّد محمد باقر بن گل محمد شاہ نقوی سادات سے تھے۔ اُن کا خاندان چکڑالہ ضلع میانوالی کے معزز و محترم خانوادوں میں سے ایک ہے۔ سیّد محمد باقر یکم رمضان ۱۲۹۹ھ/ ۱۷ جولائی ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ پرائمری تعلیم کے بعد صرف و نحو اپنے بھائی سیّد طالب حسین شاہ اور والد بزرگوار سے پڑھی۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے فرزند محمد علیے سے کافیہ، شرح جامی اور منطق کے بعض رسائل پڑھے۔ اس کے بعد ملتان گئے اور مولوی سیّد علی نقی سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا شریف حسین جگراؤں کے ممتاز شیعہ عالم تھے۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اسباق لئے۔ کچھ عرصہ لکھنؤ میں بھی مقیم رہے۔ دینی علوم کی تکمیل کر کے واپس وطن آئے۔ ۱۹۰۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان اعزاز سے پاس کیا اور "طلائی تمغہ" کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اس کے بعد منشی فاضل کی سند حاصل کی۔

۱۹۱۴ء میں وطن میں تعلیم و تدریس شروع کی۔ دس سال بعد چک ۳۸ کے اہل تشیع انہیں اپنے ہاں لے گئے۔ بیس برس تک اس علاقے کے شیعہ عوام کی اصلاح و تربیت میں مصروف رہے۔ ۱۹۴۴ء میں موضع بدھ رجبانہ ضلع جھنگ چلے گئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۸ صفر ۱۳۸۶ھ/ ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء کو بیمار ہوئے اور اپنی زمین واقع کھاڑو ضلع میانوالی چلے گئے۔ وہیں ۱۹ صفر ۱۳۸۶ھ/ ۱۰ جون ۱۹۶۶ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔[1]

---

[1] مطلع انوار ص ۴۴۲

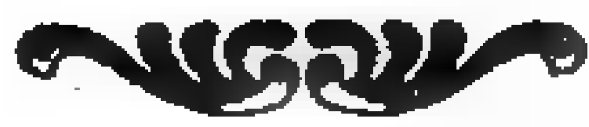
مولانا سید محمد باقر بلند پایہ اور جیّد شیعہ عالم تھے۔ کتبِ درسی پر حیرت انگیز عبُور رکھتے تھے۔ اُن سے سینکڑوں افراد نے اکتسابِ علم کیا۔ اُن کی اولاد میں تین فرزند۔ سیّد ناصر الدین حسین، سیّد ضیاء الدین حسین اور سیّد زین الدین حسین ہیں۔



محمد جان

مولانا محمد جان موضع سموں (نزد واہ چھاؤنی) کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا قطب الدین غور غشتوی سے درسِ نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے۔ مفتی کفایت اللہ دہلوی اور دوسرے اساتذۂ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ طبیہ کالج دہلی میں فنِ طب کی تحصیل کی۔ آخر میں دار العلوم دیوبند گئے اور اساتذۂ دار العلوم سے کچھ عرصہ اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا احمد علی لاہوری سے بیعت تھے اور اُن سے تفسیرِ قرآن پڑھی تھی۔ مولانا لاہوری ایک عرصہ واہ گاؤں کی مسجد میں مقیم رہے تھے اور یہیں انہوں نے قرآن مجید کا حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا۔ ان دنوں مولانا محمد جان، مولانا لاہوری کے بہت قریب رہے تھے۔

مولانا محمد جان نے فارغ التحصیل ہو کر مطب سے آذوقۂ حیات حاصل کیا۔ اور حسبتہً للہ دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ نیک سیرت، متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ اپنے علاقے میں معروف عالم دین اور طبیب تھے۔ ۱۰ رجب ۱۳۹۹ھ/۶ جون ۱۹۷۹ء کو فوت ہو گئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفنائے گئے۔ مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے ہیں۔



حافظ محمد جمال ملتانی

مولانا حافظ محمد جمال بن محمد یوسف بن حافظ عبدالرشید تقریباً ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذہ کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں۔ دورانِ طالب علمی میں ذہین اور محنتی طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ "دائرۃ الاصول" تک مروجہ نصاب کی تحصیل کی تھی کہ ریاضت و مجاہدۂ نفس میں مصروف ہو گئے[1]۔ حاضر جوابی اور طلاقتِ لسانی کی خوبیوں سے بدرجہ اتم بہرہ ور تھے۔ اُن سے مناظرہ و مباحثہ میں کسی دوسرے شخص کا بڑھ جانا ممکن نہ تھا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) اور مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) کی تصنیفات پر عبور رکھتے تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود پر گہری نظر تھی اور فصوص الحکم سے خصوصی دلچسپی تھی۔

حافظ محمد جمال نے ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ خود درس دیتے تھے۔ اُس زمانے میں یہ مدرسہ علم و فضل کا ایک اہم مرکز تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے اس مدرسے میں دو سال تعلیم حاصل کی تھی[2]۔

خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہوئے اور اُن کی طرف سے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہتے اور اُن کی مجالس سے فیض یاب ہوتے تھے۔ غیر شرعی رسوم کو سخت ناپسند کرتے تھے اور احکامِ شرعی کے اتباع کی تلقین کرتے تھے۔

---

[1] گلزارِ جمالیہ ص ۷-۸

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵

با اخلاق اور خوش پوش بزرگ تھے۔ دستر خوان بہت وسیع تھا۔ انگشتری میں حدیث مسلم "ان اللہ جمیل و یحب الجمال" کے الفاظ کندہ تھے[1]۔

حافظ محمد جمال علم و عمل کی بے پناہ صلاحیتوں سے متصف تھے۔ ایک طرف علمی و روحانی طور پر اُن کا پایہ بلند تھا تو دوسری طرف شجاعت و تہور اور جہد و دعا میں اپنی مثال آپ تھے۔ پنجاب پر سکھوں کا تسلط ہوا تو مسلمانوں کو مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حافظ صاحب کی زندگی میں سکھوں نے ملتان پر حملے کئے۔ وہ ان حملوں کے روکنے میں والیان ملتان کے ساتھ تھے۔ ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں ملتان پر حملہ ہوا تو وہ ملتان سے باہر تھے۔ فوراً معرکہ میں حصہ لینے واپس آ گئے۔ تیر اندازی میں کافی مہارت رکھتے تھے اور اس فن کی تربیت دیتے تھے۔

حافظ صاحب ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۲۲۶ھ/۲۹ رمئی ۱۸۱۱ء کو فوت ہوئے کسی نے تاریخ وصال کہی ہے ع

خرد ز سالِ وصالش چو جست و جوئے کرد
ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال[2]

۱۲۲۶ھ

حافظ صاحب نے دو شادیاں کی تھیں لیکن لاولد رہے تاہم اُن کے روحانی فرزندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُن کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری
۲۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی

---

[1] گلزار جمالیہ ص ۱۷
[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶

۳۔ مولانا زاہد شاہ

۴۔ مولانا غلام حسن ملتانی

۵۔ قاضی عیسٰے خان پوری

۶۔ مولانا حامد

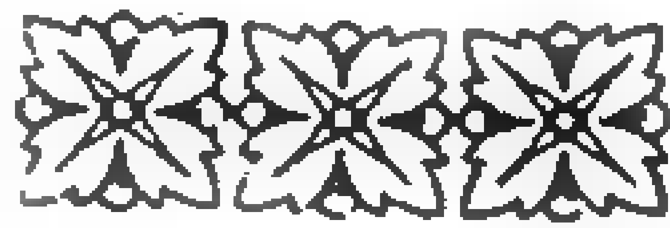
۷۔ صاحبزادہ غلام فرید

حافظ صاحب سے کوئی تصنیف یادگار نہیں البتہ اُن کے علم و فضل کے نقوش ملفوظات میں ملتے ہیں۔ ملفوظات کے اہم مجموعے یہ ہیں:

۱۔ خصائلِ رضیہ[۱] مرتبہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی

۲۔ انوارِ جمالیہ مرتبہ مولانا غلام حسن ملتانی

۳۔ اسرار الکمالیہ مرتبہ زاہد شاہ



۱۔ اس کا فارسی اور اردو ترجمہ "مخزنِ جمالیہ" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

مفتی محمد حسن

مفتی محمد حسن بن اللہ داد ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں مل پور (نزد گڑھی افغاناں) میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی کتابیں قاضی نور محمد سے موضع سنگ جانی (ضلع راولپنڈی) میں پڑھیں۔ صرف و نحو کی چند کتابیں قاضی گوہر دین سے پڑھیں اور مکھڈ گئے۔ منطق کی کتابیں مولوی محمد معصوم ساکن ڈھینڈہ (ضلع ہزارہ) سے پڑھ رہے تھے کہ وہ مدرس ہو کر مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے۔ مفتی محمد حسن نے درسِ نظامی کی تکمیل امرتسر میں مولوی محمد معصوم کے علاوہ مولانا عبدالجبار امرتسری (م ۱۳۳۱ھ)، مولانا نور احمد امرتسری (م ۱۳۴۸ھ) اور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (م ۱۳۵۲ھ) سے کی۔ جب مولانا تھانویؒ سے بیعت ہونے گئے تو اُنہوں نے دو شرائط عائد کیں۔ اوّلاً کسی قاری سے قرآنِ پاک کی مشق کریں اور ثانیاً کسی حنفی المسلک عالم سے حدیث پڑھیں چنانچہ ان شرائط کے مطابق قاری کریم بخش امرتسری سے قرآن مجید پڑھا اور دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر امرتسر میں درس و تدریس کا شغلہ اختیار کیا اور اپنی قابلیت کی وجہ سے بہت جلد مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس ہو گئے۔ "مسجد نور" امرتسر میں خطبہ جمعہ دیتے اور عموماً نمازِ فجر کے بعد قرآن کریم کا درس دیتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (م ۱۳۹۶ھ) اُن کے درسِ قرآن میں شریک ہوئے تو اپنے "تاثرات"، کو یوں شعری جامہ پہنایا ؎

یہ اعجوبہ بہ فیض و فضل مولانا حسن دیکھا
کہ امرتسر ہم نے آج اک تھانہ بھون دیکھا
دیا وہ درسِ قرآنی کہ آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا

درس وتدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی بھی ایک مستقل ذمہ داری تھی۔ ملک کے اطراف وجوانب سے استفسار آتے اور وہ پوری چھان بین اور تحقیق کے بعد جواب لکھتے تھے۔

رمضان ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء میں پہلی بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ انھوں نے فرمایا کہ پہلے حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری (خلیفہ مولانا تھانویؒ) سے تعلقِ اصلاح قائم کرو اور اُن سے خط وکتابت کرو۔ اُن کے ۲۵ خطوط کے تبادلے کے بعد جملہ خط وکتابت مجھے دکھاؤ۔ چنانچہ مفتی صاحب نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری سے مراسلت کی۔ دو سال میں خطوط کی تعداد پوری ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں اصلاح وتزکیہ کا ایک کورس پورا ہوگیا۔ مفتی صاحب نے تمام مراسلت مولانا تھانویؒ کو دکھائی تو انہوں نے ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ / ۳ جولائی ۱۹۲۵ء کو سلاسلِ اربعہ میں بیعت لی۔ بعد میں خلافت سے سرفراز کیا۔ مولانا تھانویؒ کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مفتی محمد حسنؒ امرتسر سے لاہور آگئے۔ مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے تبادلے میں مول چند بلڈنگ (نیلا گنبد) کا ایک حصہ الاٹ ہوا۔ وہیں ۸ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ / ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ امرتسر کی تجدید "جامعہ اشرفیہ" کے نام سے کی۔ "جامعہ اشرفیہ" جلد ہی معیاری دینی درسگاہ بن گئی اور اس کی وسیع عمارت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ فیروز پور روڈ پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لیے سو کنال اراضی خریدی گئی اور ۱۲ شعبان ۱۳۷۴ھ / ۲۸ مارچ ۱۹۵۵ء کو نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ مفتی صاحب نے چُن چُن کر فاضل مدرسین اکٹھے کیے اور "جامعہ" کو ملک کی بہترین دینی درسگاہوں میں لا کھڑا کیا۔

مفتی صاحب دینی واصلاحی خدمات میں مصروف تھے کہ اُن کے پاؤں پر ایک پھوڑا ہوگیا جس نے رفتہ رفتہ ساری پنڈلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹانگ میں شدید تکلیف رہنے لگی آخر ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق ٹانگ کاٹ دی گئی۔ اس تمام تکلیف میں صابروشاکر رہے اور کوئی کلمہ شکایت زبان پر نہ لائے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء / ۲۰ شوال ۱۳۷۱ھ کو فالج

کا حملہ ہوا۔ دوا دارو سے افاقہ ہو گیا مگر چلنا پھرنا موقوف ہو گیا۔ طویل بیماری کے بعد ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ/ یکم جون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری (خلیفہ مولانا تھانوی) نے پڑھائی اور سوسائٹی کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ قومی پریس نے اُن کی رحلت کو ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔ روزنامہ "کوہستان" نے اپنے تعزیتی اداریے میں مفتی صاحب کے سیرت و کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"آپ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اعظم اور اُن کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے۔ تقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم کہ ساری عمر کبھی اخبار نہیں پڑھا مبادا کوئی غلط بات (یا) تاثر ذہن میں قائم نہ ہو جائے۔ اور آپ کی دینداری اور پرہیزگاری کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی مجلس میں کبھی دُنیا کے چرچے اور دُنیا کی باتیں نہیں ہوئیں، ہمیشہ آخرت کا ذکر اور خدا کے دین کی باتوں کا چرچا رہتا۔ منکرات سے اجتناب کی یہ کیفیت کہ آپ کی مجلس میں کبھی کوئی غیبت نہیں سُنی گئی۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کا جذبہ و شوق اتنا کہ جوں ہی خود تحصیلِ علم سے کلی طور پر فراغت حاصل کی۔ امرتسر میں مسجد خیر الدین میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ کی تبلیغ و تلقین نے ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا۔"[1]

مفتی محمد حسنؒ کی رحلت پر کثرت سے تعزیتی نظمیں، قطعات اور مادہ ہائے تاریخ کہے گئے۔ جامعہ اشرفیہ کے ایک طالب علم نے قطعۂ تاریخ کہا ؎

وہ عالم وہ ہادیٔ دینِ متیں ۔۔۔ جُھکے جن کے آگے کہیں و مہیں
وہ جن سے ہے قائم پیامِ ازل ۔۔۔ محبت، عقیدت، یہ حُسنِ یقیں

---

[1] بحوالہ "تذکرۂ حسن" ص ۲۰۱ - ۲۰۲

زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں — رہی منتظر جن کی خلدِ بریں
یہ پوچھا جو احباب نے کون تھے — کیا ہے جنہیں دفن زیرِ زمیں
صدا دی یہ ہاتف نے تاریخ پر — محمد حسن مفتی شرع و دین

۱۳۸۰ھ

مفتی صاحب کے بیس خلفائے مجاز کے نام ملتے ہیں۔ جن میں پیر واعظ مولانا محمد یوسف، مفتی محمد خلیل اور مولانا شمس الحق افغانی جیسے علماء شامل ہیں۔ مفتی صاحب کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور چھ صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۲۔ حاجی ولی اللہ
۳۔ محمد عبد اللہ
۴۔ قاری مولانا عبد الرحمان نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ
۵۔ حاجی عبد الرحیم
۶۔ حاجی فضل الرحیم



محمد حسن فیضیؔ

ابوالفیض محمد حسن فیضیؔ بن نور حسین ضلع جہلم کے معروف گاؤں "بھیں" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قاضی عبدالحلیم (ساکن ڈھاب قاضیاں) کا نام ملتا ہے جو اُن کے ماموں تھے۔ موصوف ابوالفضل کرم الدین دبیر کے چچازاد بھائی تھے۔

مولانا ابوالفیض کو عربی زبان وادب پر قدرتِ کاملہ حاصل تھی۔ عربی زبان میں بلا تکلف لکھتے اور شعر کہتے تھے۔ اُن سے کئی قصائد یادگار ہیں جن میں سے بعض صنعتِ مہملہ میں ہیں۔ ملّا مبارک (م ۱۰۰۱ھ) کے بیٹے فیضیؔ (م ۱۰۰۴ھ) کی طرح زبان پر قدرتِ کاملہ کے پیشِ نظر اپنے لیے فیضیؔ کا تخلّص پسند کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو انجمن نعمانیہ لاہور نے اپنے مدرسہ کے لیے اُن کی خدمات حاصل کر لیں۔ موصوف کے اہم کارناموں میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی کا علمی تعاقب ہے۔ مرزا صاحب کو اپنی عربی دانی پر بڑا ناز تھا اور آئے دن علماء کو مقابلے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ ۱۳ فروری ۱۸۹۹ء کو مولانا فیضیؔ مسجد حکیم حسام الدین (سیالکوٹ) میں مرزا صاحب سے ملے اور صنعتِ مہملہ میں لکھا ہوا ایک قصیدہ مرزا صاحب کے سامنے رکھا تاکہ وہ اس قصیدے کے مطالب پر روشنی ڈالیں۔ مرزا صاحب اپنی ہمہ دانی کے باوجود نہ پڑھ سکے اور قصیدہ واپس کر دیا۔ مولانا فیضیؔ نے ۹ مئی ۱۸۹۹ء کو "سراج الاخبار" (جہلم) میں ایک اشتہار دیا جس میں یہ واقعہ تفصیل سے درج کر کے لکھا:

"اخیر پر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں، صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں۔ میں حاضر

ہوں، تحریری کریں یا تقریری، اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں۔ عربی ہو یا فارسی یا اُردو۔ آیئے سُنیئے اور سنایئے"

مرزا صاحب کی طرف سے خاموشی رہی تو انہیں ایک مکتوب لکھا اور اپنے شائع کردہ اشتہار کی جانب توجہ دلائی۔ ۱۳ راگست ۱۹۰۰ء کو یہ مکتوب بھی "سراج الاخبار" میں چھپا اس میں مولانا فیضی نے لکھا تھا:

"میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں، تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجئے اور اطلاع کر دیجئے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کر دوں"

مگر جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔ اسی عرصے میں مرزا صاحب پیر مہر علی شاہ صاحب کو چیلنج دے رہے تھے۔ پیر صاحب ۲۴ راگست ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب سے زبانی مباحثے کے لئے بادشاہی مسجد لاہور پہنچ گئے۔ مرزا صاحب یہاں بھی نہ آئے۔ ۲۷ راگست کو مرزا صاحب کی آمد سے کامل مایوسی کے بعد جلسہ ہوا۔ اس میں مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مفتی عبداللہ ٹونکی کے ساتھ مولانا فیضی بھی شریک رہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ انہوں نے

"در بارۂ غرض انعقاد جلسہ و کاروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں"[1]

---

[1] مہر منیر ص ۲۴۲-۲۴۳۔ تیز تازیانہ عبرت ص ۱۵۳ دیکھئے۔

مولانا فیضیؔ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۱ء / ۵ر رجب ۱۳۱۹ھ کو فوت ہوئے اور بھیں ہیں دفنائے گئے۔

مرزا صاحب نے اُن کی وفات کو اپنی صداقت کا نشان قرار دیا[1] کہ اُن کے مخالفین زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں راہی ملکِ عدم ہوئے اور اپنے کاذب ہونے کی گواہی دی۔

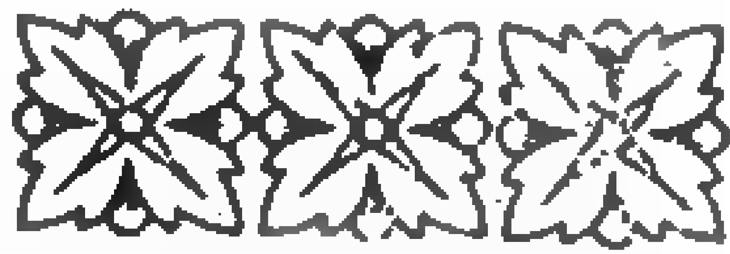
مولانا فیضیؔ سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ (صنعتِ مہملہ میں ہے جو طبع نہیں ہو سکی)

۲۔ روح الربٰی فی حقیقت الربوٰ۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے اور غیر مسلموں سے سود لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

۳۔ القرائض الفیضیہ فی الفرائض والولاء والوصیۃ (عربی منظوم)

مولانا فیضیؔ کے جانشین اُن کے قابل فرزند مولانا فیض الحسن فیضؔ ہوئے تھے۔



---

[1] حقیقت الوحی

سیّد محمد حسین شاہ علی پوری

حافظ سید محمد حسین شاہ بن امیر ملت پیر حافظ جماعت علی شاہ علی پوری ۱۲۹۷ھ/ ۸۰-۱۸۷۹ء سے کچھ پہلے پیدا ہوئے۔ حافظ شہاب الدین سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرشید سے فارسی کتابیں۔ گلستان، بوستان وغیرہ پڑھیں اور ساتھ ہی مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد امرتسر میں مولانا حافظ نور احمد امرتسری سے استفادہ کیا۔ درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھ کر دہلی گئے۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں مفتی کفایت اللہ سے درسِ حدیث لیا۔ قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر، عربی زبان کے اُستادِ کامل ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سے پڑھا۔ مدرسہ امینیہ سے فارغ التحصیل ہوئے تو اُن کی دستار بندی مولانا محمود حسن نے کی۔ پیر سید اختر حسین صاحب لکھتے ہیں:

"مدرسہ امینیہ میں آپ نے دورۂ حدیث ختم کیا تو دستار بندی کے لئے حضرت مولانا مولوی محمود الحسن صاحب تشریف لائے تھے۔ آپ نے ایک ایک طالب علم کی دستار بندی کی اور سندیں عطا کیں حضرت صاحبزادہ صاحب فطری تواضع و انکسار کے مطابق سب سے پیچھے تھے۔ جب آپ کی باری آئی تو دستاریں ختم ہو چکی تھیں۔ مولانا محمود الحسن صاحب کو معلوم ہوا کہ اب کوئی دستار نہیں رہی تو انہوں نے اپنی ٹوپی اور دستار اتار کر صاحبزادہ صاحب کی دستار بندی کی اور آپ کی ذہانت و فطانت کی تحسین فرمائی۔ آپ کی سند پر اپنے دستخط ثبت کئے اور آپ کے لئے دعا فرمائی۔ (یہ دستار اور سند اب تک ہمارے پاس محفوظ ہے)[۱]"

دہلی کے دورانِ قیام میں طبیہ کالج میں باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہوکر علی پور آئے اور مدرسہ نقشبندیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ فتویٰ وہی لکھتے تھے اور اکثر تدریسی کام بھی کرتے تھے۔ کتاب دوست عالم تھے انہوں نے مدرسہ کے کتب خانے میں قیمتی اور نادر و نایاب کتابوں کا اضافہ کیا۔

سیّد محمد حسین شاہ، ابتدا میں مولانا فقیر محمد چوروی سے بیعت ہوئے۔ اُن کے وصال کے بعد اپنے والد ماجد سے تجدیدِ بیعت کی اور اُن کے جانشین و خلیفہ ہوئے۔ موصوف مخیّر، متواضع اور بُردبار عالم تھے۔ اتباعِ سنّت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

آخری عمر میں موتیا بند کے شکار ہو گئے تھے۔ گوجرہ میں آپریشن ہوا۔ بینائی ٹھیک ہوگئی مگر اس کے بعد صحت خراب رہنے لگی۔ ۱۶ راکتوبر ۱۹۶۱ء/ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ کو فوت ہوئے اور علی پور سیّداں میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی اولاد میں سیّد اختر حسین (جانشین) سیّد انور حسین اور ایک صاحبزادی ہیں۔

سیّد مرحوم سے ایک تالیف "افضل الرسل" (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) یادگار ہے۔ اس کے علاوہ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" میں اُن کے کئی مقالات شائع ہوئے جو بصورتِ کتاب شائع نہیں ہوئے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱؎ سیرت امیر ملت ص ۶۷۳ - ۶۷۴

محمد حسین قصوری

مولانا محمد حسین بن میاں غلام احمد بن میاں احمد دین بن میاں نور محمد ۲ اکتوبر ۱۸۶۸ء / ۴ رجب ۱۲۸۵ھ کو قصور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اجداد میں سے میاں نور محمد نواحی موضع مرال سے قصور شہر میں آئے تھے۔ میاں نور محمد کے صاحبزادے میاں احمد دین مفتیٔ شہر کے منصب پر فائز تھے۔ انہوں نے کوچہ جھگیاں میں ایک مسجد تعمیر کروائی تھی جو آج تک "مسجد میاں احمد مرالی" کے نام سے معروف ہے۔

میاں احمد دین کے صاحبزادے اور مولانا محمد حسین کے والد ماجد میاں غلام احمد (م ۱۸۸۸ء / ۶-۵-۱۳۰۵ھ) امرتسر میں فارسی کے معلّم تھے۔

مولانا محمد حسین نے ابتدائی مکتبی تعلیم قصور میں حاصل کی۔ بعد میں والد ماجد کے ساتھ امرتسر میں رہے جہاں باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ ایف۔ اے کا امتحان دیا تو اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تاہم اُنہوں نے ۱۸۹۰ء / ۱۳۰۷ھ میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ایم۔ اے (فلسفہ) میں داخلہ لیا مگر بعض مجبوریوں کے باعث یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا۔ ایس۔ اے۔ وی کا پیشہ ورانہ امتحان پاس کر کے شعبۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔

ابتداء میں دو سال ڈیرہ غازی خان میں رہے۔ وہاں سے قصور تبادلہ ہو گیا اور تقریباً دس سال یہاں فرائضِ منصبی ادا کئے۔ کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء / ۱۷ رجب ۱۳۲۰ھ کو ایک ہندو کی اس شکایت پر سبکدوش کر دیئے گئے کہ وہ ثقلِ سماعت کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔

ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو اپنے مرشد پیر سید جماعت علی شاہ کے ارشاد

پرروہتک چلے گئے اور ڈسٹرکٹ جج کی کچہری میں "کلرک آف دی کورٹ" ہو گئے۔ چودہ سال روہتک میں قیام رہا۔ یہاں سے کرنال تبادلہ ہوا۔ آٹھ سال ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنال کی عدالت میں بحیثیت مترجم کام کیا۔ ۱۹۲۶ء میں پنشن حاصل کی اور مستقل طور پر وہیں مقیم ہو گئے۔ ۴؍شوال ۱۳۴۵ھ/۷؍اپریل ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔ اگلے دن کرنال میں حضرت شاہ بو علی قلندر رح۔ کے مزار کے قریب دفنائے گئے۔ مولانا غلام احمد اخگر امرتسری نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے

چوں محمد حسین مولانا	از پے آخرت کمر بربست!
روز چارم بداز مہ شوال	رشتہ زیں دار بے بقا بگسست
بے گماں سالک طریقت بود	شاغلِ ذکرِ حق بحق پیوست،
کلکِ اخگر نوشت سالِ وصال	کوکبِ سالکان بجنت رفت[1]

۱۳۴۵ھ

مولانا محمد حسین قصوری جن دنوں بی۔ اے کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری لاہور گئے۔ مولانا قصوری نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پیر صاحب نے انہیں خلعتِ خلافت سے نوازا۔ حضرت فقیر محمد چوروی رح نے بھی دستارِ خلافت عنایت کی۔

مولانا قصوری کے فارغ اوقات تبلیغ و ارشاد میں گزرتے تھے۔ کئی کئی دن دیہات میں مقیم رہتے اور سادہ لوح دیہاتیوں کو اللہ اور اُس کے رسول ؐ کا پیغام سناتے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں اپنے مرشد پیر سید جماعت علی شاہ رح کے ساتھ مراد آباد، بریلی، آگرہ، ایٹہ اور فرخ آباد کے کامیاب دورے کئے۔ اُن کے کارناموں میں سے ایک

---

[1] خزینۂ فیضِ قصوری ۳۵

"مسلم راجپوت ہائی سکول کلانور" کا قیام ہے۔ رہتک میں ایک ابتدائی مدرسہ "نصرت الاسلام" قائم کیا جو ایک عرصہ کام کرتا رہا۔

مولانا قصوری تعلیم و تبلیغ کے ساتھ مذہبی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے تھے۔ رسالہ "خدام الصوفیہ" اور "صوفی" (منڈی بہاء الدین) میں اُن کی نگارشات ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ارادت مندوں اور احباب کو تبلیغی مکاتیب ارسال کرتے رہتے تھے مکاتیب کا کچھ حصہ "خزینۂ فیضِ قصوری" میں شامل کر دیا گیا ہے۔[1]

مولانا قصوری کی اولاد میں صاحبزادہ مولانا نور احمد حیات ہیں اور دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔



---

[1] خزینۂ فیضِ قصوری ص ۱۵۱-۲۴۶

میاں محمد حسین نقشبندی

مولانا میاں محمد حسین بن کرم الٰہی بن حسن محمد بن برہان الدین ۹ محرم ۱۳۰۰ھ/ ۲۰ نومبر ۱۸۸۲ء کو موضع جھگیاں ناگرہ مضافات لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں کرم الٰہی تقویٰ شعار بزرگ تھے اور حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے۔

میاں محمد حسین نے ابتدائی تعلیم ڈھولنوال کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ یہاں مشفق اُستاد مولوی گلاب دین سے خصوصی استفادہ کیا۔ اس کے بعد پیر عبدالغفار شاہ (امام مسجد تکیہ سادھواں) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے فارسی کتابیں پڑھیں۔ مولانا فتح محمد اچھروی سے تین سال علمی استفادہ کیا۔ اُن کی رحلت پر مولانا عبدالعزیز مزنگوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فقہ و تفسیر کا مطالعہ کیا۔

میاں محمد حسین نے فنِ خوشنویسی میں مولوی نور الدین مرحومؒ سے استفادہ کیا تھا۔ میاں صاحب فارغ التحصیل ہوئے تو عملی زندگی کا آغاز بحیثیت منشی کیا۔ بیس سال اچھرہ کے بھٹوں میں منشی رہے اور اینٹوں کی آمد و خرچ کے حسابات رکھے مگر اس پیشے میں بھی اُن کی علمی لگن میں کوئی کمی نہ آئی۔ آخر اس شغل کو ترک کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تا دمِ زیست اسے جاری رکھا۔

میاں صاحب مولانا فتح محمد اچھروی سے تعلق بیعت رکھتے تھے۔ صوفیانہ اشغال اور تدریس سے جو وقت بچتا کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ کتاب دوستی کا

لہ مولوی صاحب رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ صغر سنی میں لاہور آ گئے تھے تمام عمر یہیں بسر کی۔ اونچی مسجد پاپڑ منڈی اندرون شاہ عالمی دروازہ میں رہتے تھے۔ فنِ کتابت گزر بسر کا ذریعہ تھا۔ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ۱۹۲۷ء میں فوت ہوئے۔

یہ عالم تھا کہ ضعیف العمری میں بعض نادر اور نایاب کتابوں کی قلمی نقول تیار کیں۔ گاہے ماہے پنجابی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور گدا تخلص کرتے تھے۔

۲۸ دسمبر ۵۸ء (۱۰/۶/۱۶ جمادی الآخری ۱۳۷۸ھ کو وفات پائی۔ حافظ خادم حسین خطیب جامع مائی لاڈو نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور موضع جھگیاں ناگرہ (لاہور) میں دفنائے گئے۔ پیر غلام دستگیر نامی نے قطعاتِ تاریخ کہے۔ ایک قطعہ یہ ہے:

تھے نام محمد سے حسین ایک جو موسوم
دل جنکا تھا اللہ کے اذکار سے مشحون
مسجد ہی میں مشغولِ عبادت رہے تا عمر
جاں دے کے ہوئے گوشۂ مسجد میں وہ مدفون
نامی نے کہی ہے بے سرانکار یہ تاریخ
"حاجی ہوئے مغفور" سنو عالم محزون[1]

۱۳۷۹ - ۱

میاں صاحب مرحوم کے تین فرزند ہیں:

۱۔ حکیم محمد اکرم
۲۔ حاجی محمد اعظم (خوشنویس)
۳۔ محمد عالم مختارِ حق۔ صاحبِ تصنیف و تالیف ہیں۔

---

[1] نقوشِ جمیل ص ۲۵

مفتی محمد خلیل

مفتی محمد خلیل موضع چونترہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا سلطان احمد گنجوی سے ابتدائی درسی کتابیں پڑھی تھیں۔ بعد میں دندہ شاہ بلاول (ضلع اٹک) میں مولانا ولی اللہ (انہی والے) کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فضیلت حاصل کی۔

مفتی محمد خلیل فارغ التحصیل ہو کر دیوبند سے وطن آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ تدریس و تعلم کے زمانے میں قرآن مجید حفظ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو ایک سال میں قرآن مجید یاد کر لیا۔ ایک عرصہ مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ میں مدرس رہے۔ حدیث و فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اُن کا فتویٰ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۳۶۴-۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں گوجرانوالہ میں فوت ہوئے۔ میت اُن کے آبائی گاؤں منتقل کی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مفتی محمد خلیل مرحوم کی تالیفات میں سے علامہ انور شاہ کاشمیریؒ (م ۱۳۵۱ھ) کی ترمذی شریف کی امالی ہیں جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔



قاضی محمد دین بُدھوی

قاضی محمد دین بن قاضی سید رسول ضلع راولپنڈی کے گاؤں بُدھو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر کے طلبِ علم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ فتح جنگ ضلع اٹک میں کچھ عرصہ قیام کر کے مولانا فضل حق رامپوری (م ۱۳۵۹ھ) اور حکیم برکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی خاطر رامپور اور ٹونک کے سفر کیے۔ مجموعی طور پر سات سال وطنِ مالوف سے باہر رہے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے گاؤں میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ منطق و فلسفہ کی کتابوں پر گہری نظر تھی۔ حمداللہ شرح سُلم العلوم کی کئی کئی سطری عبارتیں نوکِ زبان تھیں اُن سے استفادہ کے لیے بخارا، کابل اور قندھار کے طلبہ "بُدھو" جیسے گاؤں میں آتے تھے جس کی آبادی چند سو نفوس پر مشتمل تھی۔ قاضی صاحب اُردو، پنجابی اور پشتو میں درس دیتے تھے۔ اُن کی تقریر دلنشین اور مؤثر ہوتی تھی۔ اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے مگر ایک ایک مصرعہ پر سامعین کو رُلا دیتے تھے۔

مولانا قاضی محمد دین کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ اکثر مدارسِ دینیہ کے منتظمین اپنے مدارس کی کامیابی اس میں خیال کرتے تھے کہ وہ اُن کے مدرسہ میں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ امرتسر، کھٹڑ، ملتان (مدرسہ نعمانیہ) سیال شریف، وزیر آباد، بھیرہ، وڑچھا، شرق پور، بندیال، ہری پور اور چکوال میں مقیم رہے۔ آخر میں آبائی گاؤں آ گئے تھے۔ وہیں ۲۵ فروری ۱۹۶۴ء/ ۱۱ شوال ۱۳۸۳ھ کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور عام قبرستان میں دفنائے گئے۔

قاضی مرحوم سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی

۲۔ مولانا بشیر احمد پسروری مرحوم

۳۔ پیر محمد کرم شاہ

۴۔ مولانا محمد عبدالحق بندیالوی



محمد ذاکر بگوی

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبدالعزیز بگوی ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت "گل رنگین محمد ذاکر" ہے۔ والدِ ماجد نے اُن کی ولادت پر کہا ہے

ہاتفِ خدا آوازہ داد   مذاکرہ کشادہ باد

کتبِ درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور سولہ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ طبیہ کالج دہلی میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان سے علم طب میں خصوصی استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو لاہور میں عم محترم مولانا غلام محمد بگوی کے ہاں قیام پذیر ہوئے اُن سے تصوّف کی بعض کتابیں پڑھیں۔ ایک رائے کے مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کے اذکار و اشغال میں اُن کے اجازت یافتہ تھے۔

۱۳۱۱ھ/۹۴-۱۸۹۳ء میں انجمنِ حمایت اسلام لاہور کے "مدرسہ حمیدیہ"[1] میں صدر مدرّس مقرّر ہوئے۔ نہایت قابل اور محنتی مدرّس تھے۔ بہت جلد اُن کی شہرتِ تدریس دُور دُور پھیل گئی اور طالبانِ علم پروانہ وار رجوع کرنے لگے۔

۱۳۲۲ھ/۰۴-۱۹۰۳ء میں حضرت خواجہ محمد دین سیالوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ مولانا غلام دستگیر بیخود نے حضرت خواجہ محمد دین سیالوی کی حیات اور ملفوظات "برکاتِ سیال" کے نام سے مرتّب کئے ہیں۔ وہ

---

[1] انجمن حمایت اسلام لاہور نے ایک مدرسہ "تعلیم القرآن" کے نام سے قائم کیا تھا۔ جس کے مدرّسین میں قاضی خلیفہ حمید الدین (م ۱۸۸۷ء) بہت نامور ہیں۔ ان کی وفات کے بعد مدرسہ کا نام "مدرسہ حمیدیہ" پڑ گیا۔ ۱۹۱۱ء میں یہ مدرسہ انجمن کی خواہش پر بادشاہی مسجد سے منسلک ہوگیا۔

رقمطراز ہیں:

"ملفوظات زیادہ تر سیّد العاشقین حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کی روایات سے لکھے گئے ہیں۔ آپ کے اوقاتِ گرامی توحید و عشق اور اپنے پیرانِ عظام کے ذکر سے معمور تھے۔ حضرت اشرف الاولیاء خواجہ محمد دین سیالوی کے تو وہ نہ صرف مرید تھے بلکہ مراد تھے۔"[1]

سلسلۂ چشتیہ میں مجازِ خلافت تھے۔ بیخود صاحب نے اُن کے سیرت و کردار کے بارے میں لکھا ہے:

"حسن و جمال میں یکتا، نزاکت و لطافت میں منفرد تھے۔ علم و فضل میں کامل، شریعت و عشق سے بہرۂ وافر رکھتے تھے۔ نہایت خوش مذاق و خوش مزاج تھے۔ دل ذکر و فکر سے معمور تھا۔ زبان اولیاء اللہ کے ذکر سے سرشار تھی۔ عامۃ الناس کو خدا اور رسول کے احکامات کا پابند بناتے۔"[2]

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"میں ...... ۱۹۱۴ء / ۱۹۱۵ء کے سالوں میں ..... اکثر ایک فرشتہ سیرت و صورت شخص کو مسجد کے دروازے کے قریب ہی بڑ کے درخت کے نیچے عام طور پر نماز میں اکثر مصروف دیکھا کرتا تھا۔ آپ کا اسمِ گرامی مولانا الحاج محمد ذاکر ہے ..... آپ کو دیکھنا کسی بزرگ مقدس کا دیکھنا تھا۔ میں نے ایسا نورانی چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔ آپ مولوی غلام محمد بگوی کے داماد بھی تھے۔"[3]

---

[1] برکاتِ سیال

[2] ایضاً

[3] بادشاہی مسجد لاہور ص ۳۵

۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ/ ۱۹ جنوری ۱۹۱۶ء کو لاہور میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مسجد وزیر خان میں پڑھی گئی اور تابوت بھیرہ بھیجا گیا۔ جہاں خاندانِ بگہ کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ مادۂ تاریخ ہے:

ذاکر، ذکرِ نبی بود



محمد ذاکر جھنگوی

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبد الغفور ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں محمدی شریف ضلع جھنگ کے معروف دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدّامجد "میاں محمدی" سلسلۂ سہروردیہ کے بلند پایہ بزرگ تھے اُن ہی کے نام پر "محمدی شریف" بستی کا نام ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں اور مولانا محمد حسین (مدرّس خانقاہ سیال شریف) سے حاصل کی۔ دار العلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اُن کا خاندان سیال شریف کی خانقاہ سے وابستہ تھا۔ انہوں نے خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مولانا محمد ذاکر دینی تحریکات میں بھرپور حصّہ لیتے رہے۔ تحریکِ خلافت میں حصّہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ بعد میں مجلس احرارِ اسلام کی "تحریکِ کشمیر" میں کام کیا۔ وہ محمدی شریف سے ایک قافلہ لے کر کشمیر جانا چاہتے تھے کہ گرفتار ہوئے اور تین ماہ قید و بند میں گذارے۔

۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ میں ایک دینی مکتب قائم کیا جو ۱۰ر محرم ۱۳۵۲ھ/ ۱۴ر مئی ۱۹۳۳ء کو جامعہ محمدی کی شکل اختیار کر گیا۔ زندگی کے آخری دم تک جامعہ کی ترقی میں کوشاں رہے مگر جامعہ سے کبھی کوئی مشاہرہ قبول نہ کیا۔ گزر بسر ذاتی زرعی زمین کی آمدنی پر تھی۔

تحریکِ پاکستان کے زمانے میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ہمہ تن جامعہ کی ترقی میں مصروف ہو گئے تاہم اپنے بلند مقام اور اعلیٰ سیرت و کردار کے پیشِ نظر ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے رُکن بنے۔ دوبارہ ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رُکن چُنے گئے۔ تیسری بار ۱۹۷۰ء میں جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر

قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اسمبلی میں اُنہوں نے ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کی۔
جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے بعض ارکان برسرِ اقتدار جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ مولانا محمد ذاکر اُن باوقار افراد میں سے تھے جنہوں نے ناسازگار حالات میں بھی اپنی ہمدردیاں تبدیل نہ کیں۔

مولانا محمد ذاکر نے زندگی کے آخری آٹھ سال بیماری میں گزارے۔ اعضاء میں رعشہ آگیا تھا اور آزادانہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا تاہم یہ تمام عرصہ انہوں نے صبر و شکر سے گزارا۔ ۳، ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ / ۲۵، نومبر ۱۹۷۶ء کو واصل بحق ہوئے۔

مرحوم معتدل مزاج اور صلح کل بزرگ تھے۔ فرقہ وارانہ اختلافات سے کوسوں دُور تھے۔ اُن کا وجود منافرت زدہ ماحول میں بسا غنیمت تھا۔

محمد رفیق دلاوری

مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری اندازاً ۱۳۰۱ھ/۸۴-۱۸۸۳ء میں موضع دلاور تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔[۱] مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تعلیم پائی۔ بعد میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

دلاور سے تقریباً ترکِ سکونت کر کے لاہور آ گئے تھے اور علمی و تصنیفی کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ جنوری ۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔ اُن سے حسبِ ذیل مفید اور بلند پایہ کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سیرتِ کبریٰ (دو جلد)

۲۔ محسنِ اعظم (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۔ آئمہ تلبیس (جھوٹے مدعیانِ نبوت کا تذکرہ) دو جلد

۴۔ عماد الدین (فقہ حنفی کے مطابق مسائل نماز)

۵۔ رکعات التراویح (بیس رکعات کی تائید)

۶۔ سیرتِ ذوالنورین

۷۔ شمائلِ کبریٰ

۸۔ سیّدہ فاطمہ

۹۔ توہماتِ فرنگ (غیر مطبوعہ)

ایک ماہنامہ "درویش" (لاہور) بھی اُن کی ادارت میں چھپتا رہا ہے۔

---

[۱] "سیرتِ کبریٰ"، جلد دوم ص ۱۰۲۴ پر رقمطراز ہیں "موجودہ وقت میں کہ عمر ستّر سال سے متجاوز ہے"۔ اور یہ تحریر ۱۳ صفر ۱۳۷۱ھ کو لکھی گئی ہے۔

سیّد محمد زاہد شاہ ہمدانی

سیّد محمد زاہد ہمدانی سادات کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے اجداد میں سے حافظ سیّد محمد ہمدانی قصور وارد ہوئے تھے۔ خاندان میں علم و تقویٰ کی روایت تھی۔ حافظ سیّد محمد سے "فتاویٰ برہنہ" کی شرح یادگار ہے۔

سیّد محمد زاہد قصور میں پیدا ہوئے۔ حافظِ قرآن اور اہلِ سنّت کے متبحر عالم تھے۔ قاضیٔ لاہور، قاضی سعد الدین کے نائب تھے۔ علوم دینیہ میں دستگاہ کے ساتھ خطِ نسخ کے ماہر تھے۔

سیّد منوّر شاہ بن سیّد رحمت اللہ سے قادری سلسلہ میں بیعت تھے۔ ۱۲۱۸ھ / ۰۴-۱۸۰۳ء میں قصور میں فوت ہوئے اور ریلوے لائن قصور کے قریب دفنائے گئے طغیانی کے باعث یہ قبرستان معدوم ہو چکا ہے۔ مولانا نجم الدین نے اُن کی رحلت پر نظم لکھی۔ چند شعر یہ ہیں:

سیّد زاہد ہے روشن ضمیر — در ہدایت اوستادِ بے نظیر
عالمِ ربانی و عامل بعلم — بحرِ معنی کانِ تقویٰ کوہِ حلم
حق پرست و حق پژوہ حق پسند — با تواضع پست و باہمت بلند
سالِ تاریخش چو درا بجد بجست — نجم دیں بس پُر معاصی دُز نہفت
ہاتفے فرخندہ طالع گفت نیک — در زبانِ عربی الرضوان علیک

۱۲۱۸ھ

مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے عنفوانِ شباب میں انتقال کر گئے تھے۔ دو صاحبزادوں سیّد کامل شاہ اور سیّد ہاشم کی اولاد قصور اور خیر پور ٹامیوالی میں مقیم ہے۔

مرحوم کی حسب ذیل تحریریں ملتی ہیں:

۱۔ تعلیقات علی عذاب القبر لشرح العقائد (خطی)

۲۔ احادیث قدسیہ (//)

۳۔ مکتوبات (//)

سید محمد زمان شاہ نیازی ہمدانی

سید محمد زمان شاہ بن سید محمود شاہ (معروف بہ بلاقی شاہ) بن سید محمد شاہ بن سید ہاشم شاہ بن سید محمد زاہد ہمدانی اپنے ننھیال کھیم کرن میں ۱۲۷۲ھ/۵۶-۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان کئی نسلوں سے علم و تقویٰ کی سنہری روایات کا حامل تھا۔

سید محمد زمان شاہ کی ابتدائی زندگی اپنے آبائی گاؤں کوٹ مراد خان (قصور) میں گذری مولانا عبدالرسول نقشبندی سے تعلیم کا آغاز کیا پھر مولانا غلام محی الدین قصوری سے رشتۂ تلمذ استوار کیا۔ مولانا غلام دستگیر سے کافیہ، شرح تہذیب اور کنز الدقائق کا درس لیا۔ بعد میں خیر پور ٹامیوالی منتقل ہو گئے۔ مولانا عبدالرحمان خیرپوری، مولانا قاری فضل حق اور مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (م ۱۳۴۵ھ) سے استفادہ کیا اور درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا جس کا اظہار اُن کے خطوط سے ہوتا ہے۔ ایک خط میں اپنے شاگرد کو لکھتے ہیں:

> ”عرصہ کے بعد آپ نے بذریعہ عنایت نامہ یاد فرما کر مشکور فرمایا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ بندہ کے دل میں آپ صاحبوں کی وہی محبت سابقہ باقی ہے۔ اگر گلہ ہے آپ نے یاد فرمایا تو مسرت یہ محبت زائد ہوئی ورنہ اصلی محبت کامل ہے۔ واقعی کبھی کبھی ملاقات کو دل بھی چاہتا ہے مگر بظاہر حصولِ ملاقات نہایت مستبعد بلکہ محال ہے[1]“

فنِ طب سے دلچسپی تھی، ابتداءً حکیم نظام الدین خیرپوری سے استفادہ کیا۔ کافی عرصہ

---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف، ۳۲۶

ملتان میں رہ کر حکیم نصیر الدین سے کتب طب پڑھیں آخر میں حکیم حافظ غلام مصطفےٰ قصوری سے فنِ طب کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر ۲۷ دسمبر ۱۸۸۵ء کو نواب بہاولپور کے ذاتی سٹاف میں بھرتی ہوئے۔ یکم ستمبر ۱۸۹۴ء کو اپنی خدمات محکمہ عدالت میں بطور ریڈر منتقل کرالیں اور ترقی کرتے ہوئے چیف کورٹ ریاست بہاولپور کے ریڈر ہوئے۔

سید محمد زمان شاہ نے اپنے استادِ گرامی مولانا خلیل احمد بہاجر مدنی اور مولانا غلام محمد دین پوری سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ بدعات و رسومات کے تدارک میں کوشاں رہتے تھے۔ جمعہ کو شہر میں وعظ کہتے جس میں اصلاح معاشرہ پر زور دیتے تھے۔ اُن کا وعظ سادہ اور مؤثر تھا۔ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اُن کی خوشحالی ہمیشہ مدِ نظر رکھتے تھے۔ اس مقصد کے لیے سابق ریاست بہاولپور کو بعض مسوّداتِ قانون دیئے تھے۔

حق گو عالم تھے۔ اپنے اُستاد مولانا عبد الرحمان خیرپوری سے "طوافِ قبور" کے مسئلے پر اختلاف کیا۔ مولانا خیرپوری طوافِ قبور کے قائل تھے۔ دونوں کی تحریریں "کشف الستور عن طواف القبور" کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین نے مولانا سید محمد زمان شاہ کی رائے کو وائق قرار دیا۔ فقہ حنفی پر اس قدر گہری نظر تھی کہ بہاولپور کی عدالتیں اُن کی رائے کو وزن دیتی تھیں۔ بعض اوقات عدالتوں کی طرف سے مقدمات کی مسلیں اُن کے پاس رائے کے لیے بھیجدی جاتی تھیں۔

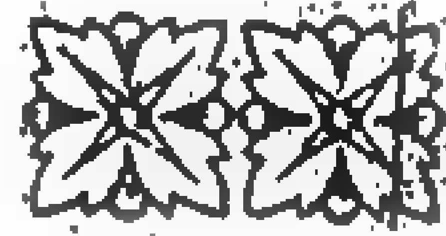
۱۴ شعبان ۱۳۵۵ھ / ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو خیرپور میں واصل بحق ہوئے۔ سید غلام محی الدین شاہ ہمدانی اُن کے اکلوتے فرزند ہیں۔

مرحوم بلند پایہ عالم، حاذق طبیب اور صاحبِ ثروت ہی نہ تھے بلکہ اچھے شاعر بھی تھے۔ نیازی تخلص کرتے تھے اُن کا کلام "صادق الاخبار" (بہاولپور) میں طبع ہوتا رہتا تھا۔ اُردو کے چند شعر بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

ہزاروں یاسمن قربان کروں میں ۔ ملے مجھ کو اگر خارِ مدینہ
ارم قربان ہے صدقے ہے جنت ۔ بہت دلکش ہے گلزارِ مدینہ
بہت بے چین ہوں فرقت میں یارب ۔ ملا دے مجھ کو غم خوارِ مدینہ
مرا سرمایۂ دانش ہے کافی! ۔ جنونِ عشق ہشیارِ مدینہ

اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ دیوان (خطی) ۲۔ تحفۃ الامیر (خطی)
۳۔ الف لیلیٰ (" ۔ فارسی) ۴۔ رسالہ ابطالِ سرود
۵۔ عمدۃ المناقب (مناقب سید عبدالقادر جیلانیؒ)



محمد سعید رواتی

مولانا محمد سعید بن مولانا محمد شفیع بن مولانا چراغ دین بن حافظ فضل الدین موضع روات تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں ۱۸۷۸ء/۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے جد اعلیٰ حافظ فضل الدین اعوان کاری سے ترکِ سکونت کر کے روات آئے تھے مولانا چراغ الدین معروف طبیب اور عالم دین تھے اسی طرح مولانا محمد شفیع بھی کوہستانی علاقے میں حاذق طبیب مانے جاتے تھے۔

مولانا محمد سعید نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اس کے بعد موضع سرسیداں ضلع باغ (آزاد کشمیر) کے مولانا سید نیاز علی شاہ سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ پڑنہ کچیلی کے ایک عالم سے۔ جو "متن متین" کی تدریس کی وجہ سے معروف تھے اور طلبہ میں "مولانا متن متین" کے عُرف سے پکارے جاتے تھے۔ علمی استفادہ کیا۔ بعد ضلع ہزارہ کے متعدد علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی سے استفادہ کیا آخر میں دارالعلوم دیوبند گئے اور چھ سال میں علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورۂ حدیث پڑھا اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔ مولانا محمد سعید تحصیل مری میں پہلے شخص تھے۔ جنہیں "فاضلِ دیوبند" ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔

فارغ التحصیل ہوتے تو ریاست ٹونک میں ایک سال تدریس کی۔ اس کے بعد جلالپور ضلع جہلم چلے گئے۔ پیر غلام حیدر شاہ جلالپوری کے پوتوں۔ پیر فضل شاہ، مہر شاہ، کرم شاہ اور محمود شاہ۔ کے آتالیق تھے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں پیر فضل شاہ مرحوم کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے ارشاد پر ۱۹۱۴ء/۱۳۳۲-۳۳ھ میں جامع مسجد راولپنڈی

کی خطابت قبول کی اور مسلسل چودہ سال یہ فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد تقریباً دو سال بھابڑا بازار راولپنڈی کی مسجد میں خطابت وامامت کے فرائض انجام دیئے۔ دینی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ طبابت اور تجارت کا شغل رکھتے تھے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۲۷ء/۳ رجب ۱۳۴۶ھ کو مولانا محمد سعید کے والد ماجد مولانا محمد شفیع کا انتقال ہو چکا تھا اور اہالیانِ مری مولانا محمد سعید پر زور ڈال رہے تھے کہ وہ راولپنڈی سے مری آ جائیں چنانچہ ۱۹۳۰ء/۴۹-۱۳۴۸ھ میں مولانا محمد سعید مری آ گئے اور مرکزی جامع مسجد حنفیہ مری میں خطیب مقرر ہوئے۔ تیس ۳۰ سال فرائض خطابت ادا کئے۔

مولانا محمد سعید کامیاب مدرس تھے۔ راولپنڈی کے زمانۂ قیام میں درسِ نظامی کی جملہ کتابیں پڑھاتے تھے اور تشنگانِ علم اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ کوہستانی علاقے میں اُن کا فتویٰ حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔ موصوف اتباعِ سنّت پر بہت زور دیتے تھے۔ اصلاح معاشرہ اور بدعات کے قلع قمع میں اُنہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی تھی۔ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے۔ علمی و دینی خدمات میں مصروف ۶ شوال ۱۳۸۴ھ/۱۰ فروری ۱۹۶۵ء کو راولپنڈی میں فوت ہوئے اور اپنی تعمیر کردہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں۔

۱۔ مولانا رضاء الرحمان (م ۱۳۸۱ھ)

۲۔ مولانا صدیق الرحمان فاضل دیوبند۔ خطیب جامع مسجد حنفیہ مری

۳۔ ظہور الحق ۴۔ مختار الحق

۵۔ ممتاز الحق



خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

خواجہ محمد سلیمان تونسوی بن زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان ۱۱۸۴ھ/۷۱-۱۷۷۰ء میں گڑگوجی ضلع لورالائی (بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔ افغانوں کے جعفر خانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والدِ بزرگوار کا انتقال اُن کی شیر خوارگی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے والدۂ مکرّمہ کی نگرانی میں تربیت پائی۔ چار سال کی عمر میں اپنے ہم قبیلہ ملّا یوسف سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن سے پندرہ پارے پڑھے۔ بعد میں ایک دوسرے عالمِ دین کی نگرانی میں قرآن مجید کی تکمیل کی۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد میاں حسن علی سے استفادہ کے لئے تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) آگئے اور اُن سے فارسی زبان و ادب کے نصاب میں سے پندنامہ عطار گلستان سعدی، بوستانِ سعدی وغیرہ چند کتابیں پڑھیں۔ تونسہ سے موضع لانگھ (تونسہ سے پانچ کوس جانبِ مشرق ایک قصبہ) چلے گئے یہاں کے مولوی ولی محمد سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔

فارسی زبان و ادب کا مروجہ نصاب پڑھ کر کوٹ مٹھن تشریف لے گئے۔ جہاں قاضی محمد عاقلؒ (م ۱۲۲۹ھ) نے علم و نظر کی بزم سجا رکھی تھی۔ اُنہوں نے قاضی محمد عاقلؒ سے علمی و دینی استفادہ کیا۔ منطق میں "قطبی" تک درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ کوٹ مٹھن میں مقیم تھے کہ اُنہیں خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ) کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔ فوراً اُن کے حضور میں پہنچے اور بیعت ہوئے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں وادیٔ تصوف میں گامزن ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے پیرِ طریقت سے آداب الطالبین، فقرات،

لوائح، عشرہ کاملہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔

۱۱۹۹ھ/۸۵-۱۷۸۴ء میں خواجہ مہاروی کے حکم پر دہلی کا سفر کیا۔ سفر کے مقاصد میں اہم ترین مقصد شاہ فخرالدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) سے استفادہ تھا۔ مگر ان کے دہلی پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب وصال پا چکے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان نے اکیس سال کی عمر میں خلافت حاصل کی اور تونسہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہیں ساٹھ سال تبلیغ و اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ اُنہوں نے تونسہ اور اس کے گرد و نواح میں کئی مدارس قائم کئے جن کے بارے میں مجمل معلومات ملتی ہیں[1]۔ تونسہ اُن کے دم قدم سے ایک عظیم دارالعلوم بن گیا تھا۔ خواجہ تونسوی خود درس دیتے تھے۔ اپنے ارادت مندوں کو تصوّف کی معروف کتابوں میں سے احیاء العلوم (امام غزالیؒ) اور فتوحاتِ مکیہ (ابن عربی) پڑھاتے تھے۔ موصوف قرآن و سنّت پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اُن کے ملفوظات میں اکثر قرآن و سنّت کے حوالے ملتے ہیں۔ فقہ حنفی پر عبور رکھتے تھے اور ضرورت مندوں کی راہنمائی کرتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے ابتدائی زندگی غریب الوطنی میں بسر کی۔ حصولِ خلافت کے بعد تونسہ کو مستقل مستقر بنایا تو غربت و عُسرت کا دَور تھا۔ مگر جلد ہی دنیا بدل گئی۔ اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ دہلی سے مولوی حیات علی اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کلاں صاحب اپنی رُوحانی پیاس بجھاتے اُن کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ بلند پایہ اہلِ علم کے ساتھ ساتھ اہلِ جاہ و حشم بھی اُن کے آستانے پر حاضری دیتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ شاہ شجاع (افغانستان) اُن کی خانقاہ میں عقیدت و احترام کے ساتھ حاضر ہوا۔ نوابانِ بہاولپور کو اُن سے ارادت مندانہ تعلق تھا۔ اہلِ دولت

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۲۰

کے رجوع کے باوجود خواجہ تونسویؒ کے استغنا کا وہی عالم رہا اور کبھی فارغ البالی کی زندگی گزارنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اُن کے مزاج میں قناعت اور توکل کی صفات بدرجہ اتم تھیں۔

خواجہ تونسویؒ ۷ صفر ۱۲۶۷ھ / ۱۲ دسمبر ۱۸۵۰ء کو فوت ہوئے۔[1] نواب بہاولپور نے ستر ہزار روپے کی خطیر رقم خرچ کر کے مقبرہ بنوایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے خواجہ تونسوی کا قطعۂ وصال کہا[2]

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمودہ
بیکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سالِ وفاتش ہاتفِ غیب
بگفت "او آفتابِ چشتیاں بود"

۱۲۶۷ھ

خواجہ تونسویؒ کی اولاد میں دو صاحبزادے۔ خواجہ گل محمد اور خواجہ درویش محمد تھے۔ دونوں خواجہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے اُن کے پوتے خواجہ اللہ بخشؒ تونسوی جانشین ہوئے۔

خواجہ تونسویؒ باسٹھ سال مسندِ ارشاد پر فائز رہے۔ ایک لاکھ سے زائد افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ انھوں نے کثرت سے خلافت و اجازت دی۔ اُن کے خلفاء میں سے کم و بیش ستر کے نام ملتے ہیں[3]۔ چند اہم نام یہ ہیں۔

---

[1] مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وفات ۹ صفر لکھی ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء ص ۱۱۲)
[2] مناقب المحبوبین ص ۱۹۹۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۶۲
[3] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۱۱

۱۔ مولانا محمد علی مکھڈی　　　۲۔ مولانا محمد علی خیر آبادی (م ۱۲۶۶ھ)

۳۔ مولانا نور جہانیاں بہاولپوری　　　۴۔ مولانا فاضل شاہ (گڑھی افغاناں)

۵۔ مولانا نور محمد نارووالہ　　　۶۔ مولانا امام الدین مؤلف "نافع السالکین"

۷۔ حاجی نجم الدین مؤلف "مناقب المحبوبین"　　　۸۔ مولانا شمس الدین سیالوی

خواجہ تونسویؒ سے کوئی تصنیف یادگار نہیں ہے تاہم اُن کے ملفوظات اور افادات اُن کے مریدوں نے یکجا کئے ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ مناقب المحبوبین ۔ حاجی نجم الدین (مطبوعہ)

۲۔ نافع السالکین ۔ مولانا امام الدین (")

۳۔ منتخب المناقب ۔ یار محمد ذوقی (غیر مطبوعہ)

۴۔ راحت العاشقین ۔ مولوی محمد (")

آخر الذکر دونوں غیر مطبوعہ کتابیں کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ کی زینت ہیں۔[1]



[1] مجمل فہرست کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی

پیر محمد شاہ جیلانی

پیر محمد شاہ جیلانی، سادات گیلانی کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے اجداد میں سے سیّد محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ برِ صغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ پیر محمد شاہ علوم متداولہ میں مہارت رکھتے تھے۔ فنِ کیمیا کے ماہر تھے۔ جفر و نجوم، عملیات اور طبابت میں اُن کا مرتبہ بلند تھا۔

۷۴ سال کی عمر میں ۱۹ محرم ۱۳۳۰ھ/ ۹ جنوری ۱۹۱۲ء کو فوت ہوئے۔ اُن کا مزار سنجر پور کے قریب ایک میل جانبِ شمال مشرق ہے۔ یہ بستی اُن کے نام سے منسوب "محمد آباد" ہے۔

پیر محمد شاہ جیلانی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے حاجی سیّد احمد شاہ جیلانی، سیّد مبارک شاہ جیلانی اور سیّد امام شاہ جیلانی تھے۔ ان میں سے سیّد مبارک شاہ جیلانی اپنے والدِ گرامی کے علم و فضل کے امین تھے۔ انہوں نے محمد آباد میں "مبارک اُردو لائبریری" قائم کی جو پنجاب کے اچھے کتب خانوں میں سے ایک ہے۔ مولانا عبدالرشید نسیم (طالوت) نے اس کتب خانے کے بارے میں لکھا تھا:

> "اُردو ادب کا جس قدر ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہے اتنا شاید ہی کسی فردِ واحد کے ذوق نے جمع کیا ہو[1]"

سیّد مبارک شاہ جیلانی ۲۱ نومبر ۱۹۶۹ء/ ۱۰ رمضان ۱۳۸۹ھ کو محمد آباد میں فوت ہوئے۔ آج کل اُن کے صاحبزادے سیّد انیس شاہ جیلانی "مبارک اُردو لائبریری" کے ذخیرے میں گراں قدر اضافے کر رہے ہیں۔



---

[1] بیاضِ مبارک ص ۱۰۱

حافظ سیّد محمد شاہ نیک اختر نوشاہی

خانوادہ نوشاہی کے چشم و چراغ حافظ سیّد محمد شاہ نیک اختر بن سیّد محمد امین ۱۲۸۱ھ/ ۶۵-۱۸۶۴ء میں متولّد ہوئے۔ علومِ مروّجہ کی تحصیل اپنے والدِ ماجد، عم عالی قدر سیّد محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ) اور سیّد غلام قادر بن سیّد عبداللہ نوشاہی سے کی۔ فقہ، ادب اور طب کی کچھ کتابیں مولانا جمال الدین حنفی گاکھڑوی سے پڑھیں۔

والد ماجد سے بیعت تھے اور اُن کی وفات پر زینتِ سجادہ ہوئے۔ تبلیغ اور اصلاح و ارشاد میں زندگی گزاری البتہ تبلیغ میں خاصے متشدّد تھے۔

۵۶ سال کی عمر میں ۲۲ محرم ۱۳۳۷ھ/ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دُنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

حافظ سیّد محمد شاہ نیک اختر پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل تحریریں خطی نسخوں کی صورت میں کتب خانہ نوشاہیہ ساہن پال کی زینت ہیں:

۱۔ فہرست تفسیر حسینی
۲۔ روزنامچہ محمد شاہی مرتبہ سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی
۳۔ کتاب الفوائد " " " " (عملیات، مناقب و تواریخِ بزرگان)
۴۔ مجرّبات محمد شاہی " " " "
۵۔ مکتوبات محمد شاہی " سید بشیر احمد بشارت نوشاہی
۶۔ ملفوظات نوشاہی " سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی

اُن کے دو صاحبزادے ہوئے۔

۱۔ سیّد سرورِ عالم۔ سات دن عمر پائی
۲۔ سیّد غلام مصطفےٰ نوشاہی (م ۱۳۸۴ھ) جانشین ہوئے۔

محمد شریف کوٹلوی

مولانا محمد شریف بن مولانا عبدالرحمان کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ علوم درسیہ کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔ اُن کے وصال کے بعد برصغیر کے ممتاز علماء سے علمی استفادہ کیا۔ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے اور اہل حدیث حضرات کے خلاف مناظرانہ رنگ میں لکھتے رہتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے اخبار "اہلحدیث" کے مشمولات کے جواب میں اُن کے کئی مضامین شائع ہوئے۔ اسی خدمت کے پیش نظر مولانا احمد رضا خان بریلوی نے انہیں "فقیہ اعظم" کا خطاب دیا تھا۔

مولانا محمد شریف مقبول مقرر تھے۔ وعظ و ارشاد میں ایک اسلوب خاص رکھتے تھے۔ تحریک آزادی میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے اور اُن کی اثر خیز تقاریر نے مسلم لیگ کے مقبول بنانے میں اہم حصہ لیا۔

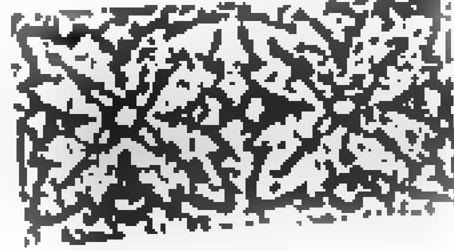
خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن کی طرف سے خلافت سے نوازے گئے تھے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھی انہیں خلافت واجازت مرحمت کی تھی۔

نوے سال کی عمر میں ۱۵ر جنوری ۱۹۵۱ء/ ۶ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ کو عالم فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے۔ مولانا ابوالنور محمد بشیر (مدیر ماہ طیبہ) اُن کے جانشین ہیں مولانا محمد شریف مرحوم کے قلم سے پچاس کے لگ بھگ کتابیں نکلی ہیں۔ اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ نماز حنفی مدلل
۲۔ کتاب التراویح
۳۔ صداقت الاحناف
۴۔ کشف الغطا

۵۔ تصوّرِ شیخ	۶۔ ضرورتِ فقہ
۷۔ اربعینِ حنفیہ	۸۔ فرقہ شیعہ کی ابتدا
۹۔ وہابیہ سے مناکحت	۱۰۔ مستورات کی نماز
۱۱۔ اربعینِ نبویہ	۱۲۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام
۱۳۔ کتاب الوتر	۱۴۔ دعا بعد جنازہ

علمائے اہل حدیث سے اکثر مباحثہ و مناظرہ کرتے رہتے تھے۔ گاہے گاہے اردو، فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔



محمد شریف نوری قصوری

مولانا محمد شریف نوری بن مولانا محمد دین ۱۳۵۳-۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں ضلع گجرات کے معروف گاؤں پکوڑی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان کنجاہ سے پاس کیا اور علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے دارالعلوم حنفیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال) میں داخل ہوئے۔ مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی سے استفادہ کیا اور اُن کی نسبت سے "نوری" کا لاحقہ اپنے نام کا جزو بنایا۔ ۱۹۵۳ء/۱۳۷۳ھ میں اجازتِ حدیث حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء/۱۳۷۴ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ میں ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر قصور میں خطیب مقرر ہوئے اور مسلسل آٹھ سال فرائضِ خطابت انجام دیئے۔ اُن کی آواز میں سوز اور گفتگو میں بلا کی تاثیر تھی۔ بہت جلد خطیب کی حیثیت سے اُن کی شہرت دُور و نزدیک پھیل گئی۔ قصور سے لاہور آ گئے۔ پہلے مسجد سبیل والی (شاہ عالم مارکیٹ) اور پھر سرائے رتن چند میں امام و خطیب رہے۔ آخر میں جامع مسجد محمدیہ (راوی روڈ) اُن کے مواعظ سے گونجنے لگی۔ انہوں نے مسجد کی تعمیر میں دلچسپی لی اور ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔

مولانا نوری کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ ۱۳۸۴ھ/۶۵-۱۹۶۴ء میں عراق کا سفر اختیار کیا اور واپسی پر فریضۂ حج ادا کیا۔ چوتھی بار ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں ارضِ حجاز گئے اور واپسی پر راستے میں بیمار ہو گئے۔ یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ/۱۳ مئی ۱۹۷۲ء کو فوت ہوئے۔ نمازِ جنازہ سید ابوالبرکات سید احمد نے پڑھائی اور جامعہ محمدیہ (راوی روڈ) کے صحن میں دفنائے گئے۔

مولانا نوری خوش بیان واعظ تھے۔ تقریر و وعظ عموماً پنجابی میں کرتے تھے۔ اُن کی

دلپذیر تقریروں سے متاثر ہو کر کلارک آباد (نزد رائے ونڈ) کے دو ہزار عیسائی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ فنِ تقریر میں کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ قلم و قرطاس سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ قصور کے زمانۂ قیام میں محمد علی ظہوری صاحب کے تعاون سے ماہنامہ "نور و ظہور" جاری کیا تھا جو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ لاہور آئے تو ماہنامہ "الحبیب" کا اجراء کیا جو چند سال اُن کی ادارت میں چھپتا رہا۔ رسائل و جرائد کے مقالات کے علاوہ اُن کی مستقل تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ بارہ تقریریں

۲۔ آفتابِ سنّت ردِ چراغِ سنت (تالیف: فردوس علی شاہ صاحب)

۳۔ نشری تقریریں

۴۔ مسئلہ گیارہویں

۵۔ حرمتِ تعزیہ داری

۶۔ عرب کا مسافر



مفتی محمد شفیع گنجیالی

مفتی محمد شفیع گنجیالی ایک علم دوست خاندان کے فرد تھے۔ اُن کے چچا مولانا احمد دین کیلوی بہت بڑے فقیہ تھے اور علوم متداولہ پہ گہری نظر رکھتے تھے۔ مولانا ابوالسعد احمد خان (کندیاں) کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔

مفتی محمد شفیع نے آغازِ طالب علمی میں مولانا احمد خان سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ ذہین و ذکی طالب علم تھے۔ اسباق میں جرح اور اعتراضات سے بعض اوقات اساتذہ کو بے بس کر دیتے تھے۔ اسی ذہانت کے ہاتھوں مدرسہ سے اُن کا نام خارج کر دیا گیا۔ لاہور سے امرتسر گئے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں دار العلوم دیوبند جا کر سندِ فضیلت حاصل کی۔

مفتی صاحب جامع مسجد خوشاب ضلع سرگودھا میں خطیب تھے۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں مصروف رہتے تھے۔ مولانا ابوالسعد احمد خان سے سلسلۂ نقشبندیہ میں تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔



محمد شفیق بگوی

مولانا محمد شفیق بگوی بن مفتی غلام محمد خاندانِ بگہ کے چشم و چراغ تھے۔ اپنے والد ماجد کے انتقال (۱۳۱۸ھ) پر شاہی مسجد لاہور کے امام و خطیب مقرر ہوئے ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں شاہی مسجد کا انتظام و انصرام کرنے والی انجمن اسلامیہ لاہور سے اختلاف پیدا ہوا اور فرائض منصبی سے الگ ہو گئے۔

مسجد کی امامت و خطابت کے علاوہ گورنمنٹ کی فرمائش پر قیدیوں کو وعظ و نصیحت کرنے سنٹرل جیل جایا کرتے تھے اور ایچی سن کالج میں عربی و دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔

شاہی مسجد کی امامت سے الگ ہو کر اپنے وطن بگہ واپس چلے گئے اور آخر اپنی زرعی اراضی کے انتظام کے لیے موضع مسن تحصیل و ضلع شیخوپورہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔

باوضع بزرگ تھے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"عید کے روز نہایت شان و شوکت سے مولوی صاحب (مسجد میں) تشریف لاتے تھے..... اور عید کے روز دورانِ خطبہ امام مسجد کو قزلباش خاندان کی طرف سے ایک دستار بھی زیب سر کرائی جاتی تھی"[۱]

مولانا محمد شفیق کے دو صاحبزادے مولوی مشتاق احمد اور حافظ نیاز احمد تھے۔



---

[۱] بادشاہی مسجد لاہور ص ۴۴

حافظ محمد صدیق لالی

حافظ محمد صدیق لالی، قصبہ لالیاں ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۵۲ھ/۴۰-۱۷۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت شاہ حلیم چنیوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ قصبہ پیر کوٹ سدہانہ کے ایک بزرگ، سید عبدالقادر جیلانی ثانی (م ۱۱۹۰ھ) کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور انہوں نے خلافت سے سرفراز کیا۔

سید عبدالقادر جیلانی ثانی کی وفات کے بعد چنیوٹ میں مقیم رہے۔ آخر میں قصبہ لالیاں اُٹھ آئے تھے۔ وہیں ۱۲۱۸ھ/۰۴-۱۸۰۳ء میں فوت ہوئے۔

حافظ محمد صدیق پنجابی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اپنے وقت کے جیّد عالم اور فقیہ تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ بحر العشق	۲۔ نور الحقیقت
۳۔ رسالہ چہل حدیث	۴۔ رسالۃ القرآن
۵۔ رسالۃ الجلیل	۶۔ بیس ٹوٹے
۷۔ عبرت نامہ	۸۔ فرحت نامہ
۹۔ حلیہ شریف	



قاضی محمد عاقل[1]

خواجہ قاضی محمد عاقل بن مخدوم محمد شریف بن مخدوم محمد یعقوب بن مخدوم نور محمد کوریجہ ایک صاحبِ دستار فاروقی خاندان کے چشم و چراغ تھے[2] مخدوم نور محمد (مدفون تحصیل لودھراں) عہدِ شاہجہان کے بلند مرتبہ صوفی تھے۔ ارادت خان وزیر شاہجہان اُن کا مرید تھا۔ شاہجہان نے ۵ ربیع الاولی ۱۰۴۴ھ کے ایک فرمان کے ذریعہ پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجاتِ خانقاہ کے لئے دی اور بعد کے مغل بادشاہوں نے اسے برقرار رکھا۔

قاضی محمد عاقل کے پوتے مخدوم محمد شریف قصبہ "یاراوالی" میں آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس یاراوالی اُن کا معتقد و مرید ہو گیا۔ اسی مٹھن خان نے مخدوم محمد شریف کے کہنے پر "مٹھن کوٹ" کی بنیاد رکھی اور مخدوم محمد شریف وہاں منتقل ہو گئے[3]

---

[1] بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام "عاقل محمد" لکھا ہے رک: ذکرِ کرام ص ۹۶ - ۶۶

[2] شاہی فرامین میں اس خاندان کے افراد کو "کوریجہ" لقب سے پکارا گیا ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ خاندان ہندی الاصل ہے۔ حاجی نجم الدین مؤلف "مناقب المحبوبین" نے اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ قاضی صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے اور پوچھا کہ اذان ہو چکی ہے؟ تو حاضرین نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے قریب رکھے ہوئے مٹی کے ایک برتن کو اٹھایا اور کہا کہ اے کوزہ تو اذان کہہ۔ اس وقت سے وہ "کوریجہ" معروف ہوئے۔ کوزہ کو سندھی زبان میں "کورا" کہتے ہیں اور کہنے کے لئے "چو" کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ لفظ "کوراچو" (اے کوزے۔ کہہ) تھا جو کوریجہ بن گیا۔

[3] ۱۰۹۰ھ میں مٹھن کوٹ میں منتقل ہوئے تھے (ذکرِ کرام ص ۹۶)

قاضی محمد عاقل ۱۱۵۱ھ/ ۳۹-۱۷۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور "یکتائے زماں و محدث دوراں" والد مخدوم محمد شریف سے درسیاتِ مروجہ کی تحصیل کی۔ بعد میں شاہ فخرالدین دہلوی اور خواجہ نور محمد مہاروی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ آخرالذکر سے انہوں نے حدیث میں سند حاصل کی تھی۔[۱] خواجہ گل محمد احمد پوری نے اُن کے تبحرِ علمی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"در عصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت در علم ظاہری ہم کسے نبود.....

خلوص علم از اصول وفروع بااں مشابہ بود کہ بدرجۂ اجتہاد رسیدہ بود۔"[۲]

فارغ التحصیل ہو کر کوٹ مٹھن میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ بعد میں شدانی منتقل ہوئے تو وہاں بھی مدارس قائم کیے اور علوم دینی کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔

قاضی محمد عاقل کے بڑے بھائی قاضی نور محمد ڈیرہ غازی خان میں ٹھیکیداری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ٹھیکے کی رقم ادا نہ کر سکے تو ناظم ڈیرہ نے قاضی محمد عاقل کو جو ضامن تھے گرفتار کر لیا۔ نو ماہ قاضی صاحب قید و بند میں رہے۔

قاضی صاحب خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ پنجاب میں سلسلہ نظامیہ کی اشاعت میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ احکام شریعت اور سنتِ نبوی کا بطور خاص خیال رکھتے تھے اور اپنے ارادت مندوں کو اتباعِ نبوی کی تعلیم دیتے تھے۔ بلند اخلاق، خوش پوش، قلیل الطعام اور خندہ رو شخصیت تھے۔ اکبر شاہ ثانی اُن کا قدردان تھا۔ شہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شاہ اُن کے مریدوں

---

[۱] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۷۹-۱۸۰

[۲] ایضاً ص ۱۳۹

میں شامل تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے اُن کے بارے میں کہا ہے ع

صحبت پیرِ مغاں ہم کو خوش آئی ہے بدل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

قاضی صاحب تقریباً چار ماہ بیمار رہ کر ۸ رجب ۱۲۲۹ھ/ ۲۶ جون ۱۸۱۴ء کو شملانی میں فوت ہوئے۔ میت کوٹ مٹھن لا کر سپردِ خاک کی گئی۔ قطعہ وصال یہ ہے:

دل زداغِ دردِ پُر سوز و لہب — جاں بلب شد چوں سخن گوید بلب
رفت از دارِ فنا سوئے بقا — رہبرِ دینِ ہدیٰ عالی نسب
مظہرِ نورِ محمد، فخرِ دیں — شہ محمد عاقل، محبوبِ رب
ہادیٔ خلقِ خدا رفت از جہاں — حسرتا دردا دریغا صد عجب
آہ واویلا وصد افسوس درد — کز جہاں نورِ جہاں شد محتجب
خُم تہی گشت و نماندہ صاف درد — درد باقی بہرِ مست و مضطرب
چوں کہ تاریخ دمِ سالِ وصال — از دلِ پُر درد و خود کردم طلب
سر زجیب بیخودی برکرد و گفت — روز ہشتم بود از ماہِ رجب

قاضی صاحب کے صاحبزادہ، میاں احمد علی (م ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ) سجادۂ مشیخت پر بیٹھے۔ یہ سلسلۂ اصلاح و تلقین تا حال قائم ہے۔

قاضی صاحب کے چند اہم خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ خلیفہ محمد اکبر (م ۳ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ)
۲۔ مولوی عبداللہ۔ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی تالیف "تسنیم" کی شرح "تنسیم" لکھی اور منطق کے رسالہ ایساغوجی پر حاشیہ لکھا۔
۳۔ مولوی محمد معظم (م ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ)
۴۔ خواجہ گل محمد احمد پوری مؤلف "تکملہ سیر الاولیاء"

محمد عبدالعلی متالوی

مولانا محمد عبدالعلی متالوی بن خواجہ محمد امین متال ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد سے علوم مروجہ کی تحصیل کی اور اُن کی مسندِ علم و درس کو رونق بخشی۔ مولانا محمد عبدالعلی ضلع راولپنڈی میں اپنے تفقہ فی الدین کی بدولت مرجع عوام تھے۔ دُور دُور سے حاجت مند لوگ اُن سے فتویٰ لینے آتے تھے۔

مولانا موصوف زندگی بھر سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ اُن کا اوڑھنا بچھونا کتابیں اور صرف کتابیں تھیں۔ موصوف نے فقہ کے موضوع پر ایک نادر اور عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا نایاب کتابوں کی نقلیں خود تیار کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ نے فنِ خوشنویسی سے اُنہیں بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والدِ ماجد سے مجاز تھے تاہم اپنے چچا خواجہ محمد حبیب اللہ (م ۱۳۲۵ھ) سے بھی تعلق ارادت تھا۔ خواجہ محمد حبیب اللہ نے اُنہیں حسبِ ذیل اجازت نامہ مرحمت کیا تھا:

> بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ مسمی مولوی عبدالعلی ولد حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ نزد فقیر آمدہ اجازتِ طریقت خواست۔ بندہ زوالد خود خواجہ احمد جی صاحب اجازت داشت۔ و او شاں از حضرت نتھیالوی و او شاں از حضرت تیراہی علی ہذا القیاس تا آخر سلسلہ کہ با بابکر صدیق رضؓ و رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم میرسد و نیز اجازت از حضرت تیراہی دارم۔ بخوشی خود مسمی مذکور را اجازت ہر چہار طرق کہ این چنیں از پیرانِ خود دارم، دادم۔ خصوصاً طریقۂ نقشبندیہ کہ اکثر اجرائش کردم۔ بشرطیکہ بر شرع شریف قائم و بر گفتہ فقرا دائم باشد۔

این الفاظ برائے سند نوشتہ کردم کہ یاد داشت باید۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم۔ ۱۲

فقیر حبیب اللہ بزبان خود اجازت داد"[۱]

مولانا محمد عبد العلی نے ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ / یکم مئی ۱۹۴۳ء کو وفات پائی۔ صاحبزادہ مولانا اصغر علی ستالوی اُن کے جانشین ہیں۔

مولانا ستالوی مرحوم سے مناظرانہ انداز کے چند رسائل یادگار ہیں مگر اُن کا اصل کارنامہ "فتاویٰ ستالیہ" ہے جو ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ اگر یہ "مجموعہ فتاویٰ" شائع ہوا تو فقہ حنفی کے موضوع پر ایک اچھا اضافہ ہوگا۔



---

[۱] ماہنامہ "المیزان" (لاہور) بابت اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۲۷

محمد عبداللہ سلیم پوری

مولانا محمد عبداللہ بن میاں نور محمد بن میاں قطب الدین موضع سلیم پور رسدھواں تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ کے ایک زمیندار گھرانے میں ۵ ر اکتوبر ۱۹۰۴ء/ ۲۶ ر رجب ۱۳۲۲ھ کو پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کے بعد ۱۹۱۱ء میں مقامی پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ بعد میں قصبہ سُوڈی ضلع لدھیانہ کے مڈل سکول سے اُردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔

مڈل تک جدید تعلیم حاصل کر کے مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری ساکن دھرم کوٹ (ضلع فیروز پور) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دو سال بعد مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ گئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ امرتسر میں زیر تعلیم رہے۔ شوال ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درسِ نظامی کے متوسطات سے دورۂ حدیث تک تمام تعلیم یہیں حاصل کی۔ ۱۳۴۵ھ میں اعزاز و انعام کے ساتھ سندِ فضیلت حاصل کی۔

شعبان ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر سرگودھا میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کے ہاں طبی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب فنِ طب میں علمی، تدریسی اور عملی اعتبار سے امامِ فن تھے اور مولانا ابوالسعد احمد خانؒ نقشبندی (خانقاہ سراجیہ کُندیاں) کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تعلیم میں مفتی عزیزالرحمان (م ۱۳۴۷ھ) سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا بعد میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کے زیر اثر مولانا ابوالسعد احمد خان مرحوم سے تعلق قائم کیا۔ مفتی عزیزالرحمان صاحب کی اجازت سے اُن کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی اور اُن کی صحبت اس قدر پُرکشش ثابت ہوئی کہ طب کی تعلیم وغیرہ چھوڑ کر خانقاہ سراجیہ کے ہو رہے۔

۱۲ ر صفر ۱۳۶۰ھ کو مولانا ابوالسعد احمد خان فوت ہوئے۔ انہوں نے اپنے وصیت نامہ

میں لکھا تھا:

"فقیر اپنا خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی کو مقرر کرتا ہے جن کو فقیر نے پوری توجہ اور دلسوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے۔ وہ اس خانقاہ میں جس کا نام خانقاہ سراجیہ مجددیہ ہے مقیم رہ کر ترویجِ سلوک اور توسیع سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہٰذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا۔"[1]

مولانا محمد عبداللہ نے باحسن وجوہ فرائضِ جانشینی ادا کیے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج و توسیع میں مصروف رہے۔ دینی اور علمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی اور خانقاہ کے کتب خانہ کی ترقی میں کوشاں رہے۔ حج کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے ایک نایاب قلمی کتاب "تحقیقات" کی نقل سات سو ریال دے کر حاصل کی۔ کتابوں کی تعداد میں اُن کی دریادلی سے خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

حج سے واپسی پر کراچی میں کسٹم آفیسر نے اُن کا سامان دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ سونا تو نہیں ہے؟ جواب میں انہوں نے فرمایا "ہمارے لیے سونا یہ کتابیں ہیں۔ اگر ہمارے پاس رقم کی گنجائش ہوتی تو ہم یہ سونا اور خرید لیتے۔"

کتابوں کی حفاظت اور جلد بندی کے لیے مولانا غلام محمد صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارن پور کو مامور کیا تھا اور انہوں نے یہ کام نفاست سے انجام دیا۔

مولانا محمد عبداللہ تقریباً ساڑھے سولہ سال سجادہ نشین رہ کر ۲۷ شوال ۱۳۷۶ھ/ ۷ جون ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے۔ دوسرے روز مولانا خان محمد صاحب نے نمازِ جنازہ

---

[1] تحفہ سعدیہ ص ۱۴۶

پڑھائی اور خانقاہ سراجیہ کندیاں میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے مولانا حافظ محمد عابد صاحب ہیں ۔



محمد عزیز بھیروی

مولانا محمد عزیز بن علی احمد بن نعمت اللہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی درسیات اپنے والدِ مکرم سے پڑھیں۔ بعد میں حصولِ علم کے لئے جونپور کا سفر کیا اور مدرسہ امامیہ حنفیہ میں مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ انصاری لکھنوی سے استفادہ کیا۔ آخر میں سہارنپور جاکر مولانا احمد علی محدث (م ۱۲۹۷ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔

مولانا محمد عزیز حنفی المسلک تھے مگر انہوں نے سیّد نذیر حسین دہلوی سے سندِ اجازت حاصل کی تھی اور لکھنؤ میں حکیم ابراہیم بن یعقوب سے فنِ طب سیکھا تھا۔

۱۳۱۰ھ/۹۳-۱۸۹۲ء میں فوت ہوئے۔[1]



---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۲۳،۴۲۴

محمد علی مکھڈی

مولانا محمد علی قریشی بن محمد شفیع بن محمد داؤد جلال آبادی کا آبائی وطن بٹالہ (مشرقی پنجاب۔ ہند) ہے۔ وہیں ۱۱۵۷ھ/۴۵-۱۷۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی خورد سال تھے کہ اُن کے والدین فوت ہو گئے۔ اُن کے برادرِ بزرگ مولانا عبدالرسول نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔ ابتدائی کتبی تعلیم اُن ہی کی نگرانی میں حاصل کی۔ حصولِ تعلیم کے لئے مختلف مقامات پر قیام کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا اسد اللہ بہاول پوری، میاں مصطفیٰ جی پشاوری، میاں مرتضیٰ جیبالی اور مولانا محکم الدین مکھڈی کے نام ملتے ہیں۔ مولانا محکم الدین سے میر زاہد کے اسباق پڑھ رہے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ مکھڈ کے مخیّر پراچہ خاندان نے اُن سے استدعا کی کہ وہ واپس وطن جانے کے بجائے اپنے اُستادِ محترم کے درس کو جاری رکھیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے گاؤں کی بڑی مسجد میں درس و تدریس شروع کر دی۔ وہ مسجد آج تک "مسجد مولوی صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا محمد علی کسی ولیٔ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ علاقہ سون سیکسر میں ایک بزرگ میاں ابراہیم ہیں۔ چنانچہ اُن کے ہاں بیعت کے ارادے سے گئے مگر جب میاں ابراہیم کے گاؤں پہنچے تو معلوم ہوا کہ:

"میاں صاحب نماز باجماعت ادا نہیں فرماتے۔ علیحدہ اپنے مکان میں پڑھتے ہیں۔ تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ جو شخص ایسی سنّت مؤکدہ کا تارک ہے میں اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں نہیں دیتا۔"[۱]

چنانچہ واپس مکھڈ آ گئے اور اپنے شاگرد خواجہ شمس الدین سیالوی کو ہمراہ لے کر

---

[۱] تذکرۃ الولی ص ۱۳۱

تونسہ شریف گئے۔ چھ ماہ تونسہ میں مقیم رہے اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے بیعت ہوئے۔ خواجہ تونسویؒ نے خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

مولانا محمد علی مکھڈ میں ارشاد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ مولانا قطب الدین غورغشتویؒ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"میرے دادا صاحب فرماتے تھے کہ علمِ ظاہری کا شغل، باطنی کمالات کا پردہ ہو جاتا ہے لیکن میں حضرت مولانا کے کمالات سے حیران ہوں کہ باوجود شغل علم ظاہری کے علمِ باطن بھی موجزن ہے اور علمِ ظاہری کمالاتِ باطن کا حجاب نہیں ہو سکا۔"[۱]

مؤلف "قصرِ عارفان" نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"مولانا شاہ محمد علی مکھڈی کہ فضیلت کمال و تبحر در معقول و منقول داشت و طبع موزوں و فکر رسا در طریقت استعداد کافی و در سخا و رضا و صبر و تحمّل و صفا منزلتِ رفیع و در تعلیم طالبان خاصیتِ کیمیا۔"[۲]

۲۹ رمضان ۱۲۵۳ھ / ۲۷ دسمبر ۱۸۳۷ء کو طلوعِ صبح سے پہلے انتقال ہوا۔ قاضی بہاء الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اُسی روز مکھڈ میں دفنائے گئے۔ "رئیس المشائخ" (۱۲۵۳ھ) سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

مولانا محمد علی نے تمام زندگی تجرد میں بسر کی۔ اُن کے دس[۳] خلفاء کے نام ملتے ہیں۔ چند اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ محمد عابد جی (م ۱۶ ربجمادی الاخریٰ ۱۲۶۲ھ) ۲۔ خواجہ زین الدین

۱؎ تذکرۃ الاولیاء ص ۳۹ ۲؎ قصرِ عارفان ص ۳؎ مؤلف "مناقب المحبوبین" نے بھی "عالم علومِ ظاہری و باطنی" قرار دیا ہے۔

۳۔ قاضی بہاء الدین قریشی

۴۔ میاں ابراہیم لنگڑیالی

مولانا محمد علی سے کوئی تالیف یادگار نہیں البتہ مولوی عبد النبی (ساکن بھوئی ضلع راولپنڈی) نے اُن کے ملفوظات "تذکرۃ المحبوب" کے نام سے جمع کئے ہیں۔

مولانا محمد علی فارسی اور پنجابی کے اچھے شاعر تھے "مولوی" تخلص کرتے تھے۔ اُن کا کلام مولوی محمد الدین بکھڈی نے "تذکرۃ الولی" میں یکجا کر دیا ہے۔ بطورِ نمونہ ایک فارسی نظم مندرجہ ذیل ہے[1]

ہر زمانے دلبرِ ما شکل پیدا می کند
عاشقاں را بر جمالِ خویش شیدا می کند
آید از بہر تماشا سوئے بازارِ جہاں
چوں ببیند ہر طرف خود را تماشا می کند
با کمالِ حسنِ صورت بر مثالِ احمدی
خویش را در یثرب و بطحا ہویدا می کند
مولویا می کنم سرِ انا الحق بس نہاں
لیک خود عشق ایں سخن را آشکارا می کند



---

[1] تذکرۃ الولی ص ۱۱۸

محمد علی جالندھری

مولانا محمد علی جالندھری نے ۱۸۹۵ء/۱۳-۱۳۱۲ھ میں قصبہ رائے پور ارائیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر کے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھیں کھولیں اُنہوں نے ابتدائی تعلیم قریبی گاؤں رائے پور گوجراں کے مدرسہ "جامعہ رشیدیہ" میں حاصل کی یہاں مولانا فقیر اللہ رائے پوری سے استفادہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں مروجہ دینی نصاب کی تکمیل کی اور سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا جالندھری نے عملی زندگی کا آغاز ریاست کپورتھلہ کے مشہور قصبہ سلطان پور لودھی میں مدرس کی حیثیت سے کیا۔ تین سال یہاں رہے۔ ۱۹ر شوال ۱۳۴۹ھ/ ۹ر مارچ ۱۹۳۱ء کو مولانا خیر محمد جالندھری نے مولانا احمد بخش (م ۲۲ رشعبان ۱۳۵۰ھ) اور اُن کے تعاون سے اٹاری بازار جالندھر میں مدرسہ "خیر المدارس" کی بنیاد رکھی تو اس مدرسہ میں بطور مدرس کام کرنے لگے۔ جالندھر کے زمانۂ تدریس میں رفض و بدعت کے خلاف آواز بلند کی اور کئی مناظرے کیے۔ زندگی درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کی مصروفیتوں میں گزر رہی تھی کہ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک شروع ہوئی۔ اُس زمانے میں سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی تشویق سے مجلس احرارِ اسلام میں شامل ہوئے۔

مولانا جالندھری نے مجلس احرارِ اسلام کے شعبہ تبلیغ کو اپنی انتظامی صلاحیتوں اور خطیبانہ عظمتوں سے چار چاند لگائے۔ عوام کی زبان میں گفتگو کرنا اور سادہ مثالوں سے اپنی بات سامعین کے دلوں میں اتار دینا مولانا جالندھری پر ختم تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب اور اچھے عوامی مقرر تھے۔

دوسری عالمگیر جنگ میں فوجی بھرتی کی مخالفت میں پیش پیش تھے چنانچہ گرفتار ہوئے اور ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۲ء تین سال کا عرصہ جالندھر، گجرات اور امرتسر کی جیلوں میں

گزارا۔ اسی زمانۂ اسیری میں اُن کے والدِ ماجد اور دو بھائیوں کا انتقال ہوا مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

۱۹۴۲ء میں مولانا جالندھری کا خاندان ترکِ وطن کر کے صادق آباد (پنجاب) آ گیا مگر اُنہوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں اور دعوت و تبلیغ کا مرکز ملتان کو بنایا۔ مسجد سراجاں والی حسین آگاہی میں خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ اُن کے بارے میں مشہور ہے کہ جمعہ کے لیے دور دراز کے سفروں اور دوروں سے بھی ملتان آ جاتے تھے۔ آخر دم تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

قیامِ پاکستان پر مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم بھی ملتان آ گئے۔ مولانا محمد علی نے مدرسہ خیر المدارس جالندھر کا احیاء کرنے میں بھرپور کام کیا۔ چنانچہ ۲۲، ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ/۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خیر المدارس ملتان نے کام شروع کر دیا۔

پاکستان بننے پر مجلس احرارِ اسلام کی سیاسی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ "مجلسِ تحفظ ختمِ نبوّت" کی تشکیل کی۔ اس جماعت کے پہلے امیر شاہ صاحب اور ناظمِ اعلیٰ موصوف تھے۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد قاضی احسان احمد شجاع آبادی امیر چُنے گئے اور وہ بدستور ناظمِ اعلیٰ رہے۔ مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے سٹیج سے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوّت میں کام کیا اور گرفتار ہوئے۔

۱۹۶۷ء/۱۳۸۷ھ میں قاضی احسان احمد صاحب کی وفات پر مجلس کے امیر منتخب ہوئے۔ دورانِ امارت میں اُنہوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مرکزی دفتر ملتان کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔ ملک بھر میں مجلس کی شاخیں قائم ہوئیں اور بیرونِ ملک کام کا آغاز ہوا۔

۵، اور ۶، اپریل ۱۹۷۱ء کی درمیانی شب ۸، صفر ۱۳۹۱ھ کو سلاں والی ضلع سرگودھا میں تقریر کر رہے تھے کہ دل کا دورہ پڑا۔ ۸، اپریل کو دوسری بار دورہ پڑا اور اسی بیماری

میں ۲۱ راپریل ۱۹۷۱ء/ ۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ کو جان جانِ آفرین کے سُپرد کی۔

مرحوم حضرت عبدالقادر رائے پوری کے مُرید تھے اور اُن سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کے پاس حضرت رائے پوری مرحوم کا جُبّہ تھا جسے بطورِ کفن استعمال کیا گیا۔



۲۰۹

مفتی محمد عمر شمس آبادی

مفتی محمد عمر بن فضل حق محدث شمس آبادی بن مولانا برہان الدین بن مولانا محمد منیر، شمس آباد (ضلع اٹک) کے بلند پایہ علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا فضل حق محدث شمس آبادی ابتدائی عمر میں حجاز چلے گئے تھے اور مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں زیرِ تعلیم رہے تھے۔ انہوں نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ)، قاری محمد عبداللہ، مولانا عبدالاول جونپوری اور مولانا احمد حسن نور سے مدرسہ صولتیہ میں اکتسابِ فیض کیا۔ کتبِ تصوف، بطورِ خاص مثنوی معنوی مولانا امداداللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ) سے پڑھی تھی سدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی سندِ فضیلت کے ساتھ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے تجوید کی حسبِ ذیل سند بھی عنایت کی:

"بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ امابعد کہتا ہے فقیر حقیر رحمت اللہ بن خلیل الرحمان عفا عنہما و تجاوز عن سیاتہما کہ مولوی فضل حق بن مولوی برہان الدین صاحب مرحوم ساکن شمس آباد ضلع راولپنڈی ملک پنجاب ماہ ربیع الثانی ۱۲۰۵ھ میں داخل مدرسہ صولتیہ ہوئے۔ جس کا ناظر یہ فقیر ہے اور تحصیل تجوید قرآن شریف واجہ مصری میں مصروف ہوئے۔ مدرسین مدرسہ سے ایک مرتبہ قرآن شریف خوب تحقیق و تدقیق سے پڑھا اللہ کے فضل سے خوب پڑھتے ہیں اور شاطبی مع شرح اور جزری مع شرح اور تحفۃ الاطفال مع شرح فتح الاقفال یہ سب کتابیں بھی خوب محنت سے پڑھی (پڑھیں) اور اس مدت میں اُن کے چال چلن بھی اچھے رہے۔ اب جو ماہ صفر المظفر ۱۲۰۷ھ ہے اور ارادہ وطن جانے کا کیا اور سند مدرسہ کی طلب کی چونکہ لائق اور محنتی ہیں موافق اُن کی طلب کے، یہ سند

مدرسہ سے اُدی گئی۔ اور وصیت کرتا ہوں ان کو تقویٰ طہارت کی۔ اور اس بات کی کہ اوقات خاصہ میں ہم (مجھ) کو دعا سے فراموش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نفع پہنچاوے اُن سے خلقت کو اور توفیق نیک دے ہم کو اور اُن کو اور سب مسلمانوں کو آمین ثم آمین فقط۔

تاریخ محررہ ۱۵ صفر المظفر ۱۳۰۷ھ از مقام مکہ معظمہ مدرسہ صولتیہ

العبد

محمد رحمت اللہ ہندی

مہتمم مدرسہ

نشان مہر عبداللہ	نشان مہر ۱۲۹۳

مفتی محمد عمر نے درسیات کا زیادہ حصہ اپنے والد گرامی سے پڑھا۔ اس کے علاوہ علاقہ چھچھ کے معروف فقیہ مولانا سید رسول اور کوہاٹ میں دو عالموں سے اکتساب فیض کیا تھا۔ کوہاٹ کے ان علماء کے نام معلوم نہیں ہو سکے البتہ وہ اپنے وطن مالوف کی نسبت سے "ملا شبقدر" اور "ملا تخ" کی صفات نسبتی سے پہچانے جاتے تھے۔

تحصیل علم کے بعد شمس آباد میں خطابت اور درس نظامی کی تدریس کی۔ بطور معاش کھیتی باڑی کرتے تھے اور دینی خدمات کسی مادی معاوضے کی توقع رکھے بغیر انجام دیتے رہے۔ جمعیت علمائے اٹک کے "مفتی" تھے۔ کتب فقہ پر اس قدر عبور تھا کہ مولانا نصیر الدین غور غشتوی اُن کے فتاویٰ پر عموماً تائیدی دستخط ثبت کر دیتے تھے۔ افسوس کہ اُن کے تمام فتاویٰ محفوظ نہیں رہ سکے۔ تقریباً ایک سو مسائل پر مشتمل "مجموعہ فتاویٰ" کا خطی نسخہ محفوظ ہے۔ مفتی صاحب علمائے دیوبند کے براہ راست شاگرد نہ تھے مگر اُن کی علمی و دینی خدمات کے معترف اور عقیدت مند تھے۔ اپنے پوتوں اور نواسوں کے نام بزرگان دیوبند

کی نسبت سے رشید، قاسم اور طیب رکھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں بھرپور کام کیا اور گرفتاری پیش کی۔ اٹک اور ملتان کے قید خانوں میں تقریباً چھ ماہ سنتِ یوسفی ادا کی۔ کہا کرتے تھے کہ سفرِ حج کے بعد زندگی کا دوسرا پُرلطف سفر، دورانِ قید میں اٹک تا ملتان تھا۔

مفتی صاحب شگفتہ مزاج، مجلس آرا اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ/ ۲۷ر اپریل ۱۹۵۷ء کو آبائی گاؤں میں فوت ہوئے۔

مفتی صاحب کی اولاد میں پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے حیات ہیں۔ صاحبزادے علمی و دینی کاموں میں مصروف ہیں۔

۱۔ مفتی محمد عثمان (فاضل دیوبند) گورنمنٹ ہائی سکول حضرو میں السنہ شرقیہ کے اُستاد ہیں۔

۲۔ حبیب الرحمان (فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

۳۔ محمد نعمان (منشی فاضل، ایف۔ اے)



محمد عمر بیربلوی

مولانا محمد عمر بن احمد سعید بن غلام مرتضےٰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء میں بیربل شریف ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ گھر پر قرآن مجید حفظ کیا اور شرح جامی تک کتابیں والد ماجد مولانا احمد سعید سے پڑھیں۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور دہلی میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے۔ اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے انگریزی کے بھی بعض امتحانات دیئے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ سات سال تک وہاں رہے۔

مولانا شیر محمد شرقپوری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ نقشبندی سلسلے کے بلند پایہ صوفیا میں شمار ہوتے تھے اور مرجع عوام تھے۔ مذہبی تفرقہ بازیوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ نمود و نمائش سے کوسوں دُور رہتے۔ سادگی ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔

۱۹۵۵ء / ۱۳۷۴ھ میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۲۶ اگست ۱۹۶۷ء / ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ کو لاہور میں فالج کے حملے میں وفات پائی۔ بیربل شریف میں دفنائے گئے۔ مصرعہ تاریخ وفات یہ ہے:

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

۱۹۶۷ء

مولانا محمد عمرؒ سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ انقلاب الحقیقت یعنی دستورِ تصوف

۲۔ التوحید

۳۔ طریقت کی حقیقت

۴۔ صراطِ مستقیم
۵۔ قرآنی نظریۂ حیات
۶۔ حقائق و معارف
۷۔ سلوک و مقصدِ سلوک
۸۔ زنبیلِ عمر

محمد عمر اچھروی

مولانا محمد عمر بن محمد امین بن عبد المالک قریشی ۱۹۰۲ء/ ۲۰-۱۳۱۹ھ میں ضلع قصور کی بستی شیرو کا ہنہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید گھر پر پڑھا اور لڑکپن میں حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ موضع چانوٹ (نزد پاکپتن) میں مولانا صلاح الدین سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد لکھو کے ضلع فیروز پور کے اہل حدیث علماء مولانا محمد حسین لکھوی اور مولانا عطاء اللہ لکھوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا محمد عالم سنبھلی سے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں اکتسابِ فیض کیا۔

درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھ کر مدرسہ رحمانیہ دہلی میں کتبِ حدیث پڑھیں۔ مولانا عبد اللہ روپڑی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ بعد میں مولانا احمد علی میرٹھی (شاگرد مولانا احمد علی سہارنپوری) سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

مولانا اچھروی ۱۹۳۴ء میں مستقل طور پر اچھرہ (لاہور) میں مقیم ہوئے اور لاہور میں علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ سولہ سال مسجد داتا گنج بخش میں خطابت کے فرائض انجام دیئے۔

مولانا اچھروی نے اہل حدیث اساتذہ سے تعلیم حاصل کی لیکن انہوں نے ا کی پیروی کی۔ مناظرانہ مزاج کے حامل تھے اور فروعی مسائل پر اہل حدیث اور دیوبندی علماء سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ کامیاب مقرر اور خوش الحان واعظ تھے۔

سلسلۂ طریقت میں مولانا شیر محمد شرقپوری سے منسلک تھے اور اُن سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ۲ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو لاہور میں فوت ہوئے نماز جنازہ سید ابو البرکات سید احمد مرحوم نے پڑھائی اور اچھرہ میں دفنائے گئے۔ صاحبزادہ

شرافت نوشاہی نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

زہے مولوی محمد عمر ۔۔۔ کہ در دینِ حق بود مثلِ قمر
ز ترحیلِ وے چوں شرافت بجست ۔۔۔ ندا گشت "حافظ محمد عمر"[۱]

۱۳۹۱ھ

مولانا محمد عمر اچھروی سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ مقیاس حنفیت
۲۔ مقیاس النور
۳۔ مقیاس المناظرہ
۴۔ مقیاس الصلوٰۃ
۵۔ مقیاس النبوۃ

ماہنامہ "المقیاس" بھی جاری کیا تھا جو کچھ عرصہ اُن کی نگرانی میں طبع ہوتا رہا۔
مرحوم کی اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں جو اُن کی علمی و دینی روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔



۱؎ تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۰۰

محمد غازی

مولانا محمد غازی موچی کرٹری ضلع اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔[1] مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ علم حدیث کی تحصیل مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) سے کی اور وہیں مدرس ہو گئے۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی بغرض حج گئے تو ان سے ملاقات ہوئی۔ پیر صاحب کے علوم و معارف سے متاثر ہو کر واپس وطن آئے اور جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں بطور صدر مدرس کام کرنے لگے۔ تدریس کے ساتھ افتاء نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔

جملہ علوم دینیہ میں تبحر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ میں گولڑہ شریف میں وفات پائی اور وہیں خواجہ سید نذر دین (والد ماجد پیر مہر علی شاہؒ) کے مزار کے پہلو میں مدفون ہیں۔

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں پیر سید مہر علی شاہؒ نے اہل حدیث عالم مولانا عبدالاحد خانپوری کے رسالہ "البیان والاخاشر" کے جواب میں "الفتوحات الصمدیہ" تالیف کی۔ اس کتاب میں پیر صاحب نے مولانا عبدالاحد سے بارہ سوالات دریافت کیے تھے۔ دو سال تک کوئی جواب سامنے نہ آیا تو مولانا محمد غازی نے ایک رسالہ "تجالہ بر دو سالہ" لکھا۔ جس میں پیر صاحب کے افکار و خیالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔[2]



---

[1] مولانا غلام مہر علی نے ان کا مولد "تربیلا ضلع اٹک" بتایا ہے۔ (الیواقیت المہریہ ص ۸۸)

[2] مہر منیر ص ۱۱۸، ۱۴۶، ۲۶۵، ۳۸۱ (ملخص)

سیّد محمد فضل شاہ جلالپوری

پیر سیّد محمد فضل شاہ بن خواجہ سیّد مظفر علی شاہ بن حضرت سیّد غلام حیدر علی شاہ ۱۴ رجب الاولی ۱۳۱۲ھ/ ۲۳ نومبر ۱۸۹۴ء کو جلالپور ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت جدامجد سیّد غلام حیدر علی شاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ قرآن مجید حافظ اللہ دین (ساکن چک شبیر محمد) سے ختم کیا۔ مولوی عبدالرحیم (ساکن کرٹی) سے سکندر نامہ تک فارسی، عربی صرف و نحو اور شرح وقایہ تک کتب فقہ پڑھیں۔ مولوی عبدالرحیم اُن کی تعلیم کے لئے آٹھ سال جلالپور میں مقیم رہے تھے۔ بعد میں مولانا فیض الحسن فیض، مولانا قادر بخش ملتانی، حافظ جلال الدین (ساکن کوٹ مومن) اور مولانا محمد سعید (متوطن مری) سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔[۱]

چودہ سال کی عمر میں اپنے جدامجد سیّد غلام حیدر علی شاہ سے بیعت ہوئے اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ۲ رشوال ۱۳۳۱ھ/ ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو دس افراد کے ہمراہ بغرضِ حج روانہ ہوئے۔ اُن کے ہمراہیوں میں اُن کے اُستادِ محترم مولانا محمد سعید اور ملک محمد الدین مدیر "صوفی" (منڈی بہاؤالدین) کے نام نمایاں ہیں۔ یہ قافلہ جلالپور سے بمبئی تک شہر بہ شہر ٹھہرتا ۹ رشوال ۱۳۳۱ھ/ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۳ء کو بمبئی پہنچا۔ چھ روز بعد بحری جہاز پر سوار ہوا۔ راستے میں مصر، فلسطین اور شام کا سفر کر کے ارضِ مقدس پہنچا اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد واپس وطن آیا۔ اس سفر میں ساڑھے تین ماہ کا عرصہ صرف ہوا۔

۱۔ ذکرِ حبیب ص ۱۲۷ و امیر حزب اللہ ص ۴-۱۸

۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ / ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو خواجہ سید مظفر علی شاہ کا انتقال ہوا۔ دوسرے دن ان کے سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے۔

پیر سید محمد فضل شاہ نے عارفانہ روایات کے ساتھ اصلاح معاشرہ اور مسلمانانِ ہند کی بیداری میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور آخر دم تک فعال رہے۔ اُن کے کارناموں میں جماعت "حزب اللہ" کا قیام سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ ۶ رجمادی الآخر ۱۳۴۶ھ / ۳۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو پیر سید غلام حیدر علی شاہ کے سالانہ عرس پر یہ جماعت وجود میں آئی اور پیر سید محمد فضل شاہ کو امیر تسلیم کیا گیا۔ پیر صاحب کے سوانح نگار ڈاکٹر عبدالغنی "حزب اللہ" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> "حزب اللہ خالصتاً ایک اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا اجراء ہندوؤں یا انگریزوں کی مخالفت کے لئے عمل میں نہیں آیا تھا اور نہ یہ کسی خاص فرقہ کی حمایت کے لئے قائم کی گئی تھی بلکہ اتحاد بین المسلمین کی داعی اور علمبردار تھی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے کسی خاص پہلو کی اصلاح نہیں تھا بلکہ یہ ایک جامع، ہمہ گیر اور ہمہ رس تحریک تھی۔ یہ تحریک ذہنی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی، عملی اور اجتماعی انقلاب برپا کرنا چاہتی تھی۔"[1]

"حزب اللہ" نہایت متحرک اور فعال تنظیم تھی جس کے ہزاروں رضا کار اصلاحی کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پیر صاحب مختلف مقامات کا سالانہ دورہ کر کے تنظیم اور تحریک کو قائم رکھتے تھے۔ رسالہ "ترجمان" (گجرات) جماعت کا آرگن تھا۔

---

[1] امیر حزب اللہ ص ۲۸۳

جس میں جماعت کی سرگرمیوں کی رپورٹ باقاعدگی سے چھپتی رہتی تھی۔ ماہنامہ "صوفی" (منڈی بہاء الدین) بھی جماعت کے نصب العین کے لئے کوشاں تھا۔

"حزب اللہ" کی سالانہ کانفرنس جلالپور میں منعقد ہوتی تھی۔ جس میں ملک کے مایۂ ناز مقررین، اہلِ علم اور شعرائے کرام شرکت کرتے تھے۔ "حزب اللہ" نے تحریک پاکستان میں فعّال کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کے حلقوں میں پیر صاحب کو عزّت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پیر سیّد محمد فضل شاہ کی تنظیمی صلاحیتوں سے "جمعیۃ المشائخ" قائم ہوئی۔ جس کے وہ ناظمِ اعلیٰ بلکہ روحِ رواں تھے۔ ۱۹۴۷ء کے جہادِ کشمیر میں ان کی نگرانی میں ہزاروں رضا کاروں نے حصّہ لیا وہ قیامِ پاکستان کے بنیادی مقصد نظامِ اسلام کے قیام کے لئے کوشاں تھے کہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۶ء کو اجل کا بلاوا آگیا۔

پیر صاحب کی نرینہ اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں:

۱۔ پیر سیّد برکات احمد (جانشین)

۲۔ سیّد حسنات احمد

۳۔ سیّد لمعات احمد

۴۔ سیّد شفقات احمد

۵۔ سیّد جمیل احمد

پیر صاحب کے ارادت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اُن کے چودہ خلفائے مجاز کا تعارف ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے لکھا ہے[1]

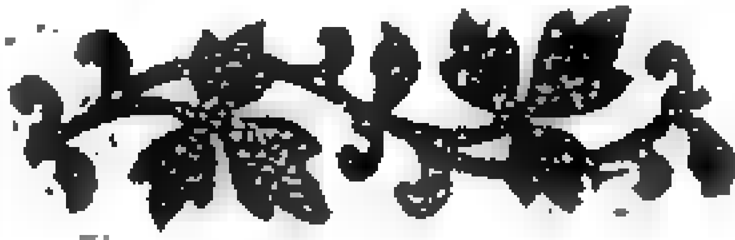
---

[1] امیر حزب اللہ ص ۵۲۸-۵۴۶

پیر سید فضل شاہ مرحوم سے کئی علمی مقالات[1] اور چند کتابیں یادگار ہیں۔ اہم ترین یہ ہیں۔

۱۔ حزب اللہ۔ جماعت حزب اللہ کا مفصل تعارف ہے۔ بعد میں اس کی تلخیص ایک رسالے کی صورت میں مرتب کی۔

۲۔ "جمعیت المشائخ" کا تعارف



[1] چند مقالات "امیر حزب اللہ" کے نویں باب میں درج کئے گئے ہیں۔ ص ۷۳۹ — ۸۱۸

محمد قاسم موہڑوی

خواجہ محمد قاسم موہڑوی اندازاً ۱۸۳۹ء/۵۵۔۱۲۵۴ھ میں موہڑہ شریف تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے ایک بزرگ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) کے زمانے میں وارد ہند ہوئے۔

خواجہ محمد قاسم کا خاندان تجارت پیشہ اور دیندار تھا۔ ابھی لڑکپن ہی تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ خواجہ محمد قاسمؒ نے برّصغیر کے مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کی۔ اور اکیس سال کی عمر میں علومِ مروّجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ انہوں نے راولپنڈی کے قریب موضع جگیوٹ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور علومِ مروّجہ کی تدریس شروع کی۔

خواجہ محمد قاسم موہڑویؒ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ نظام الدین (کیاں شریف۔ کشمیر) سے بیعت ہوئے اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ حصولِ خلافت کے بعد موہڑہ ضلع راولپنڈی میں سکونت اختیار کی اور تبلیغِ دین و اصلاحِ امّت کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔

خواجہ محمد قاسم موہڑویؒ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ/۱۲ نومبر ۱۹۴۳ء کو فوت ہوئے۔ موہڑہ تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں مدفون ہیں۔ اُن کے فرزند ارجمند پیر نظیر احمد (م ۲۸ محرم ۱۳۸۰ھ) اُن کے جانشین ہوئے۔



محمد موسیٰ پاک صدیقی ملتانی

خواجہ محمد موسیٰ پاک صدیقی بن حافظ محمد حیات، خواجہ فخر الدین عراقی (م ۶۸۸ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مولانا حافظ محمد جمال ملتانی سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے اور ان کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔

خواجہ محمد موسیٰ پاک اچھے عالم اور معروف مدرس تھے۔ سید محمد اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں:

"حضرت موسیٰ پاک کا علمی مشغلہ اتنا تھا کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں ستر اسی طلبہ موجود رہتے تھے۔ بسا اوقات تفسیر پڑھاتے وقت آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ تحریر کا کام کثرت سے کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ نے بیسیوں کتابیں اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائیں مگر سکھوں کی لڑائی میں اکثر کتب خانہ نذرِ آتش ہو گیا"[1]

خواجہ محمد موسیٰ پاک کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ نواب مظفر خان والیٔ ملتان کو اُن سے ارادت مندی تھی اور وہی اُن کے اخراجات کا کفیل تھا۔ ملتان کے قاضی القضاۃ محمد نادر اُن کے مخلص مرید تھے اور قاضی صاحب نے اپنے مرشدِ طریقت کے حالات میں ایک مثنوی ۱۲۵۶ھ میں مکمل کی تھی۔

خواجہ محمد موسیٰ پاک ۱۱ رجب ۱۲۶۱ھ / ۱۶ جولائی ۱۸۴۵ء کو فوت ہوئے اور حسین آگاہی (ملتان) میں دفنائے گئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے علم و ادب کی خدمات کی تھی۔

خواجہ محمد موسیٰ پاک کے فرزندِ یگانہ خواجہ محمد خدا بخش (م ۱۳۱۱ھ) تھے جو خواجہ خدا بخش خیرپوری کے مریدِ سعید تھے۔

---

[1] اولیائے ملتان ص ۲۶۶

محمد نذر شاہ جوکالوی

مولانا محمد نذر شاہ جوکالوی بن سید نور الدین ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۸-۱۳۱۸ھ میں جوکالیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں علم و فضل کی روایت کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ مولانا سید نور الدین انگریزی عہدِ حکومت میں تحصیل کے قاضی تھے۔

مولانا محمد نذر شاہ نے ابتدائی تعلیم ضلع گجرات میں تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ مولانا حسین علیؒ (واں بچھراں) سے قرآن مجید کا درس لیا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے بطورِ خاص استفادہ کیا تھا۔

مولانا موصوف کو طب سے دلچسپی تھی اور ایک عرصہ فنِ طبابت سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے رہے۔ کچھ عرصہ مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ موصوف مناظرانہ مزاج رکھتے تھے اور اختلافِ مسلک کی بنیاد پر مناظروں اور مباحثوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ نیک سیرت اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی آمدنی تین حصّوں میں تقسیم کر رکھی تھی۔ ایک حصّہ مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے وقف تھا۔ دوسرا حصّہ غرباء میں تقسیم کردیتے تھے اور تیسرے حصّے سے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔

مولانا محمد نذر شاہ ۴ر اگست ۱۹۷۲ء/۲۳، جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ کو اپنے آبائی گاؤں جوکالیاں میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

مرحوم کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اُن کے علمی آثار میں مولانا حسین علی کی امالی "بلغۃ الحیران فی ربط الآیات القرآن" کی ترتیب و تدوین شامل ہے۔

* * * * *

مفتی محمد نعیم لدھیانوی

مفتی محمد نعیم لدھیانوی بن محمد عبداللہ بن عبدالقادر لدھیانہ میں ۱۸۹۰ء/۰۸-۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اِس خانوادے نے حصولِ آزادی کی تحریکوں میں جان و مال کی بھرپور قربانی دی۔ مولانا عبدالقادر نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شرکت کی تھی۔ اُن کا جذبۂ حریت، اُن کی اولاد میں جاری و ساری رہا۔ دورِ آخر میں مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی (م ۱۳۷۶ھ) نے کافی شہرت حاصل کی کسی شاعر نے اس خاندان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

عالموں کا خاندان ہے لدھیانے میں مقیم!
فخر جس کا ہے حبیب اور ناز جس کا ہے نعیم
دینِ حق کو عام کرنا اُن کا نصب العین ہے!
مصطفٰے کا نام نامی اُن کے دل کا چین ہے
لرزہ براندام ہے ہر وقت اُن سے قادیاں
یہ اڑا دیتے ہیں ہر جھوٹے نبی کی دھجیاں

مفتی محمد نعیم لدھیانوی کے دادا نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف فتویٰ کفر دیا تھا۔

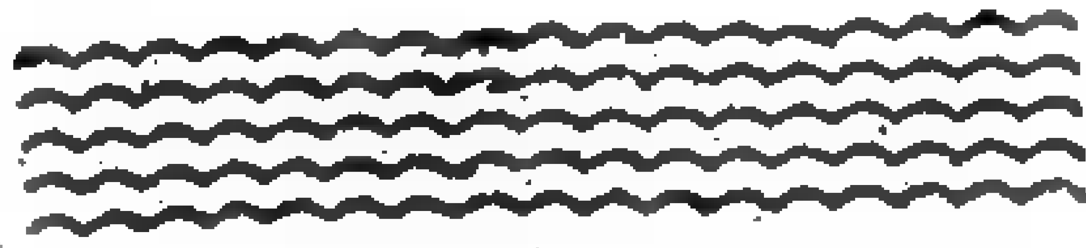
مفتی محمد نعیم نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ فارغ التحصیل ہوئے تو لدھیانہ میں "انجمن اصلاح دارین" کے زیرِ اہتمام ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو قیامِ پاکستان تک دینی تعلیم کا مرکز رہا۔ اس کے بعد مفتی صاحب ساہیوال آگئے۔ یہاں مدرسے کی

تجدید کی اور علمی و دینی خدمات میں مصروف رہے۔ اُن کی پوری زندگی اسلام کی سربلندی، اشاعتِ دین اور آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں گزری۔ سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند سے وابستہ رہے۔ پاکستان میں جمعیت علمائے اسلام کے رفقا میں شمار ہوتے تھے۔

۲۰ر شوال ۱۳۹۰ھ / ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو ساہیوال میں فوت ہوئے۔ دوسرے دن ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دفنائے گئے۔ دارالعلوم دیوبند کی سالانہ رپورٹ میں اُن کی وفات پر مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے:

"موصوف دارالعلوم کے فاضل قدیم، متحدہ ہندوستان اور پاکستان میں علمی و دینی خدمات کی وجہ سے ممتاز و مشہور اور ہندوستان کی سیاسی تحریکات کے نامور رہنما تھے۔ زندگی کا بڑا حصہ خدمتِ خلق میں گزارا اور ہمیشہ دینی و قومی جدوجہد میں مصروف رہے۔"[1]

مفتی صاحب سے چند اصلاحی اور تبلیغی پمفلٹ یادگار ہیں۔



---

[1] رودادِ عمل دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۰ھ) ص ۳

محمد ہاشم بگھاروی

مولانا محمد ہاشمؒ بگھاروی تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں بگھار کے رہنے والے تھے۔ راجپوت جنجوعہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۱۳ھ/ ۱۴ جنوری ۱۸۹۶ء کو اپنے مولد و مسکن میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

فوائدِ عثمانی میں اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ

"مردِ خلیق، مسکین الطبع و ہمواره ہمیں آرزو می داشتند کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تا وقت زیست مرا مسکین دارد و خاتمہ بر مسکنت کند و در روزِ قیامت در زمرۂ مسکیناں محشور گرداند۔"[2]



---

[1] "فوائدِ عثمانی" میں اُن کا نام "ہاشم علی" لکھا گیا ہے جو درست نہیں۔ خاندانی اندراجات کے مطابق ان کا نام "محمد ہاشم" تھا۔

[2] فوائدِ عثمانی ص ۱۵۸

مفتی محمد یار خلیق

مولانا مفتی محمد یار خلیق موضع جوڑہ کلاں ضلع شاہ پور میں ۱۸۲۵ء/۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم گاؤں میں حاصل کر کے حصول علم کے لئے بیربل شریف گئے۔ مدرسہ علوم شرعیہ بیربل شریف سے علوم مروّجہ کی تکمیل کی۔

ابتدائے عہدِ جوانی میں لاہور آئے۔ مدرسہ نعمانیہ میں مدرس ہو گئے۔ اور مدرسہ کے دارالافتار کے ناظم رہے۔ اسی زمانے سے "مفتی" مشہور ہوئے۔ مولانا غلام محمد بگوی کے زمانے میں شاہی مسجد لاہور کے نائب خطیب مقرر ہوئے۔ بعد میں (۱۸۷۷ء میں) سنہری مسجد کے خطیب ہو گئے۔ مسلسل اڑتالیس سال خطابت کے فرائض انجام دے کر ۲۶ دسمبر ۱۹۳۱ء/۵ شعبان ۱۳۵۰ھ کو سبکدوش ہوئے۔ انجمن اسلامیہ نے اُن کا وظیفۂ حسنِ خدمت تاحیات جاری رکھا۔

ایک سو بارہ برس کی طویل عمر پا کر ۲۴ جون ۱۹۳۷ء/۱۴ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ کو اچھرہ (لاہور) میں وفات پائی[1]۔ مزار اچھرہ موڑ کے قریب ہے۔

مفتی مرحوم بلند پایہ شاعر تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو میں مشقِ سخن کرتے تھے۔ مذہبًا حنفی نقشبندی تھے۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تردید میں انہوں نے بہت کام کیا۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں ملتی ہیں:

۱۔ نافع الصلوٰۃ۔ صلوٰۃ مسعودی کا ترجمہ ہے۔

---

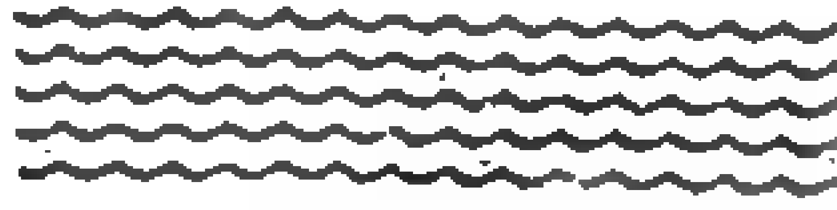
[1] نقوش (لاہور نمبر) ص ۹۲۷

۲۔ سر الشہادتین (اُردو)

۳۔ مجموعہ خطبِ خلیق

۴۔ تفسیر قرآن مجید۔ چند اجزا شائع ہو سکے ہیں۔

مولانا کی نرینہ اولاد میں چھ صاحبزادے تھے جو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے



محمد یار

مولانا محمد یار الملقب بہ عبدالنبی المختار بن مولانا عبدالکریم گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان میں ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی مکتبی تعلیم جلالپور میں حاصل کی۔ مولانا محمد حیات سے استفادہ کیا۔ چاچڑاں شریف میں مولانا تاج محمود سے درسِ نظامی کی آخری کتب اور دورۂ حدیث پڑھا۔

خواجہ غلام فریدؒ سے بیعت ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد دس سال اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازکؒ سے اوراد و اشغال کی تکمیل کی اور خواجہ نازک کے فرزند خواجہ محمد معین الدین سے مجاز بیعت تھے[1] دوسری روایت کے مطابق خواجہ محمد بخش نازکؒ کے خلیفہ مولانا نور احمد فرید آبادی نے انہیں خلافت عنایت کی تھی[2]

ایک عرصہ چاچڑاں کے مدرسہ خانقاہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد وطنِ مالوف آ گئے اور یہاں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ جید عالم دین تھے۔ تقریر دلچسپ اور پُر سوز ہوتی تھی۔ مثنوی مولانا رومؒ سے بے شغف تھا۔

۱۴ رجب ۱۳۶۷ھ/۲۳ مئی ۱۹۴۸ء کو لاہور میں اللہ کو پیارے ہوئے اور حضرت میاں میرؒ کے احاطے میں امانتاً دفنائے گئے۔ چھ ماہ بعد اُن کا تابوت گڑھی اختیار خان منتقل کیا گیا۔

مولانا محمد یار مرحوم شعر و سخن کا ملکہ رکھتے تھے "بیتی" اور "محمد" تخلص کرتے تھے "دیوانِ محمدی" کے نام سے اُن کا کلام طبع ہو چکا ہے۔

---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۴۷

[2] اولیائے بہاولپور ص ۲۸۳

محمد یوسف اکھوڑوی

مولانا محمد یوسف بن گوہردین ضلع اٹک کے قصبہ اکھوڑی میں اندازاً ۱۹۰۲ء/۲۰-۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں علم دفن کی روایت کئی پشتوں سے چلی آتی تھی۔ مولانا گوہردین، عربی صرف و نحو کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور دُور دراز سے طلبہ کسب علم کے لئے اُن کے پاس آتے تھے۔

مولانا محمد یوسف نے دیوبند اور ڈابھیل کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ علامہ محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔

فقہ و حدیث میں ید طولی حاصل تھا اور عربی زبان وادب پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے۔ خاموشی سے علمی و تصنیفی کام کرتے ہوئے اپنے آبائی گاؤں میں مارچ ۱۹۶۲ء/۱۳۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

مرحوم سادگی پسند، متحمل مزاج اور خوش اخلاق انسان تھے۔ اُن کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں۔

۱۔ حاشیہ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ۔ (عربی) نصب الرایہ علامہ جمال الدین، ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی (م ۷۶۲ھ) کی چار جلدوں میں ضخیم تالیف ہے۔ مولانا محمد یوسفؒ کا یہ حاشیہ طبع مصر (۱۹۳۸ء) کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ نیز علمائے حدیث پر اُن کی ایک طویل نظم اس کتاب میں شامل ہے۔

۲۔ الوسائل المالیہ للدولۃ الاسلامیہ (اسلامی حکومت کے مالی ذرائع)

۳۔ کتاب الوراثت

۴۔ تذکرۃ التابعین (غیر مطبوعہ)

۵۔ عربی زبان کی ایک نامکمل لغت

مولانا محمد یوسف عربی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اپنے اُستاد گرامی مولانا انور شاہ کاشمیری رح کی وفات پر طویل مرثیہ لکھا[1] جس کے چند اشعار یہ ہیں:

اُمسی غریباً فی الدیار کما بدا — من موت من ہو حامل القرآن
من موت من قد کان اعلم عصرہٖ — یشیخ الحدیث وصاحب الاتقان
نبکی امام الحق مولانا الذی — ورث النبی و علمہ الربانی
مولی الانام و غرۃ الایام — وخلاصۃ الاعوام والازمان!
اوکوکب یجلو بطلعۃ الدجیٰ — اوشامۃ فی ... و جنۃ الاکوان



[1] نفحۃ العنبر فی حیات الانور ص ۲۵۱۔۲۵۴

محمود گنجوی

مولانا محمود گنجہ نزد لالہ موسیٰ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔ اپنے علاقے کے بلند پایہ حنفی علماء میں شمار ہوتے تھے اور اہلِ تشیع سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا، جس میں اہلِ تشیع کی امہات الکتب موجود تھیں۔ سات دن بخار میں مبتلا رہ کر ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ/ ۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو گنجہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

مولانا محمود کی قلمی یادگاروں میں "طریق السالکین" ایک اہم کتاب ہے جو تصورِ شیخ کے مسئلے پر لکھی گئی ہے۔

مولانا محمود کے جانشین اُن کے صاحبزادے مولانا سلطان احمد ہوئے۔ مولانا محمود کی رحلت پر ایڈیٹر "النجم" (لکھنؤ) نے مولانا سلطان احمد کے بارے میں لکھا تھا:

> "مرحوم کے صاحبزادے مولوی سلطان احمد سلمہ اللہ تعالیٰ انشاءاللہ اُن کے سچے جانشین ثابت ہوں گے۔ انہوں نے اپنے والد کے انتقال کی خبر دی اور مسرت کی بات ہے کہ عربی زبان میں انہوں نے خط بھیجا ہے" [1]

مولانا سلطان احمد، شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کی سند بھی حاصل

---

[1] پندرہ روزہ "النجم" بابت ۲۱ر رجب ۱۳۴۵ھ

کی تھی۔ اپنے والدِ مرحوم کی زندگی ہی میں تدریس کرنے لگے تھے۔ بیسیوں اہلِ علم نے اُن سے استفادہ کیا۔

مولانا سلطان احمد، اپنے والدِ ماجد کی رحلت کے چند ماہ بعد فوت ہو گئے تھے۔



محی الدین احمد قصوری

مولانا محی الدین احمد قصوری بن مولانا عبدالقادر قصوری ۱۸۸۹ء/۰۷-۱۳۰۶ھ میں قصور میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالقادر قصوری معروف وکیل اور سیاست دان تھے اور اہلحدیث مکتبِ فکر کے ممتاز راہنماؤں میں سے تھے۔ مولانا محی الدین احمد نے ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ کچھ عرصہ لا رکالج لاہور میں داخل رہے۔ اُن کے والدِ ماجد اُنہیں بیرسٹر دیکھنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے لندن بھجوا رہے تھے مگر اُنہوں نے وکالت کا پیشہ پسند نہ کیا اور قومی تحریکوں میں حصہ لینے لگے۔

پہلی عالمی جنگ کے زمانے میں کلکتہ چلے گئے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کی سرپرستی میں ایک روزنامہ "اقدام" جاری کیا۔ مولانا آزاد کو بنگال سے اخراج کا حکم سرکار ملا اور وہ رانچی (بہار) چلے گئے۔ "اقدام" کو مولانا آزاد کی براہِ راست نگرانی حاصل نہ رہی۔ اس کے ساتھ مختلف صوبائی حکومتوں نے اپنی حدود میں "اقدام" کا داخلہ بند کر دیا۔ اخبار بند ہو گیا اور وہ واپس وطن آ گئے۔

جوں ہی قصور پہنچے اُنہیں گرفتار کر لیا گیا اور ہوشیار پور جیل میں رہے۔ جنگ ختم ہونے پر رہا ہوئے۔ قصور آئے تو راولٹ ایکٹ کے خلاف مظاہروں میں شامل ہونے کی وجہ سے دوبارہ گرفتار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد رہا ہوئے تو ملک کی فضا بگڑی ہوئی تھی۔ اتحاد و تعاون کے بجائے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چل رہی تھیں۔ اُنہوں نے تبلیغ دین کے لیے کام شروع کیا۔ "جمعیت دعوت و تبلیغ" کی نظامت سنبھالی اور پونہ میں دعوتی کام کرنے لگے۔ ایک یتیم خانہ قائم کیا اور اپنی تمام توجہات ان کاموں پر مرکوز کر دیں۔

مولانا محی الدین احمد، مولانا آزاد کے نیاز مند تھے اور مولانا آزاد بھی اُن سے اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ وہ سرحد پار مجاہدین کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ اُنہیں مالی امانت بھجواتے تھے۔ اس ذوق و جذبہ کے تحت مولوی محمد ولی (فتوحی والے) کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد بھی کی تھی۔

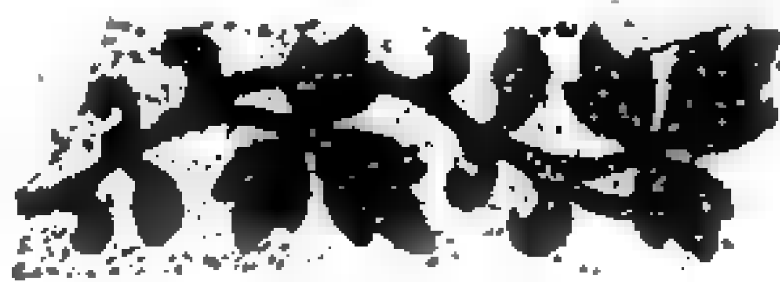
قیام پاکستان کے بعد لاہور میں مقیم ہو گئے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے قائم کردہ تصنیفی ادارے "ادارہ اشاعت السنہ" کے ناظم رہے۔ جمعیت اہل حدیث کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے تھے۔

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ / ۲۴ جنوری ۱۹۷۱ء کو لاہور میں واصل بحق ہوئے۔ اُن کی حسبِ ذیل تحریری کاوشیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ ترجمہ سورۂ نور (امام ابن تیمیہؒ)

۲۔ ترجمہ صراطِ مستقیم (شاہ اسماعیل شہیدؒ)

۳۔ ترتیب و تقدیم "تقویت الایمان" (تالیف شاہ اسمٰعیل شہیدؒ)



پیر مراد شاہ لاہوری

پیر مراد شاہ لاہوری[1] بن پیر کرم شاہ (المعروف بہ سیتا شاہ) بن شیخ ابو الفتح (المعروف بہ شاہ جیو) لاہور کے مشہور سہروردی بزرگ حضرت شاہ عبد الجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ پیر کرم شاہ اپنے وقت کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ ۱۱۹۶ھ/ ۸۲-۱۷۸۱ء میں سکھ گردی سے تنگ آکر لکھنؤ چلے گئے۔ تقریباً پانچ سال کے قیام کے بعد واپس وطن آ رہے تھے کہ ۱۲۰۱ھ/ ۸۷-۱۷۸۶ء میں شاہجہانپور کے نزدیک قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[2]

پیر کرم شاہ کے چاروں صاحبزادوں۔ پیر مراد شاہ، پیر قلندر شاہ، پیر سکندر شاہ، اور پیر فرخ بخش نے علمی و دینی میدان میں نام پیدا کیا۔ پیر سکندر شاہ اور پیر فرخ بخش، نے دین و تصوف کی نسبت ادب و شعر کی زیادہ خدمت کی۔ پیر مراد شاہ اور پیر قلندر شاہ نے ادب و شعر کے پہلو بہ پہلو دینی کام بھی کیا۔

پیر مراد شاہ ۱۱۸۴ھ/ ۷۱-۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کے ہمراہ لکھنؤ کا سفر کیا۔ واپسی پر لاہور میں سکونت اختیار کی۔ پیر غلام دستگیر نامی نے انہیں عابد

---

[1] اصل نام غلام رکن الدین تھا۔ تاریخ جلیلہ ص ۲۳۹

[2] حالات کے لئے ملاحظہ ہوں:

خزینۃ الاصفیاء جلد ۲، ص ۱۱۵-۱۱۶

حدیقۃ الاولیاء ص ۱۷۸

تاریخ جلیلہ ص ۲۲۵-۲۳۶

بے ریا، مجاہد بے ہمتا اور صاحبِ تصانیف باہرہ[1] تھے۔

پیر مراد شاہ نے سلسلۂ سہروردیہ میں خرقۂ خلافت اپنے والدِ ماجد سے پہنا تھا۔ اُن کی رحلت کے بعد مراد شاہ اور اُن کے برادرِ خورد پیر قلندر شاہ نے شیخ بدر الدین رُہتکی (م ۱۲۰۵ھ) سے بیعت کی۔

پیر کرم شاہ کی ناگہانی رحلت کے بعد اُن کے پس ماندگان بریلی چلے گئے تھے۔ پیر مراد شاہ اور اُن کے برادرِ خورد پیر قلندر شاہ نے لکھنؤ، الٰہ آباد اور محمد آباد بنارس کے اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں شاہ اجمل الٰہ آبادی کا نام بہت نمایاں ہے۔

پیر مراد شاہ ۵ محرم ۱۲۱۵ھ/۳۰ مئی ۱۸۰۰ء کو لاہور سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں "مردانہ" میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مزار کے دروازے پر زیرِ محراب حسبِ ذیل قطعہ تاریخ نصب ہے:[2]

مبیتا شاہ کے بیٹے غلام رکن الدین!
شباب جن کا تھا پیری سے خوش تر و ذی شان
شبِ جمعہ تھی محرم کی پانچویں تاریخ
ہوئے نمازِ عشاء میں وہ سوئے خلد رواں
سروشِ عالمِ غیبی نے داد دی تا آمی
جو بولے قلندر شاہ مراد بخش جہاں

۱۲۰۶ھ

۹ + ۱۲۰۶ = ۱۲۱۵ھ

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۲۳۹

[2] ایضاً ص ۲۴۲

پیر مراد شاہ فارسی اور اُردو کے ایک کامیاب شاعر تھے۔ حافظ محمود خان شیرانی (م ۱۳۶۴ھ) اُن کی اُردو شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ان کی طبیعت غزل سے بہتر مثنوی پر جمتی ہے۔ اس میدان میں وہ کسی سے کم نہیں اور اہلِ ہندوستان کے دوش بدوش ہیں۔ متواتر سات سال ہندوستان میں رہنے کی بنا پر زبان بالکل صاف ہو گئی ہے۔ سلاست اور روانی کے علاوہ کلام میں پختگی موجود ہے[۱]"

پیر مراد شاہ کی حسب ذیل تالیفات ہیں:

۱۔ دیوانِ مراد۔ پیر مراد شاہ کا دیوان غزلیات جو ۱۲۵ غزلوں، ۲۴ رباعیوں اور چند متفرق قطعات اور اشعار پر مشتمل ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہند (دہلی) کے مجلّہ "اُردو" بابت جولائی ۱۹۴۷ء میں پیر غلام دستگیر نامی کے دیباچہ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔

۲۔ نامۂ مراد (منظوم) لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں ۱۱۹۶ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں عزیزانِ وطن کے نام خط۔

۳۔ مثنوی مراد العاشقین (تصوّف)

۴۔ نامِ مریداں (ترجیع بند)۔ فارسی

۵۔ مثنوی مراد المحبّین (قصّہ چہار درویش)

۶۔ مثنوی مگس نامہ۔ نامۂ مراد کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

بطور نمونۂ کلام مثنوی "مگس نامہ" سے کے چند ابتدائی شعر نقل کئے جاتے ہیں جن میں "لاہور" کی تعریف کی گئی ہے[۲]:

۱؎ پنجاب میں اُردو ص ۳۲۸

۲؎ نامۂ مراد ص ۲۲، پنجاب میں اُردو ص ۳۲۹-۳۳۰

شہرِ لاہور قبۂ اسلام ‏ روشن آفاق میں ہے جس کا نام
خوبی اس کی تھی شہرۂ آفاق ‏ حسن کا اُس کے تھا جہاں مشتاق
اصفہاں ہے جو ایک نصف جہاں ‏ خوبیوں میں نہ تھا کچھ اس سے کلاں
دور و نزدیک تھا یہی مشہور ‏ اپنے نزدیک تھا بہت سا دور
تھا عمارت سے یہ قوی بنیاد ‏ ربع مسکوں میں افتخارِ بلاد
تھا بہشتِ بریں بروئے زمین ‏ عجب انسان تھے اس مکاں کے مکیں
ایک سے ایک تھے دو صد چنداں ‏ سب ملائک صفت شکلِ انساں
اولیاء و مشائخ و سادات ‏ علماء اک سے اک ستودہ صفات
شاعر و شعر فہم لائقِ شعر ‏ طبع موزوں فہم لائق شعر
شہر تھا یہ کہ کانِ علم و ادب ‏ کان کیا بلکہ جانِ علم و ادب



مرتضیٰ احمد خان ـ میکش

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش بن میر احمد خان، افغان قبیلہ "درانی" کے گوہر تابندہ تھے۔ وہ محرم ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں جالندھر کے ایک گاؤں "بہدم" میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان علمی روایت کا حامل تھا۔

اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ جالندھر میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم میں سیاسی تحریکوں میں حصّہ لینا شروع کیا۔ جلیانوالہ باغ امرتسر کے حادثے کے بعد پورے ملک میں اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ لاہور کے مظاہروں میں پیش پیش رہتے تھے۔ جلوس نکالتے، پولیس سے ٹکر لیتے، پتھراؤ کرتے اور سختیاں جھیلتے تھے۔ مولانا میکش ان مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ ۱۹۱۹ء کے اواخر میں ترکِ تعلیم کر کے روزنامہ "زمیندار" میں نیوز ایڈیٹر مقرر ہو گئے[1] تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں ہجرتِ افغانستان کی تحریک کا بڑا زور تھا۔ ہزاروں مسلمان اپنے اثاثے اور جائیدادیں اونے پونے داموں فروخت کر کے افغانستان جا رہے تھے۔ میکش صاحب بھی سوئے افغانستان چل پڑے۔

افغانستان میں خوست کے مقام پر جنرل نادر خان (جو بعد میں بادشاہ بنے) کے بھائی شاہ محمود خان کے ہمراہ قیام پذیر رہے۔ شاہ محمود خان کو اُن سے بڑی محبت تھی اور اُن کی انگریز دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ تحریکِ ہجرت کسی نظم و ضبط

---

[1] صحافت۔ پاکستان و ہند میں ص ۴۴۱

اور منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے ناکام ہوئی تو مولانا میکش اپنے ایک دو ساتھیوں کے ساتھ قبائلی علاقے کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بنوں کے راستے وطن آگئے۔ اُن کے ساتھی مردان کے رہنے والے تھے۔ وہ مردان پہنچنے پر گرفتار کر لئے گئے اور جالندھر میں مولانا میکش بھی گرفتار ہو گئے بعد میں خاندان کے بااثر افراد کی کوششوں سے رہا ہوئے۔

دوبارہ تعلیم کے بہانے لاہور آگئے مگر کسی کالج کا رُخ کرنے کے بجائے صحافت کے "مدرسۂ زمیندار" میں نام درج کرالیا۔ مولانا میکش کہا کرتے تھے کہ "زمیندار مدرسۂ صحافت اور ظفر علی خان اس کے پرنسپل تھے"[۱] ان دنوں ادارت مولانا غلام رسول مہر کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا مہر اور عبدالمجید سالک نے زمیندار سے الگ ہو کر "روزنامہ انقلاب" جاری کیا۔ مولانا میکش بھی ادارۂ انقلاب میں شامل ہو گئے۔ نیوز ایڈیٹر تھے اور "انقلاب" کے سنڈے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین اُن ہی کے سپرد تھی۔ اس کام میں عبدالحکیم خان نشتر جالندھری اُن کے رفیقِ قلم تھے۔[۲]

روزنامہ "انقلاب" میں مولانا میکش کے قلم سے بہت سے معرکہ خیز مقالات نکلے۔ ۱۹۲۸ء میں انہوں نے "ہندی مسلمانوں کے لیے الگ وطن" کے عنوان سے سلسلۂ مضامین لکھا۔ اس کے دو سال بعد علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد میں مشہور خطبۂ صدارت پیش کیا۔ کچھ عرصہ بعد "انقلاب" سے واپس ادارۂ زمیندار میں شامل ہو گئے۔

۱۹۲۹ء میں افغانستان میں امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور امان اللہ خان کو یورپ میں رہنا پڑا۔ میکش صاحب نے ہفت روزہ "افغانستان" (فارسی)

۱۔ ظفر علی خان (ادیب و شاعر) ص ۳۱۴

۲۔ کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے ص ۲۹۹

بلیں امان اللہ خان کے حق میں پُرزور مضامین لکھے۔ دونوں کے درمیان خط و کتابت بھی ہوتی تھی۔ جب جنرل نادر خان نے بچہ سقّہ کے خلاف جدوجہد کی تو مولانا میکش اُن کے ہمنوا تھے مگر حالات بہتر ہونے پر نادر خان نے امان اللہ خان کو حکومت نہ لوٹائی اس لئے اُسی زور شور سے مخالفت شروع کر دی جس زور شور سے حمایت کی تھی۔

افغانستان کی نئی حکومت کو امان اللہ خان اور مولانا میکش کی باہمی مراسلت کا علم تھا۔ حکومت نے مولانا سے امان اللہ خان کے خطوط حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں تحریص و ترغیب کے حربے آزمائے گئے مگر اس مردِ درویش نے تمام پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آخر افغان حکومت نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور وہ خطوط دفتر "افغانستان" سے چوری کر لئے گئے۔

۱۹۳۲ء میں قانون تعلقاتِ خارجہ نافذ ہوا۔ جس کے مطابق ملک معظّم کی دوست ریاستوں کے خلاف پروپیگنڈا جُرم قرار دیا گیا۔ مولانا میکش نے حکومتِ افغانستان کے خلاف قلمی مہم جاری رکھی اور دو سال قید کی سزا پائی۔

۱۹۳۴ء میں روزنامہ "احسان" (لاہور) جاری ہوا تو مولانا میکش اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ چار سال تک یہاں کام کرنے کے بعد ایک نیا اخبار "شہباز" نکالا۔ قیام پاکستان کے بعد روزنامہ "مغربی پاکستان" اور "نوائے پاکستان" کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ جناب عبدالسلام خورشید نے دنیائے صحافت میں اُن کا مقام متعیّن کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولانا میکش اعلیٰ پائے کے اداریہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے۔ سیاسی مسائل کو خوب سمجھتے تھے اور لکھنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ وقتاً فوقتاً کوئی مہم چلا دیتے تھے جس سے اداریئے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ اُن میں جرأت اور بے باکی بھی موجود تھی۔ تُرشی اور تلخی بھی

تھی۔ دلیل کا عنصر بھی موجود تھا۔ سنجیدگی اور توازن کا دامن بھی نہیں چھوڑتے تھے اس لئے اداریہ نگاری کے میدان میں نمایاں تھے۔[۵۱]

۱۹۵۳ء کی تحریک ردِ قادیانیت" میں نمایاں حصہ لیا اور ایکشن کمیٹی کے رکن تھے گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے۔

اس تحریک کے بعد اخباری دنیا سے الگ ہو کر علمی و تعلیمی کاموں میں منہمک ہو گئے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ دائرہ معارف اسلامیہ سے بطور مترجم اور شعبۂ صحافت سے بطور لیکچرار وابستہ رہے۔

زندگی بھر بے باک، بے خوف اور اصول پرست رہے اور اپنی اصول پسندی کی وجہ سے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔ عسرت میں زندگی گزار دی مگر چند ٹکوں کے لئے قلم فروشی اختیار نہ کی۔

تصوف کا ذوق رکھتے تھے۔ مولانا نواب الدین چشتی[۵۲] سے بیعت تھے[۵۳]

مولانا میکش سیاسی طور پر دو قومی نظریہ کے پُر جوش داعی تھے۔ روزنامہ "احسان" (لاہور) مسلم لیگ کا ہم نوا تھا اور انہوں نے خود بھی تقسیم ہندوستان کا تصور پیش کیا تھا ۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہونے والی "آل انڈیا سنی کانفرنس" میں شریک ہوئے تھے اور اُن کی پیش کردہ قرار دادیں پاس کی گئی تھیں[۵۴]

مولانا میکش ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء / ۲۱ محرم ۱۳۷۹ھ کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے فوت ہوئے۔

---

[۵۱] صحافت۔ پاکستان و ہند میں ص ۴۵۷

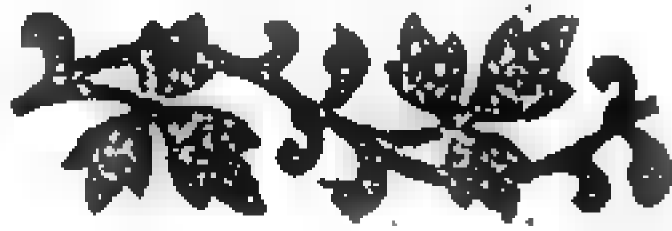
[۵۲] اپنے دور کے ایک مردِ حق آگاہ، مشہور نعت گو حافظ مظہر الدین اُن ہی کے فرزند ہیں۔

[۵۳] کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے ص

[۵۴] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۱۷

مرحوم سے مندرجہ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ تاریخ اقوام عالم
۲۔ تاریخ اسلام (چار جلدیں)
۳۔ اسلام اور معاشی اصلاحات
۴۔ تصویر و تدبیر
۵۔ اخراجِ اسلام از ہند
۶۔ البرز شکن گرز المعروف مرزائی نامہ
۷۔ الہامی افسانے
۸۔ دودِل (مجموعہ کلام اردو)



مطیع الرضا خان قادری

مولانا مطیع الرضا خان قادری ۲۹ ستمبر ۱۹۲۷ء/ ۲ ربیع الآخری ۱۳۴۶ھ کو چندوسی ضلع مراد آباد کے ایک پٹھان قبیلے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ضلع علی گڑھ اور بریلی کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا امجد علی مؤلف "بہارِ شریعت" مفتی اعجاز ولی خان اور مولانا عبد المصطفیٰ ازہری سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ قادری سلسلۂ طریقت میں مولانا حامد رضا خان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن سے بے پایاں عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا مطیع الرضا خان نے تحریکِ پاکستان میں ایک فعال کارکن کی حیثیت سے کام کیا تھا اور "چندوسی" میں مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں اُن کا اہم حصّہ تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد راولپنڈی آ گئے اور طارق آباد۔ راولپنڈی میں سکونت اختیار کی۔ طارق آباد کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہیں انہوں نے دینی درس گاہ "مدرسہ رضویہ" اور مطب "قادری دواخانہ" قائم کیا۔ مولانا موصوف خوش گفتار خطیب، اچھے مدرّس اور حاذق طبیب تھے۔ اچھا شعری ذوق رکھتے تھے اور اچھی نعت کہتے تھے۔

۴ اپریل ۱۹۷۹ء/ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ کو اختلاجِ قلب کی بیماری میں فوت ہوئے اور راولپنڈی میں دفنائے گئے۔



مظہر علی اظہر

مولانا مظہر علی اظہر بن محمد عبداللہ ۱۸۹۵ء/۱۳-۱۳۱۲ھ میں بٹالہ ضلع گورداسپور کے ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان تحصیل شکرگڑھ کے گاؤں کجروڑ سے نقلِ مکانی کر کے بٹالہ گیا تھا۔

مولانا مظہر علی نے ایم۔ بی ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ لاء کالج سے ایل۔ ایل۔ بی کی سند لی۔ ۱۹۱۸ء میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۱۹ء میں راولٹ ایکٹ کے خلاف پورے ملک میں احتجاج ہوا۔ اسی احتجاج میں مولانا مظہر علی گرفتار ہوئے اور چند ماہ قید رہے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء/۱۳۴۸ھ میں مجلسِ احرار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا مظہر علی اس کے بانیوں میں سے تھے اور پہلے جنرل سیکرٹری چُنے گئے تھے۔ ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی میں جیل گئے۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں باہر آئے اور پہلی احرار کانفرنس کی مجلسِ استقبالیہ کے صدر تھے۔

مولانا موصوف مجلس احرارِ اسلام کے چوٹی کے راہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ تحریکِ کشمیر میں اُنہوں نے نمایاں کام کیا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں مجلسِ احرار اسلام کا ایک وفد مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں حجاز گیا تھا۔ مولانا اس وفد کے ایک اہم رُکن تھے دوسری عالمگیر جنگ میں فوجی بھرتی کے خلاف راولپنڈی میں ایک تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور پسِ دیوارِ زنداں رہے۔

مولانا مظہر علی اظہر ایک وکیل، کامیاب سیاسی راہنما اور صاحبِ قلم تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ تحریک مدحِ صحابہؓ

۲۔ ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج

۳۔ ستیارتھ پرکاش اور مرزا غلام احمد

۴۔ مسٹر جناح اور تحریک شہید گنج

۵۔ جدوجہدِ آزادی میں احرار کا حصہ



خواجہ معظّم دین مرولوی

خواجہ معظّم دین بن میاں محمد یار ۱۲۴۷ھ/۳۲-۱۸۳۱ء میں "مرولہ" تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ پیراقبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ اس قبیلے کے بیشتر افراد قصبہ لالیاں ضلع جھنگ میں آباد ہیں۔ خواجہ معظّم دین کے جدامجد لالیاں سے ترکِ سکونت کر کے موضع گھنگوال آئے پھر وہاں سے موجودہ مستقر "مرولہ" منتقل ہوئے۔

خواجہ صاحب موصوف کے والد پڑھے لکھے بزرگ تھے تاہم اُن کی تربیت میں حافظ محمد امین کا زیادہ حصّہ ہے۔ حافظ محمد امین، خواجہ صاحب کے ماموں تھے اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ارادت مند تھے۔ خواجہ صاحب اُن ہی کی وساطت سے تیرہ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ قرآن حفظ کیا اور فنِ تجوید میں مہارت حاصل کی۔ پیر طریقت خواجہ شمس الدینؒ سے شرح وقایہ، لوائح جامی، مرقع کلیمی اور کشکول سبقاً سبقاً پڑھیں۔

سترہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ لاہور میں بیگم شاہی مسجد اور مسجد نیلا گنبد میں مقیم رہے۔ لاہور سے دہلی گئے اور آخر میں بمبئی جا کر تکمیل علوم کی۔ خواجہ معظّم دین محنتی اور ذہین طالب علم تھے اور اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر تھے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن کے اساتذہ کے نام نہیں مل سکے۔

تکمیلِ علوم کے بعد سیر و سیاحت اور حج کا فریضہ ادا کرنے چل پڑے۔ پہلے ترکی گئے اور استانبول کے کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ اُن کے تبحرِ علمی اور وسعتِ معلومات نے علمائے ترکی کو اُن کا گرویدہ بنا دیا۔ علمائے ترکی نے اُن کی

عزت افزائی یوں کی کہ ایک پُروقار تقریب میں سلطان ترکی کی جانب سے "شمس العلماء" کی اعزازی سند اور مرصّع چغہ پیش کیا۔ ترکی سے عراق، شام، فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے ارضِ حجاز پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا۔

شوال ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں سیر و سیاحت سے واپس آئے اور سیال شریف میں سکونت اختیار کی۔ خانقاہ کے انتظامات، فتویٰ نویسی اور صاحبزادگانِ خانقاہ سیال کی تعلیم و تربیت اُن کے سپرد تھی۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے خلافت سے سرفراز کیا۔ حضرت سیالویؒ کی رحلت (۱۳۰۰ھ) کے بعد آبائی وطن "مرولہ" منتقل ہوئے جو اُن کی اصلاحی سرگرمیوں سے "مرولہ شریف" مشہور ہوا۔

مرولہ شریف میں ایک ہندو خاتون نے اُن کی اصلاح و تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اُسی نو مسلم سے اُن کا عقد ہوا اور ستّر سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند محمد حسین مرولویؒ عنایت کیا۔

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ/۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کو وفات پائی۔ میاں عبداللہ سیالویؒ نے حسبِ ذیل مادہ ہائے تاریخ وفات کہے ؎

ز تاریخِ وصالِ شان ہمیں است
معظّم دین قطبِ اہلِ دین است

۱۳۲۵ھ

نیز

ازاں مدّت کہ عالم محوِ رنج است
ز ہجرت سیزدہ صد بست و پنج است[1]

---

[1] ہو المعظم ص ۱۷۳

خواجہ معظّم دین کی رحلت کے وقت خواجہ محمد حسین کی عمر آٹھ سال تھی۔ قاضی محی الدین نے اُن کے جوان ہونے تک خانقاہ کا نظم ونسق بخیر وخوبی چلایا۔ خواجہ مرحوم کے حسبِ ذیل خلفاء کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ خواجہ محمد حسین مرولوی (فرزند م ۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ/ ۲۳ر جون ۱۹۴۲ء)

۲۔ قاضی محی الدین

۳۔ میاں شہاب الدین فیروز پوری (م ۱۳۵۲ھ)

۴۔ پیر نادر علی شاہ جالندھری

۵۔ پیر سیّد ضامن علی شاہ بیڈروی (ہزارہ)

۶۔ میاں سراج الدین ساکن برج اگرہ ضلع گجرات

۷۔ میاں امام الدین کھروی



سیّد مغفور القادری

سیّد مغفور القادری بن سیّد سردار احمد گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ اسی مردم خیز قصبے میں ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں سادات کے ایک خانوادے میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "مغفور" رکھا گیا۔ اُن کا پدری سلسلۂ نسب سیّد عثمان مروندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر (م ۶۷۳ھ) سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ اوچ کے معروف بخاری خاندان پر منتہی ہوتا ہے۔

سیّد مغفور القادری کا خاندان علم و فضل اور شریعت و طریقت کا امین تھا۔ اُن کے جدِ امجد سیّد محمد جعفر شاہ نوابین گڑھی اختیار خان کے اصرار پر شکار پور (سندھ) سے نقلِ مکانی کر کے آئے تھے۔ سیّد سردار احمد جیّد عالم دین، اعلیٰ درجے کے خطاط اور سندھی و سرائیکی کے شاعر تھے۔

سیّد مغفور القادری بچپن میں ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ والد ماجد نے اُن کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اُنھوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ گڑھی اختیار خان کے مفتی محمد حیات اور مولانا عبدالکریم ہزاروی ثم بھرچونڈوی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ شمس العلوم بستی مولویان ضلع رحیم یار خان میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا سراج الدین لکھن بیلوی سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو بھرچونڈی (سندھ) چلے گئے۔ حافظ محمد عبداللہ بھرچونڈوی (م ۱۳۴۶ھ) سے بیعت ہوئے اور دارالعلوم بھرچونڈی کی مسندِ درس و افتاد پر فائز ہوئے۔ درس و تدریس کے ساتھ سندھ کے دیہی علاقوں میں وعظ و تبلیغ

کرتے اور اپنے مذہبی مخالفین سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔

بھرچونڈی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ درمیان میں ایک سال کیلئے راشدی خانوادۂ سندھ کے ایک صاحبزادے سید رحم شاہ مرحوم کی تعلیم کے لئے سکھر میں مقیم رہے۔

سید مغفور القادری تحریکِ پاکستان کے پُرجوش کارکن تھے۔ انہوں نے پیر عبدالرحمان بھرچونڈوی کی قائم کردہ "جماعت احیاء الاسلام" کے ذریعے دوقومی نظریہ کے حق میں فضا ہموار کی۔ انہوں نے جماعت کا اخبار "الجماعت" شکارپور سے جاری کیا۔ "جماعت احیاء الاسلام" نے سندھ کے اکثر اہم مقامات پر کانفرنسیں منعقد کیں اور تحریکِ پاکستان کے مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سید مغفور القادری نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ جلسہ منعقدہ کراچی (۲۴، ۲۵، ۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء / صفر ۱۳۶۲ھ) میں شرکت کی اور انہوں نے "جماعت احیاء الاسلام" کے نائب صدر اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسے آل انڈیا مسلم لیگ میں مدغم کر دیا۔ اس کے بعد اپنی تمام صلاحیتیں مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیں۔ خود بھرچونڈی سے حیدرآباد آ گئے۔ مشائخ کو منظّم کرنے کی خاطر "تنظیم المشائخ" قائم کی۔ اِسی دوران میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سُنی کانفرنس بنارس منعقد ہوئی۔ سید مغفور القادری، پیر عبدالرحمان بھرچونڈی اور سندھ کے دوسرے ایک سو افراد کے ساتھ شریک ہوئے۔

سید مغفور القادری نے تحریک مسجد منزل گاہ سکھر (۱۹۳۹ء) میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ سکھر کی یہ مسجد ہندو آبادی میں گھری ہوئی تھی۔ ہندو مسلمانوں کو آبادی مسجد سے روکنا چاہتے تھے۔ مسلمان "کعبہ کی بیٹی" کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حالات خراب ہو گئے۔ حکومتِ سندھ نے جانبدارانہ مداخلت کی کوشش

کی تو مجلس احرار اسلام میدان میں آگئی۔ مقامی طور پر سیّد مغفور القادری اور دوسرے علماء نے مسجد آباد کرنے پر زور دیا۔ بالآخر حکومتِ سندھ نے ایک تحقیقاتی بورڈ مقرر کیا جس نے مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیّد مغفور القادری وطنِ مالوف میں آگئے۔ یہاں بھی دینی و علمی خدمات میں مصروف رہے۔ جامع مسجد میں وہی خطبہ دیتے تھے۔ جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان میں ایک سال تدریس بھی کی۔ ذیابیطس میں مبتلا تھے اور اسی بیماری میں ۵ صفر ۱۳۹۰ھ/ ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔ اگلے دن پیر عبدالرحیم بھرچونڈوی (م ۱۲ ستمبر ۱۹۷۱ء/ ۱۳۹۱ھ) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے والد گرامی سیّد سردار احمد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی نے قطعۂ تاریخ کہا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے ع

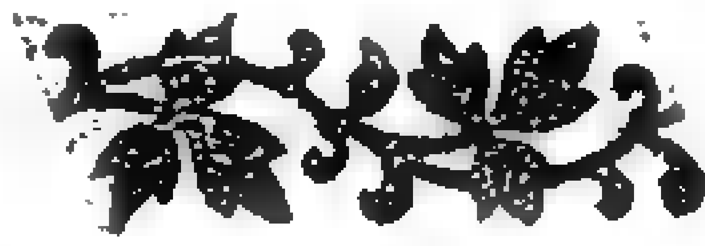
شرافت چوں پرسند سالِ وصال
بگو، ہادیٔ عصر مستور شد
۱۳۹۰ھ

سیّد مغفور القادری نے حسبِ ذیل کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔ عباد الرحمان (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی)
۲۔ تنویر العینین فی تقبیل الابہامین (سندھی۔ غیر مطبوعہ)
۳۔ الرسول (غیر مطبوعہ) سیرت پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اسی کا ابتدائی خاکہ ہے۔
۴۔ کلامِ مغفور (غیر مطبوعہ) سیّد صاحب فارسی، اردو اور سرائیکی کے کامیاب شاعر تھے۔ ابتدائی دَور میں ساغر تخلص کرتے تھے۔ بعد میں مغفور، غیفر اور غفور تخلص کرنے لگے۔

ان پر مستزاد "الجماعت" (شکارپور) کے صفحات پر بکھرے ہوئے بیسیوں مضامین ہیں۔

سید مغفور القادری مرحوم نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ سے نرینہ اولاد میں صاحبزادہ سید کاظم القادری پیدا ہوئے۔ دوسری اہلیہ سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔ سید محمد فاروق القادری اُن کے علمی جانشین ہیں۔



سیّد ممتاز علی دیوبندی

شمس العلماء مولانا سیّد ممتاز علی بن سیّد ذو الفقار علی ۲۷ر ستمبر ۱۸۶۰ء/۲۲ر ربیع الاولیٰ ۱۲۷۸ھ کو برصغیر کے معروف علمی مرکز دیوبند میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت امام رضا کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) میں بخارا سے نقل مکانی کر کے برصغیر میں وارد ہوئے اور ضلع انبالہ کے قصبہ جگادھری میں آباد ہوئے۔ کچھ عرصے بعد اس خاندان کے ایک بزرگ سیّد ہاشم علی نے جگادھری کو چھوڑ کر دیوبند کو وطن بنا لیا۔ اُن ہی کے بھانجے میر ستار علی کے فرزند سیّد ذو الفقار علی تھے۔

سیّد ممتاز علی نے تعلیم کے ابتدائی مراحل دیوبند میں طے کئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) سے استفادہ کیا تھا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ) کے ہم درس تھے۔ دیوبند کے بعد اُنہوں نے راولپنڈی، سرسہ، فیروز پور اور لاہور میں تعلیم حاصل کی، جہاں اُن کے والدِ ماجد بسلسلہ ملازمت تعینات رہے تھے۔

۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ میں لاہور آ گئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول اور گورنمنٹ کالج میں جدید تعلیم حاصل کی۔ یہ وہ دور تھا جب جدید تعلیم کے ساتھ آزاد خیالی لازمی تھی۔ عیسائی مبلّغ حکومت کے زیرِ سایہ زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے اور مغالطے پیدا کرتے تھے۔ بہت سے جدید تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں میں تشکیک کے اثرات نظر آتے تھے۔ نوجوان سیّد ممتاز علی بھی اس مرحلے سے گزرے۔ اُسی زمانے میں سر سیّد احمد خان سے متعارف ہوئے اور اُن کے اندازِ نظر کے معترف ہو گئے۔

۱۸۸۴ء/ ۰۲-۱۳۰۱ھ میں گورنمنٹ کالج سے بی۔اے کا امتحان دیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ بی۔اے میں ناکامی کے بعد اُنھوں نے دوبارہ امتحان دینے اور کالج میں پڑھنے کا خیال چھوڑ دیا اور اسی سال پنجاب چیف کورٹ میں بطور مترجم ملازم ہو گئے۔ سات سال بعد ملازمت سے استعفا دے دیا۔ اور ہمہ تن تصنیف و اشاعتِ کتب میں مصروف ہو گئے۔

۱۸۹۸ء کے آغاز (۵ ۱۳۱ھ) میں "رفاہِ عام پریس" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا اور ایک اشاعتی ادارے "دارالاشاعت پنجاب۔ لاہور" کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے اُردو ادب اور علم کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ "دارالاشاعت پنجاب" کے زیرِ اہتمام مفید جرائد جاری رہے۔

تہذیب النسواں:

مولانا ممتاز علی نے خواتین کے لیے رسالہ ہفت روزہ "تہذیب النسواں" جاری کیا۔ مدیرہ اُن کی اہلیہ محمدی بیگم تھیں۔ اوّلیں شمارہ یکم جولائی ۱۸۹۸ء/۱۱ صفر ۱۳۱۶ھ کو شائع ہوا۔ ۱۹۲۸ء/ ۴۷-۱۳۴۶ھ میں اس کا ماہوار ایڈیشن بھی چھپنے لگا۔ عورتوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے اور اُن کی اصلاح میں "تہذیب النسواں" نے بڑا کام کیا۔ افسوس تقسیمِ ہند کے بعد یہ مفید پرچہ بند ہو گیا۔

محمدی بیگم ۲ نومبر ۱۹۰۸ء/ ۷ شوال ۱۳۲۶ھ کو فوت ہوئیں تو پرچہ مولانا ممتاز علی کی صاحبزادی وحیدہ بیگم کی ادارت میں چھپنے لگا۔ اُن کی رحلت کے بعد مولانا کی بہو (اہلیہ سیّد حمید علی) آصف جہاں نے ادارت کی حتیٰ کہ رسالہ بند ہو گیا۔

پھول:

بچوں کا اخبار "پھول" ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۹ء/ ۲۸ شعبان ۱۳۲۷ھ کو جاری ہوا، اور

۱۹۵۷ء/۷۷-۱۳۷۶ھ تک پورے اڑتالیس برس باقاعدگی کے ساتھ ہر ہفتے شائع ہوتا رہا۔ "پھول" نے آسان زبان اور نفیس کتابت وطباعت کا جو معیار اور رکھ رکھاؤ قائم کیا وہ بچوں کے کسی دوسرے اخبار کو حاصل نہ ہو سکا۔

"پھول" کی پہلی مدیرہ بنت نذر الباقر تھے۔ اُن کے بعد مولانا ممتاز علی نے خود فرائض ادارت انجام دیئے۔ "پھول" کے مدیروں میں برصغیر پاک و ہند کے معروف ادباء مولانا عبدالمجید سالک (م ۱۳۷۹ھ) ابوالاثر حفیظ جالندھری، حفیظ ہوشیارپوری (م ۱۳۹۲ھ) احمد ندیم قاسمی، راجہ مہدی علی خان اور غلام عباس۔ کے نام ملتے ہیں۔

تالیف واشاعت

پندرہ روزہ "تالیف واشاعت" ۱۹۰۲ء/۲۱-۱۳۲۰ھ میں جاری ہوا۔ اس کے مقاصد میں اعلیٰ درجے کی مطبوعات پر تنقید و تبصرہ شامل تھا۔

تالیفات:

مولانا سید ممتاز علی عربی زبان کے فاضل، فارسی ادب میں کامل اور انگریزی زبان کے اعلیٰ مترجم تھے۔ اُردو صحافت کی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ اُن کی تصنیفات کی فہرست یہ ہے:

۱۔ تفضیل البیان فی مقاصد القرآن

قرآن مجید کی آیات، موضوعات کے اعتبار سے ترجمہ کے ساتھ یکجا کی ہیں۔ کتاب سات حصّوں پر مشتمل ہے جو الگ الگ طبع ہوئے۔

۲۔ حقوق نسواں
۳۔ سبیل الرشاد
۴۔ ثبوت واجب الوجود
۵۔ خزینۃ الاسرار
۶۔ شیخ حسن
۷۔ تذکرۃ الانبیاء
۸۔ ترجمہ زاد المعاد
۹۔ ترجمہ المنقذ من الضلال (امام غزالی)

۱۰۔ خیر المقال　　　　۱۱۔ ولادتِ مسیح

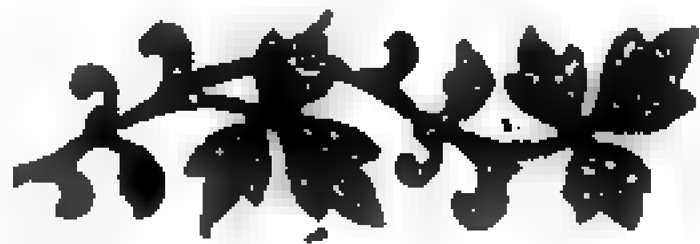
۱۲۔ رد الملاحدہ　　　　۱۳۔ فارسی آموز

۱۴۔ اربعین

ان کے علاوہ پرائمری اور مڈل کے طلبہ کے لئے اردو کی نصابی کتابیں مرتب کی تھیں۔

مولانا سیّد ممتاز علی مسلم یونیورسٹی کورٹ، علی گڑھ اور پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے سالہا سال رکن رہے۔ اُن کی علمی، تعلیمی اور قومی خدمات کے پیشِ نظر حکومتِ ہند نے ۱۹۳۴ء/ ۱۳۵۳ھ میں اُنہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ جس کے ایک سال بعد ۱۵ر جون ۱۹۳۵ء/ ۱۳ر ربیع الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو وفات پائی اور حسبِ وصیت دیوبند میں دفنائے گئے۔

مولانا سیّد ممتاز علی نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ سے ایک صاحبزادی وحیدہ بیگم اور ایک صاحبزادے حمید علی پیدا ہوئے۔ دوسری اہلیہ محمدی بیگم سے امتیاز علی تاج (معروف مصنف، م ۱۳۸۹ھ) پیدا ہوئے۔



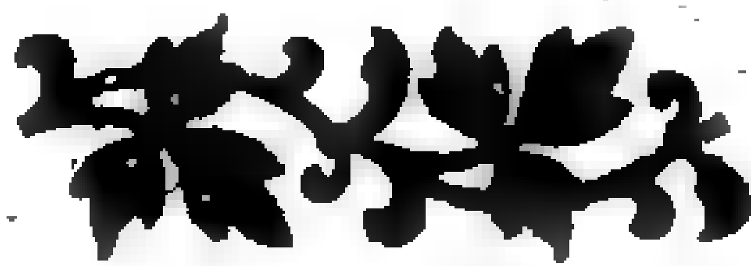
حکیم منوّر الدین

مولانا حکیم محمد منوّر الدین بن ملک فتح خان بھوچھال ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مولانا غلام رسول (ساکن بھتراں ضلع اٹک) سے صرف عربی پڑھی تھی۔ مولانا غلام رسول پنجابی زبان میں "صرف" پڑھاتے تھے اور پورے پنجاب میں اُن کی شہرت تھی۔ ان کی وفات کے بعد اُن کے اندازِ تدریس کو مولانا محمد منوّر الدین نے اپنا لیا۔

مولانا منوّر الدین نے اپنے استاد کی امالی کو فارسی میں منتقل کیا تاکہ "صرفِ بھتراں" کا فیض پنجاب سے باہر عام ہو سکے۔ مولانا منوّر الدین جامع مسجد سوتر منڈی لاہور میں خطیب تھے۔ ۱۳۵۱ھ میں "صرف بھتراں معروف بہ مرآۃ بھوچھال" مرتب کی۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"قوانین این کتاب از نقائص و اغلاط مبّری اند و مفصّل بیان شدہ اند زیرا آنچہ حضرت (غلام رسول مرحوم) دریں کارِ خیر سعی بلیغ کردہ بود ندو حاجت بسوئے کتاب دیگر از کتابہائے صرف نیفتد و ترتیب ہم اعلیٰ است کہ در کتاب دیگر ندیدہ شد و کمی کہ در مقدمہ بود آن مکمل کردم"[1]

مولانا حکیم منوّر الدین کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



---

[1] صرف بھتراں ص ۴

مہدی خطائی

ملا مہدی خطائی شاگرد ملا محمد مقیم لاہور کے شیعہ عالم تھے۔ نور احمد چشتی نے سید رجب علی ارسطو جاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ملا مہدی کے شاگرد تھے۔ سید رجب علی (ولادت: ۱۲۲۱ھ) بارہ سال کی عمر میں جگراؤں سے لاہور آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۳ھ/۱۸-۱۸۱۷ء میں ملا مہدی خطائی لاہور میں مقیم تھے اور طلبہ اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ملا مہدی خطائی کے استادِ گرامی حُر عاملی علم حدیث کے بلند مرتبت عالم تھے۔ اور "وسائل الشیعہ" (حدیث) اُن کی یادگار ہے۔ ملا مہدی کے توسط سے لاہور میں ایک اہم سلسلۂ سند کا فیض پھیلا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ملا مہدی خطائی کے بارے میں ہماری معلومات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔



سیّد مہر علی شاہ گولڑوی ؒ

پیر سیّد مہر علی شاہ بن سیّد نذر دین شاہ بن سیّد غلام حیدر شاہ بن سیّد روشن دین یکم رمضان ۱۲۷۵ھ/ ۴ اپریل ۱۸۵۹ء کو گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔[1] اُن کا سلسلۂ نسب ۲۵ ویں پشت میں شاہ عبدالقادر جیلانی بغدادی ؒ سے جاملتا ہے۔ اُن کی نانی حضرت سیّد جلال الدین بخاری اوچی کی اولاد میں سے تھیں۔ پیر سیّد مہر علی شاہ کے اجداد میں سے سیّد روشن دین پہلے شخص تھے جنہوں نے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی۔

پیر سیّد مہر علی شاہ کے خاندان میں علم و عمل کی اچھی روایات چلی آرہی تھیں۔ اُنہوں نے مقامی مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ غلام محی الدین ہزاروی سے درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد بھوئی (ضلع راولپنڈی) جاکر مولانا محمد شفیع کے درس میں شامل ہوئے اور دو سال اُن کی خدمت میں رہ کر صرف و نحو کی متوسط کتب اور منطق میں "قطبی" پڑھی۔ یہاں سے انگہ (ضلع سرگودھا) گئے اور مولانا سلطان محمود سے استفادہ کیا۔ راستے میں میکھی ڈھوک (ضلع اٹک) رُکے مگر مولانا سلطان محمود کی کشش اس قدر غالب تھی کہ یہاں قیام نہ کیا۔ انگہ میں اڑھائی سال مقیم رہے اور درسِ نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۰ھ/ ۷۴-۱۸۷۳ء میں وسطِ ہند کا سفر کیا۔ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ کے لئے کانپور حاضر ہوئے مگر وہ سفرِ حج کے لئے پابرکاب تھے۔ اس لئے کانپور سے علی گڑھ چلے گئے جہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ)

---

[1] مہر منیر ص ۶۱

کی مسندِ تدریس بچھی ہوئی تھی۔ مولانا لطف اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ریاضی کی کتبِ عالیہ کا درس لیا۔ ۱½ سال بعد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے پاس حاضر ہوئے اور الصحیحین کا درس لیا اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں اُن سے سندِ حدیث حاصل کی[1] اس طرح بیس سال کی عمر میں علومِ متداولہ کی تحصیل کر لی۔

پیر سید مہر علی شاہ کے اُستادِ گرامی مولانا سلطان محمود انگوی، حضرت شمس الدین سیالوی کے مریدِ خاص تھے۔ اُن کے توسط سے پیر صاحب نے بھی حضرت سیالویؒ کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

علومِ مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو سیر و سیاحت کے لئے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ تین چار سال لاہور میں مقیم رہے۔ اُن کا قیام حافظ محمد دین (کشمیری بازار) کے ہاں تھا۔ زیادہ وقت دریائے راوی کے کنارے ریاضت و عبادت میں گزارتے تھے یا شیخ الٰہی بخش کتب فروش کی دکان پر گزرتا تھا۔ اُن کی علمی وجاہت کے پیشِ نظر انجمن نعمانیہ لاہور نے اُن کی خدمات مدرسہ نعمانیہ کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۳۰۱ھ/۸۴-۱۸۸۳ء میں انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ طلبہ شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں رہتے تھے اور وہ درس کے لئے مسجد حاضر ہو جاتے تھے۔ قیامِ لاہور کے بعد مالیر کوٹلہ، ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع کے سفر کئے۔ اسی زمانے میں اجمیر شریف بھی گئے۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ) سے ملاقات ہوئی۔ مدرسہ صولتیہ کے مدرس مولانا محمد غازی پیر صاحب کے علم و تقویٰ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ اُن کے ہمراہ گولڑہ شریف

---

[1] مہر منیر ص ۸۱

آ گئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) کے درسِ مثنوی میں شریک ہوئے۔ پیر صاحب نے مسئلہ وحدت الوجود کے موضوع پر ایسی علمی اور پُر تاثیر گفتگو کی کہ حاجی صاحب نے خوش ہو کر سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا شجرہ لکھ کر عنایت کیا۔ پیر صاحب لکھتے ہیں:

"بوقت زیارتِ بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحب کہ اہل کشف و کرامت تھے خود ہی نعمتِ باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا۔ اُن کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت بھی جو آپ کی رضامندی سے ہے غیر مشکور نہیں اور نیز یہ عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں۔ بعدہٗ اُنہوں نے سلسلۂ صابریہ اکرام فرمایا"[۵۱]

حاجی صاحب نے پیر صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ جلد ہندوستان واپس چلے جائیں کیونکہ "ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے"۔ چنانچہ پیر صاحب اس مشورے کے مطابق قیامِ حرمین کا ارادہ ترک کر کے واپس وطن آ گئے۔ حضرت حاجی صاحب کے کشف کو پیر صاحب "مرزائے قادیانی کے فتنہ" سے تعبیر کرتے تھے۔[۵۲]

پیر صاحب نے مرزائے قادیانی کے فتنے کی روک تھام کے لئے "سخنے اقدمے اور قلمے" کام کیا۔ اُنہوں نے ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں ایک رسالہ "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح" لکھا۔ اُن کی یہ کوشش بہت پسند کی گئی۔ مولانا عبدالجبار

---

۵۱ مقالاتِ مرضیہ ص ۱۷۲

۵۲ ایضاً ص ۱۰۴

غزنوی رح (م ۱۳۳۱ھ) نے پیر صاحب کو لکھا:

"کتاب شمس الہدایت در ردِ ملاحدۂ دہر و زنادقۂ عصر خذلہم اللہ از نظر احقر گذشت، از مطالعہ اش حظِ وافر و خیرِ ظاہر برداشتم"[1]

مرزا صاحب نے کتاب کا کوئی جواب دینے کے بجائے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء / ۲۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۸ھ کو ایک طویل اشتہار چھاپ دیا اور پیر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے عربی زبان میں تفسیر نویسی کا چیلنج داغ دیا۔ پیر صاحب نے چیلنج قبول کرتے ہوئے لکھا کہ مرزا صاحب علماء و صوفیاء کو دعوتِ مبارزت دیتے رہتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ علماء سے اپنے دعاوی اور عقائد پر گفتگو کریں اور اگر وہ عربی زبان میں مہارت دکھانے پر بضد ہیں تو وہ اس کے لئے بھی حاضر ہیں۔ اشتہار بازی کے بعد ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء / ۲۷ ربیع الاخریٰ ۱۳۱۸ھ کو شاہی مسجد لاہور میں مناظرہ طے پایا۔ پیر صاحب اور دوسرے علماء شاہی مسجد میں وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے مگر مرزا صاحب نے راہِ فرار اختیار کی۔[2] اس کے بعد مرزا صاحب نے تفسیر سورۂ فاتحہ (اعجاز المسیح) شائع کر کے اپنی بات رکھنے کی کوشش کی مگر پیر صاحب نے "سیفِ چشتیائی" میں مرزا صاحب کی عربی دانی کی قلعی کھول دی۔ پیر صاحب نے صرف و نحو، لغت، بلاغت و معانی اور منطق کے قواعد کی رو سے "اعجاز المسیح" کی اغلاط گنائی ہیں نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے تقریباً یکصد اعتراضات کئے ہیں جو آج تک قائم ہیں۔ "سیفِ چشتیائی" کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی رح (م ۱۳۶۲ھ) نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" (زیر سورہ نساء آیت ۱۵۷) میں لکھا ہے کہ:

---

[1] بحوالہ مہر منیر

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مہر منیر" (سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گولڑوی رح)

"حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب سیفِ چشتیائی قابلِ مطالعہ ہے۔"

اسی طرح مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنی تالیف "عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسے علیہ السلام" کے دیباچہ میں اس کی تعریف کی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ نے مولانا عبدالاحد خانپوری کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف کیا اور دونوں طرف سے رسالہ بازی ہوئی۔ نذر و نیاز، سماعِ موتیٰ اور استمداد وغیرہ ان رسائل کے موضوعات تھے۔

پیر صاحب صوفی صافی اور فلسفۂ وحدت الوجود پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے رمز شناس تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس مسئلے کے لئے اُن کی طرف رجوع کیا۔ انہیں ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقاصد کے لئے کھٹکایا جائے۔"[۱]

پیر صاحب ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ/ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو فوت ہوئے اور گولڑہ شریف میں دفنائے گئے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (فارسی۔ ۱۳۱۵ھ)

۲۔ شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح (۱۳۱۷ھ)

۳۔ سیفِ چشتیائی (۱۳۱۹ھ)

۴۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان "ما اھل بہ لغیر اللہ" (۱۳۲۲ھ)

۵۔ الفتوحات الصمدیہ (۱۳۲۵ھ)

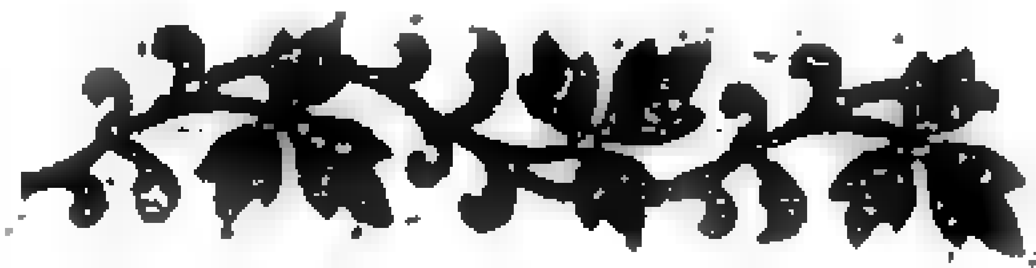
۶۔ تصفیہ مابین سنی وشیعہ (غیر مطبوعہ)

۷۔ فتاویٰ مہریہ

۸۔ مکتوباتِ مہریہ

پیر صاحب پنجابی اور فارسی میں کبھی کبھی نعتیہ اشعار کہتے تھے اور مہرؔ تخلص کرتے تھے۔
اُن کی اس پنجابی نعت سے شاید ہی کوئی پنجابی بولنے والا ناآشنا ہو ؎

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں



مہر محمد اچھروی

مولانا مہر محمد اچھروی بن عبداللہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں بمقام چوکھنڈی ضلع اٹک پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا۔ تھوہا محرم خان میں ابتدائی مکتبی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد خوشاب میں حافظ عطاء الرسول سے حفظِ قرآن مکمل کیا۔ استاذ مکرم حافظ عطاء الرسول کی وفات پر بچوں کو قرآن (حفظ و ناظرہ) پڑھانے لگے۔

مولانا مہر محمد جس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں شاید ہی کوئی گھرانہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد فوج میں ملازم نہ تھا۔ مولانا موصوف بھی اس سماجی پس منظر میں فوج میں چلے گئے۔ ایک دفعہ چند قیدی اُن کی نگرانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے تھے کہ راستے میں قیدی بھاگ جانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس "نااہلی" کی بنیاد پر اُن کی ملازمت ختم کر دی گئی۔

فوج سے الگ ہو کر دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ فارسی درسیات بندیال (ضلع سرگودھا) میں مولانا سلطان محمود سے پڑھیں۔ اس کے بعد قاضیاں (مظفر گڑھ) کے مولانا غلام حسین اور مولانا غلام محمد گھوٹوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا گھوٹوی بغرضِ حج ارضِ حجاز تشریف لے گئے تو اُن کی عدم موجودگی میں مولانا غلام رسول (ساکن اَنہی) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا گھوٹوی کی واپسی پر اُن سے سندِ فراغ حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں صدر مدرس مقرر ہوئے درمیان میں کچھ عرصہ ستوکی (مضافات لاہور) میں مقیم رہے۔ آخر دم تک جامعہ فتحیہ سے

وابستہ رہے۔ ۲۰ ربیع الاخری ۱۳۷۷ھ / ۲۹ نومبر ۱۹۵۷ء کو فوت ہوئے اور جامعہ قتحیہ کے قریبی قبرستان میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم بلند پایہ عالم اور کامیاب مدرس [illegible]

[illegible] میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا عطا محمد بندیالوی

۲۔ مولانا غلام مہر علی گولڑوی (چشتیاں) مؤلف "الیواقیت المہریہ"

۳۔ مولانا غلام رسول (فیصل آباد)

۴۔ مولانا محمد مہرالدین

۵۔ مولانا محمد عبدالحق (لاہور)

۶۔ مولانا عنایت اللہ چشتی (کالا باغ)



سید میر حسن سیالکوٹی

مولانا سید میر حسن بن سید شاہ محمد سیالکوٹ کے دیندار خانوادۂ سادات کے چشم و چراغ تھے۔ ۸ / اپریل ۱۸۴۴ء / ۲۹ / ربیع الاولی ۱۲۶۰ھ کو اپنے ننھیال فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے "رونق بخش" تاریخی نام ہے۔

مولانا میر حسن کے والد ماجد عالم دین اور حاذق طبیب تھے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اور قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا۔ بعض کتابیں پسرور کے ایک عالم مولانا شیر محمد سے پڑھیں جو سیالکوٹ کے بازار "دو دروازہ" کی مسجد میں امام تھے۔ ان کے علاوہ کسی کے سامنے با ضابطہ زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا۔ اپنے ذاتی مطالعہ، لگن اور علمی انہماک سے بلند مرتبہ حاصل کیا۔

مولانا موصوف کے والد چاہتے تھے کہ وہ طب کو ذریعہ معاش بنائیں مگر اُنہوں نے اشاعتِ علم اور تدریس کو اپنے لیے پسند کیا۔ ابتدا میں چند روز ایک مسجد میں فرائضِ امامت ادا کیے مگر جلد ہی سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں ملازمت مل گئی۔ یہی سکول بعد میں کالج بنا اور مولانا میر حسن عربی اور دینیات کے پروفیسر رہے۔

فرائضِ منصبی کے علاوہ طلبہ کو عربی و فارسی پڑھاتے تھے۔ اُن کا طریقۂ تدریس ایسا تھا کہ طلبہ میں ادب و شعر کا صحیح ذوق پیدا ہو جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فارسی کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے اُردو اور پنجابی کے کئی مترادف شعر پڑھ دیتے اور اس وقت تک سمجھاتے رہتے جب تک مطلب واضح نہ ہو جاتا۔

موصوف درس و تدریس اور علمی مشاغل کے علاوہ رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء کے اختتام پر انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے صدر چُنے گئے۔ انجمن کے تاریخ نگار کے الفاظ میں "یہ انجمن کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو آغاز سے ہی ایسے نامور انسان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا جس کی وجہ سے انجمن کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ

ہوا[۱] ۲۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے تاہم نئے انتخابات تک فرائض صدارت انجام دیئے۔ اُن کا جانشین اپریل ۱۹۱۴ء کو منتخب ہوا۔

مولانا میر حسن راسخ العقیدہ حنفی المسلک[۲]، درویش صفت انسان تھے۔ رواداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اُن کے شاگردوں میں ہندو، سکھ، مسلمان اور عیسائی سب ہی شامل تھے۔ تحریک علی گڑھ کے ہم نواؤں میں سے تھے اور پنجاب کے اُن دو چار افراد میں سے تھے۔ جن پر سرسید احمد خان کو اعتماد تھا۔ ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا اس تقریب میں مولانا موصوف بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے تھے۔

سادہ زندگی گزارتے تھے۔ مطالعہ کے رسیا تھے۔ ہر اہم کتاب دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں کہیں نایاب یا کمیاب کتاب پاتے۔ خرید لیتے اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہوتی تو اُسے نقل کر لیتے تھے۔ قلمی کتابوں کی نقلیں تو انہوں نے بے شمار کی تھیں۔ عبدالمجید سالک مرحوم نے لکھا ہے:

"اقبال لاہور میں پروفیسر تھے۔ اس زمانے میں کہیں سیالکوٹ جانا ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب فلوگل کی نجوم الفرقان کو نقل کر رہے ہیں۔ پوچھا حضرت آپ اس مطبوعہ اور ضخیم کتاب کو نقل کرنے کی زحمت کیوں فرماتے ہیں؟ جواب: کیا کروں، اس کی قیمت چھبیس روپے ہے اور مجھ میں مقدرت نہیں۔ اقبال نے اُسی وقت نجوم الفرقان خرید کر نذر کی[۳]

مولانا موصوف کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی

۱۔ تاریخ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ ص ۲۵
۲۔ تاریخ سیالکوٹ ص ۱۰۲
۳۔ ذکرِ اقبال ص ۲۷۵

سے ارادت مندانہ تعلقات تھے۔ سر سید احمد خان، مرزا غلام احمد قادیانی (جو ایک عرصہ سیالکوٹ میں مقیم رہے تھے)، حکیم نور الدین قادیانی وغیرہ سے مراسم تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں حکومت نے انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔

روایت ہے کہ جب علامہ اقبال کو باقاعدہ خطاب دینے سے پہلے گورنر پنجاب میک لیگن نے "نائٹ ہڈ" کا خطاب قبول کر لینے کے لیے بلایا تو انہوں نے اپنے استاد محترم سید میر حسن کا نام پیش کیا کہ انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا جائے اور جب گورنر نے ان کی کسی تصنیف کا پوچھا تو علامہ اقبال نے جواب دیا کہ وہ خود ان کی زندہ تصنیف ہیں۔ چنانچہ گورنر نے خطاب دیئے جانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

علامہ اقبال نے یہ شرط بھی پیش کی کہ مولانا کو سند کے لیے لاہور آنے کی زحمت نہ دی جائے۔ چنانچہ یہ شرط بھی مان لی گئی اور مولانا کے خطاب کی سند ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید نقی علی شاہ نے حاصل کی۔ اور انہوں نے یہ سند اپنے والدِ محترم کو سیالکوٹ پہنچائی۔

مولانا پچاسی سال کی عمر پا کر ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء / ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے۔ تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے رنج و غم کا اظہار کیا۔ مرحوم کی وصیت کے مطابق مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے میت کو غسل دیا اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اُن کا مزار بڑی عید گاہ کے قریب حاجی ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کے قبرستان کے نزدیک واقع ہے[1]۔

مولانا مرحوم کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل نام بہت نمایاں ہیں:

۱۔ علامہ محمد اقبال

---

[1] تاریخ سیالکوٹ ص ۱۰۶

۲۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۳۔ مولانا ظفر اقبال

۴۔ منشی غلام قادر فصیح

۵۔ مولوی احمد دین ریڈر

۶۔ محمد مسیح پال (ایمن حزیں سیالکوٹی)



محمد نبی بخش حلوائی

مولانا محمد نبی بخش حلوائی ۱۸۶۰ء/۷۷-۱۲۷۶ھ میں لاہور کے ایک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں محمد وارث دہلی دروازے کے اندرونی محلہ (اکبر منڈی) میں رہائش پذیر تھے اور کھیتی باڑی پر گزر اوقات تھی۔

مولانا محمد نبی بخش کے خانوادے میں کوئی علمی روایت نظر نہیں آتی۔ وہ دس برس کے ہوئے تو محلے کے ایک حلوائی کی شاگردی میں دے دیئے گئے۔ حلوائی کی دکان پر کام کرنے کے ساتھ مسجد میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ فطری دینی ذوق اور علمی دلچسپیوں سے علوم دینیہ پڑھنے شروع کئے۔ مدرسہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ غوثیہ تکیہ سادھواں اور مدرسہ نعمانیہ میں وقتاً فوقتاً زیرِ تعلیم رہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ اُن کی رحلت پر پیر جماعت علی شاہ ثانی لاثانی علی پوری سے تجدید بیعت کی تھی۔ مولانا محمد نبی بخش اصلاح و تبلیغ کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے انداز دعوت و تبلیغ میں بے پناہ کشش رکھی تھی۔ ابتداء میں گاؤں گاؤں جا کر وعظ کہتے تھے اور پنجابی زبان میں خطاب کرتے تھے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے اُن کے شعری ذوق اور اصلاحی جذبے کے پیشِ نظر قرآن پاک کی منظوم پنجابی تفسیر لکھنے کا حکم دیا اور بسم اللہ کا ترجمہ یوں کیا ؏

اسم اللہ دے نال شروع ہے جو بخشش دا سائیں
کامل مہر محبت والا پاوے آخر تائیں

مولانا محمد نبی بخش نے پندرہ جلدوں میں "تفسیر نبوی" مکمل کی۔ جس زمانے میں

تفسیر لکھ رہے تھے۔ دہلی دروازے کے باہر حلوا بیچا کرتے تھے۔ اُن کی زندگی کا یہ پہلو اسلاف کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اُنھوں نے اپنی تمام جائیداد تفسیرِ نبوی کی اشاعت اور کوالی کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں صرف کردی۔ لاہور کے معاصر علمائے اہلِ سنّت سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔ وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ عربی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ مثنوی مولانا روم سے والہانہ لگاؤ تھا اور تصنیف و تالیف کا اچھا سلیقہ رکھتے تھے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں لاولد فوت ہوئے[1] جناب ابوطاہر فدا حسین فدا نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

ہو گئے واصل بحق ہاں ہمدمو
عالم ذی مرتبت وہ دیں پناہ
بندۂ حق، صاحبِ فضل و کمال
عظمتِ علم و حکم کے بادشاہ
الفتِ خیر البشر کے فیض سے
خُلد میں داخل ہوئے با عزّ و جاہ
کہہ گیا ملہم فدا۔ سے سالِ وصل
از سر الہام "مغفورِ الٰہ"

۱۳۶۲ + ۱

۱۳۶۳ھ

مولانا مرحوم کا جاری کردہ مدرسہ، مسجد اور خانقاہ یادگار ہیں۔ مرحوم کے فیض یافتگان

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے سالِ وفات ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء لکھا ہے (تذکرہ اکابرِ اہلسنت ص ۵۴۶) مگر قطعۂ تاریخ سے سالِ رحلت ۱۳۶۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

میں مولانا بانع علی نسیم، حافظ محمد عالم سیالکوٹی اور جناب اقبال احمد فاروقی کے نام نمایاں ہیں
مولانا نبی بخش کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ تفسیر نبوی (پنجابی منظوم) تالیف ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۵۱ھ)

۲۔ شفاء القلوب

۳۔ رسالہ اربعہ

۴۔ رسالہ جمعہ

۵۔ اظہار انکار المنکرین من صلوٰۃ الجبین

۶۔ الامتیاز بین الحقیقت والمجاز

۷۔ النار الحامیہ لمن ذم المعاویہ

۸۔ انوار نبوی

۹۔ جامع الشواہد

۱۰۔ قصص المحسنین

۱۱۔ اطلاع الناس فی طلاق الثلاث

۱۲۔ احسان الاموات فی صدقات والاسقاط

۱۳۔ سبیل الرشاد فی حق الاستاد

۱۴۔ تحقیق الزمان فی آداب المشائخ والاخوان



نجم الدین ڈھریالوی

مولانا نجم الدین بن مولانا احمد دین ۱۲۸۶ھ/ ۷۰-۱۸۶۹ء کے لگ بھگ ڈھریالہ جالپ ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔ موضع بھیرت ضلع سرگودھا میں بغرضِ تعلیم مقیم رہے۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا نجم الدین نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے تھے۔ اپریل ۱۹۱۹ء تا ۱۹۳۵ء اورینٹل کالج لاہور میں بطور ہیڈ مولوی (مولوی اوّل) تدریسی خدمات انجام دیں[1]۔

مولانا نجم الدین نے اپنے آبائی وطن میں تعلیم عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ گاؤں میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ قابل اور ذہین طلبہ کے تعلیمی اخراجات برداشت کیے اور انہیں اعلیٰ تعلیم کے مواقع مہیا کیے۔

موصوف فرقِ باطلہ کی تردید میں بہت سرگرم تھے۔ قادیانیت کے سلسلے میں مشہور مقدمہ بہاول پور (۱۹۳۲ء) میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے اور اپنے استاد مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور دوسرے علماء کے ساتھ علمی سطح پر قادیانیت پر ضرب لگائی۔ مولانا جامع مسجد ڈھریالہ جالپ میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

مولانا نجم الدین ۱۶ر جولائی ۱۹۴۳ء/ ۱۲ر رجب ۱۳۶۲ھ کو جالندھر میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مرحوم سے ایک کتابچہ "امثال القرآن" یادگار ہے۔



۱۔ تاریخ اورینٹل کالج ص ۲۱۴

نصیر الدین بگوی

مولانا نصیر الدین بگوی بن مولانا عبدالعزیز بگوی، خاندانِ بگہ کے ہونہار فرزند تھے۔
۱۳۱۱ھ/۹۴-۱۸۹۳ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسیات اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں۔ عربی زبان کی صرف و نحو مولانا محمد یحییٰ بگوی سے پڑھی۔ اس کے بعد سیال شریف ضلع سرگودھا میں مقیم رہے اور مولانا غلام محمد سے اکتسابِ فیض کیا۔ سیال شریف سے صوبہ بہار کا طویل سفر کیا۔ مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بہار سے واپسی پر تین سال مولانا محمد ذاکر بگوی سے استفادہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ ضلع فیصل آباد اُن کی دینی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ کامیاب واعظ اور مبلّغ تھے۔ اُن کا وعظ مؤثر اور دلپذیر ہوتا تھا۔ سمندری میں ایک اصلاحی اور تبلیغی انجمن قائم کی تھی۔

مولانا احمد خان (کندیاں) سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے اور اُن سے مجازِ طریقت تھے[۱]۔

۲۱ فروری ۱۹۳۴ء/۶ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ کو لاری کے حادثے میں اپنی اہلیہ اور دو فرزندوں کے ساتھ شہید ہوئے۔ بھیرہ میں مدفون ہوئے۔ بوقتِ رحلت دو صاحبزادے حیات تھے:

۱۔ مولانا افتخار احمد بگوی
۲۔ مولانا حکیم برکات احمد بگوی

---

[۱] تحفہ سعدیہ ص ۱۵۷

نصیرالدین غورغشتوی

مولانا نصیرالدین بن بہاء الدین بن سعدالدین بن شیخ محمد موسیٰ بن اخوند محمد بشارت ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں غورغشتی ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔افغان قبیلہ کاکڑ کے چشم و چراغ تھے۔ زبانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے جدِ امجد، سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے ہمراہ بغرض جہاد برصغیر میں آئے تھے اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے بعد وطن واپس جانے کے بجائے غورغشتی میں سکونت اختیار کرلی۔اس خاندان علم وارشاد کی سنہری روایت کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی۔مولانا نصیرالدین کے دادا، مولانا سعدالدین بلند پایہ عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔اخوند صاحب سوات (م ۱۲۹۳ھ) اُن کی بہت عزت کرتے تھے اور علاقہ چھچھ کے اپنے ارادت مندوں سے کہا کرتے تھے کہ "جب چھچھ میں اخوند سعدالدین موجود ہیں تو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے"۔ اسی طرح مولانا بہاءالدین جیّد عالم، کامیاب مدرّس اور صوفی بزرگ تھے۔

مولانا نصیرالدین کی عمر چودہ سال تھی کہ مولانا بہاءالدین کا انتقال ہوگیا۔مولانا نصیرالدین نے اپنے بڑے بھائی مولانا شہاب الدین سے ابتدائی درسیات پڑھیں۔اس کے بعد ملتان گئے اور صرف و نحو کی تحصیل کی۔وہاں سے موضع نوتھہ (ضلع اٹک) میں مولانا غلام رسول المعروف "انہی والا بابا" کے حضور میں آئے۔مولانا غلام رسولؒ سے نحو، معانی اور منطق کی کتب پڑھیں۔دورۂ حدیث، قاضی قمرالدین چکڑالویؒ سے کیا۔

علومِ متداولہ کی تحصیل کرکے آبائی گاؤں غورغشتی میں تدریس شروع کی۔مگر مولانا سلطان محمد (ساکن نوتھہ ضلع اٹک) کے ایماء پر رنگون چلے گئے جہاں چند سال فرائض تبلیغ و خطابت انجام دیئے۔رنگون کے زمانۂ قیام میں دارالعلوم دیوبند کی تابندہ روایات کا تذکرہ سُن کر دیوبند جانے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ رنگون سے واپس آتے ہوئے دارالعلوم میں

داخلہ لیا۔ مگر خرابیٔ صحت کی وجہ سے چند ہفتوں سے زیادہ قیام نہ ہو سکا۔

غور غشتی میں دوبارہ تدریس شروع کی تو پشتو اور فارسی بولنے والے علاقوں کے طلبہ ٹوٹ پڑے۔ مختلف سالوں میں ساٹھ سے لے کر ڈیڑھ سو تک طلبہ زیر درس رہے۔ انتقال سے چند سال پہلے بوجہ ضعفِ پیری سلسلۂ تدریس موقوف کر دیا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اُن سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کم و بیش پانچ ہزار ہو گی۔

ایک روایت ملتی ہے کہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) کی رحلت کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے منتظمین اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنہیں مدرسہ کی مسندِ حدیث کی پیشکش کی مگر مولانا نصیر الدین نے اپنے وطن میں رہ کر خدمتِ حدیث کرنے کو ترجیح دی۔

مولانا نصیر الدین نے خواجہ سراج الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا حسین علیؒ سے تجدیدِ بیعت کی موصوف واں بھچراں میں اکثر قیام کرتے اور اپنے اُستاد و مرشد مولانا حسین علیؒ سے استفادۂ علمی و دینی کرتے تھے۔ مولانا حسین علیؒ کے خلفاء میں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

مولانا نصیر الدین کی زندگی خدا خوفی، تقویٰ اور توکل علی اللہ کی سچی تصویر تھی۔ سادہ طبیعت اور معتدل مزاج بزرگ تھے۔ حمیتِ دینی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں دس ماہ اٹک اور ساہیوال کے جیل خانوں میں رہے۔

۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ / ۲۳ جنوری ۱۹۶۹ء کو پی۔ او۔ ایف ہسپتال واہ چھاؤنی میں وفات پائی۔ میت غور غشتی لائی گئی۔ اُن کے خلف الرشید مولانا رکن الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔

مولانا مرحوم کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل بہت اہم ہیں۔

۱۔ حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح۔ بہت محنت اور عرق ریزی سے یہ حاشیہ لکھا گیا ہے یہ حاشیہ اُن کے مدتوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہے افسوس کہ مطبوعہ ایڈیشن اغلاط سے مملو ہے۔

۲۔ حاشیہ ابوداؤد (غیر مطبوعہ)

۳۔ حاشیہ جامع ترمذی (〃)

مولانا کے پانچ صاحبزادے ہیں جن میں سے اوّلین تین صاحبزادے مستند عالم ہیں۔

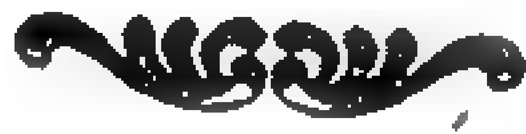
۱۔ مولانا رکن الدین

۲۔ مولانا فخر الدین

۳۔ مولانا محمد ابراہیم

۴۔ صدر الدین

۵۔ محمد اسماعیل



نظام الدین ملتانی

مولانا نظام الدین کے آباؤ اجداد ملتان کے رہنے والے تھے۔ اُن کی اپنی ابتدائی زندگی بھی ملتان میں گزری۔ بعد میں وزیر آباد میں منتقل ہوئے اور طبعی عمر کو پہنچ کر وزیر آباد میں فوت ہوئے۔ تاریخِ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اُنھوں نے حضرت امیر سلطان (سجادہ نشین سلطان باہُوؒ) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مناظرانہ مزاج رکھتے تھے۔ اُن کی تحریروں میں بھی مناظرانہ انداز ہوتا تھا۔ اُن کی تالیفات پر عموماً یہ اعلان شائع ہوتا تھا:

"اہلِ اسلام کو واضح ہو کہ اگر آپ کو کوئی وہابی، شیعہ، مرزائی، چکڑالوی ستائے اور چیلنج دے تو فوراً مولانا محمد نظام الدین ملتانی رئیس المناظرین کو بانتظام جلسہ طلب کریں۔ لیکن دس دن پہلے اطلاع دیں۔ ممدوح صاحب اُن کے ساتھ ہر وقت مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں[1]۔"

مولانا موصوف اپنے مخالفین کے بارے میں عام طور پر سخت لب و لہجہ اختیار کرتے تھے۔ جناب شرف قادری صاحب نے اُن کی حسبِ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے[2]۔

۱۔ سلطان الفقہ المعروف بہ فتاویٰ نظامیہ (گیارہ حصے)

۲۔ تکملہ سلطان الفقہ

۳۔ حقیقت مذہبِ شیعہ (چار حصے)

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۵۰۔

[2] ایضاً ص ۵۵۰۔ ۵۵۱

۴۔ بم کا گولہ بر رافضی ٹولہ

۵۔ قہرِ یزدانی بر قلعۂ قادیانی

۶۔ اباطیل وہابیہ

۷۔ النصح والمآرب فی احکام اللحٰی والشوارب

۸۔ القول الجلی فی رد حسین علی

۹۔ عقائد علماء دیوبند

۱۰۔ بلاغ المبین

۱۱۔ تفسیرِ نور

۱۲۔ "مکہ" بجواب طمانچہ

۱۳۔ سیرت المقلدین

۱۴۔ تحفۃ الناظرین یادگارِ نظام الدین

۱۵۔ سیف النعمان علی اہلِ الطغیان

۱۶۔ سلطان التفاسیر (دس پارے)

۱۷۔ زمانے کا تغیّر

۱۸۔ راہ عرفان (بزبان پنجابی)

۱۹۔ تحفہ دستگیر

۲۰۔ تحفہ محبوبِ سُبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف بہ شرح قصیدہ غوثیہ (قصیدہ غوثیہ کا پنجابی ترجمہ اور اُردو شرح ہے)۔

۲۱۔ صمصام الامامیہ علی اعناق الرافضیہ

۲۲۔ جر عہ نعلین در حلق غیر مقلدین

۲۳۔ ظل الغمام فی عدم جواز الفاتحہ خلف الامام

۲۴۔ رسالہ عدم جواز رفع یدین وآمین بالجہر

۲۵۔ اصلاح الطالبین

۲۶۔ تحقیق مسئلہ ہمہ اوست

۲۷۔ انگارِ عشق، ڈبل روٹی شرح پکی روٹی

۲۸۔ درثمین المعروف فیوضاتِ سلطانی مع رسالہ اثباتِ ذکرِ جہر



نور احمد نقشبندی

مولانا نور احمد بن مولوی تق احمد (معروف بہ گل احمد) بن فضل الدین ۱۲۲۰ھ/۰۶-۱۸۰۵ء میں موضع موسٰی چوہیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اپنے دادا مولوی فضل الدین سے متداول کتابیں پڑھیں اور مولانا غلام محی الدین (ساکن قصبہ پگڑ) سے حدیث و تفسیر کا درس لیا۔

۱۲۴۶ھ/۳۱-۱۸۳۰ء میں آبائی گاؤں سے چنیوٹ منتقل ہو گئے "مسجد لوہاراں والی" میں فرائض امامت انجام دیتے تھے اور طلبہ کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ کلمۂ حق کہنے میں بے باک تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں برطانوی حکومت کی مخالفت کی۔ گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا نور احمد نے مشہور نقشبندی بزرگ مولانا امام علی شاہ نقشبندی (ساکن رتڑ چھتڑ گورداسپور) سے بیعت کی تھی اور اُن کے خلفاء میں سے تھے۔ سیّد عبداللہ غزنویؒ (م ۱۲۹۸ھ) کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ میاں شیر محمد شرقپوریؒ اُن کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اپنے چنیوٹ کے مریدوں کو کہا کرتے تھے کہ "میرے پاس آنے کے بجائے مولانا نور احمد کے پاس جایا کرو"[لہ]

مولانا نور احمد ۱۵ر شعبان ۱۲۹۹ھ/۲ر جولائی ۱۸۸۲ء کو چنیوٹ میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ چار صاحبزادیاں تھیں۔

مولانا نور احمد سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

لہ تذکرہ اولیائے جھنگ ص ۳۳۸

۱۔ مثنوی ناز و نیاز ۲۔ ساقی نامہ

۳۔ توحید نامہ ۴۔ عشق نامہ

۵۔ پنج گنج (پنجابی)

۶۔ ایک کتاب چنیوٹ کے قاضی خاندان کے بارے میں تالیف کی تھی۔ جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔



نور احمد فرید آبادی

مولانا نور احمد موضع پائی آہنہ تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ مولانا الٰہی بخش شاگرد مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر اپنے گھر میں درس و تدریس شروع کی۔

خواجہ محمد بخش نازک بن خواجہ غلام فرید سے بیعت تھے۔ خواجہ محمد بخش نے انہیں خلافت سے سرفراز کیا تھا۔ خواجہ غلام فرید سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کی نسبت سے اپنے گاؤں کا نام "فرید آباد" رکھ دیا تھا۔

مسلکِ اہلِ سنّت کے زبردست داعی تھے جب قادیانیوں نے خواجہ غلام فریدؒ کے جعلی خطوط سے اپنے حق میں استدلال کیا تو انہوں نے دلائل و شواہد سے حقیقتِ حال واضح کی۔

مولانا نور احمد فرید آبادی موضع پائی آہنہ (فرید آباد) میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔[1] اُن سے متعدد کتابیں یادگار ہیں مگر کوئی بھی زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

مولانا نور احمد فرید آبادی سے سینکڑوں افراد نے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ اُن کے خلفاء میں سے چند نام یہ ہیں:

۱۔ صاحبزادہ مولانا محمد اعظم (صاحبزادہ)
۲۔ صاحبزادہ عبدالرسول (؍؍)
۳۔ مولانا محمد یار ساکن گڑھی اختیار خان
۴۔ مولانا غلام رسول جتوئی

---

[1] اولیائے بہاولپور ص ۲۸۳-۲۸۴

سیّد نور الحسن شاہ

مولانا سیّد نور الحسن شاہ بن سیّد غلام علی شاہ بن سیّد حیات علی شاہ بن سیّد عالم شاہ بن سید سکندر شاہ ۲۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ / ۳۰ ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ اس خاندان میں کئی اہلِ علم بزرگ گزرے ہیں۔ قصیدہ بُردہ کے شارحین جلال چناپی اور جمال چناپی اس خانوادے کے گلہائے سر سبد تھے۔

مولانا سیّد نور الحسن شاہ کے دادا سیّد حیات علی شاہ جیّد عالم اور اللہ والے بزرگ تھے۔ اُن کے صاحبزادے سیّد غلام علی شاہ (والد سیّد نور الحسن شاہ) صوفی منش بزرگ تھے اور خواجہ اللہ بخش تونسوی کے ارادت مندوں میں سے تھے۔ سیّد غلام علی شاہ کافی مدّت موضع احمد نگر چٹھہ میں مقیم رہے۔ مقامی سکول میں پہلے اوّل مدرّس اور بعد میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کام کیا۔

مولانا سیّد نور الحسن نے ابتدائی تعلیم احمد نگر چٹھہ میں حاصل کی۔ بعد میں اپنے برادرِ بزرگ سیّد حسین شاہ کے ہمراہ پنڈی بھٹیاں میں مقیم رہے۔ چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور آبائی گاؤں کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ چلے گئے۔ کیلیانوالہ خوشنویسوں کی وجہ سے پنجاب بھر میں ممتاز رہا ہے اور بعض خاندانوں میں پشت در پشت فنِ خوشنویسی چلا آ رہا ہے۔ مولانا سیّد نور الحسن نے یہ فن مولوی نور الٰہی سے سیکھا۔ اُن کی کتابت کردہ دو کتابیں "حکایات الصالحین" اور "مراۃ المحققین" زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھیں تاہم اس فن کو مستقل طور پر نہ اپنا سکے۔

کھیتی باڑی سے آذوقہ حیات حاصل کرتے تھے بعد میں ٹھیکیداری شروع

کردی اسی سلسلے میں وہ شرقپور آنے جانے لگے۔ حضرت شیر محمد شرقپوریؒ سے تعلق پیدا ہوا اور اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اُن کے ایما پر کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی اور خلافت سے نوازے گئے۔

مولانا سید نور الحسن شاہ، حضرت شرقپوری کے حلقۂ ارادت میں آنے سے پہلے شیعہ مسلک پر عامل رہتے۔ جب انہوں نے اہل سنّت کا مسلک اختیار کیا تو اُن کے احباب اور اعزہ نے مخالفت کی۔ اسی سبب اُن پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔

مولانا سید نور الحسن شاہ تریسٹھ سال کی عمر میں ۳، ربیع الاولیٰ ۱۳۷۲ھ / ۲۱، نومبر ۱۹۵۲ء کو کیلیانوالہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ مختلف شعراء نے اُن کے وصال پر قطعاتِ تاریخ کہے تھے۔ غلام حسین واصف کا ایک قطعۂ تاریخ یہ ہے[۱] ع

غوثِ وقت، خویش و شمسِ علم و دیں!
تحتے بر منصبش تالیف او
قطبِ عالم سیدی نور الحسن
بے عدیلش راست گر خواہی بگو
وصل با حق کرد و تاریخ وصال
یک ہزار و سہ صد و ہفتاد و دو

۱۳۷۲ھ

مولانا مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

---

[۱] انشراح الصدور بتذکرۃ النور ص ۴۰۰

۱۔ سیّد محمد باقر علی شاہ

۲۔ سیّد محمد جعفر علی شاہ

مولانا مرحوم کی قلمی یادگاروں میں ایک تالیف "الانسان فی القرآن" ہے۔ نیز اُن کے کچھ خطبات و مواعظ اُن کی سوانح حیات میں درج کئے گئے ہیں[۱]۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے اور محزونؔ تخلّص کرتے تھے۔



۱۔ انشراح الصدور بتذکرۃ النور ص ۱۷۲-۲۹۸

نورالحق علوی

مولانا نورالحق علوی بن منشی محمد قاسم موضع لبال ضلع اٹک میں ۱۸۸۸ء/۶-۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ منشی محمد قاسم پٹواری تھے۔ نماز روزے کے پابند اور صوفیانہ ذوق رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ احمد میرویؒ کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔

مولانا علوی نے ابتدائی تعلیم وطنِ مالوف میں حاصل کی اور تکمیلِ علم کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔ ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا۔ تمغہ اور بہاولپور سکالرشپ کے مستحق قرار پائے۔ ۱۹۱۹ء/۱۳۳۷ھ میں منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کرنے کے بعد ایک سال مدرسہ عربیہ رمضانیہ کلکتہ میں مدرّس رہے۔ اس کے بعد آبائی گاؤں میں آ گئے اور درس و تدریس شروع کی۔ اُن کے برادرِ اصغر ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ صاحب لکھتے ہیں:

"بھائی صاحب گاؤں کی مسجد میں درس دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُن کے یہاں درجن بھر طلبہ جمع ہو گئے، جن میں سے ہر ایک کا سبق دوسرے سے الگ تھا۔"[1]

مگر گاؤں میں زیادہ عرصہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور وہ دوبارہ دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور تقریباً ایک سال بطور مدرّس کام کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عربیہ ڈریا جالپ (تحصیل

۱؎ ماہنامہ "نقوش" (لاہور) آپ بیتی نمبر ص ۱۲۷۰

پنڈدادن خان ضلع جہلم) میں مدرس رہے اور طلبہ کو امتحانات منشی فاضل و مولوی فاضل کے لئے تیار کرتے رہے۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۳ء تک چار سال مدرسہ عربیہ دارالرشاد پیر جھنڈا (سندھ) میں بطور صدر مدرس کام کیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ فاضلیہ بٹالہ میں رہے۔ دسمبر ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ میں مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم کے علی گڑھ چلے جانے سے اورینٹل کالج لاہور میں "ایڈیشنل مولوی" کی اسامی پر اُن کا تقرر ہوا اور ۱۹۴۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے[1] اور اُن کی جگہ مولوی عبدالصمد صارم کا تقرر ہوا۔

مولانا علوی تاجپورہ۔ لاہور میں رہتے تھے۔ وہیں یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۷۰ھ/ ۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔ تاجپورہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مولانا علوی مرحوم علومِ دینیہ، عربی زبان و ادب اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شاگردی اور مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈا کی تدریس کی بنا پر انہیں مولانا عبیداللہ سندھی سے تعلقِ خاطر تھا۔ اُنہوں نے مولانا سندھی کے افکار و نظریات کی شرح و ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ مولانا سندھی کا معرکہ آرا مضمون "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف[2]" اُن ہی نے اِملا کیا تھا۔ جہاں جہاں سنینِ وفات اور حوالوں کی ضرورت تھی، اصل مضمون میں ان کا اضافہ کیا۔ اِس سلسلے میں اُنہوں نے لکھا ہے:

"حوالہ جات اور وفیات کی تفتیش و تحقیق میں بہت وقت لگا۔ ایک

---

[1] تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج ص ۷۲۔ مگر ص ۱۴۴ پر مولانا نورالحق کی مدتِ ملازمت دسمبر ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۲ء تک بتائی گئی ہے۔

[2] مطبوعہ ماہنامہ "الفرقان" (بریلی) شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۴۹ - ۳۳۵

ایک حوالے کے لئے بسا اوقات پوری کتاب پڑھنی پڑی۔ وفیات کی تلاش میں بھی کافی محنت صرف ہوئی لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ وفیات کے تعین سے ہر تحریک کا دور معین ہوتا ہے[1]"

مولانا نورالحق، شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کے شارحین میں سے تھے بیت الحکمت لاہور[2] کے روح رواں تھے۔ اُن کی تصحیح و تحشیہ سے شاہ صاحب کا رسالہ "ہمعات" شائع ہوا تھا۔

مولانا نورالحق علوی مرحوم نے ۱۹۳۵ء میں اورینٹل کالج لاہور میں "ہیڈ مولوی" کی اسامی کے لئے ایک درخواست دی تھی[3] جس میں اپنی تصنیفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مطبوعات

"الف ۔ عذب المناہل شرح الکامل للمبرد (داخل نصاب مولوی فاضل) یہ کتاب کامل مبرد کی مبسوط شرح ہے۔ تراجم، انساب، امکنہ، ایام عرب، لغت، تاریخ غرض تمام ضروری ادبی مواد اس خوبی سے فراہم کیا گیا ہے کہ ادیب کو "کامل" کے حل کرنے کے لئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

ب ۔ منشورِ حکم خلاصہ دبیر عجم (منظور شدہ نصاب منشی فاضل) کتاب مقبول عام اور طلبہ کے لئے از حد مفید ثابت ہوئی ہے۔

---

[1] ایضاً ص ۔ ۲۴۹

[2] افکار شاہ ولی اللہ رح کی ترویج و اشاعت کے لئے قائم شدہ ادارہ

[3] اس اسامی پر مولانا رسول خان (م ۱۳۹۱ھ) کا تقرر ہو گیا تھا۔

ج۔ میں نے قرآن حکیم کی اردو تفسیر بطرزِ دلکش مکمّل طور پر لکھی ہے تفسیر مذکور کے حسبِ ذیل حصّے شائع ہو چکے ہیں:

۱۔ نور الحق تفسیر سورۂ علق

۲۔ بارقۃ الحق ضمیمہ نور الحق

۳۔ الناموس المفصّل تفسیر سورۃ المزمّل

۴۔ فتح المقتدر تفسیر سورۃ المدّثر

مسوّدات

۱۔ اللآلی الغرر شرح سمط الدرر (داخل نصاب منشی فاضل مولوی عالم، اور بی۔ اے) کتاب مکمّل ہے۔ طباعت کے سلسلے میں اس کی ایک کاپی بھی لکھائی جا چکی ہے اور کاپی تا حال میرے پاس محفوظ ہے مگر پنجاب یونیورسٹی نے اس کی اشاعت کی اجازت نہ دی۔

۲۔ منار السالک شرح موطا امام مالکؒ (داخل نصاب مولوی فاضل) کتاب بزبان اردو ہے بطرزِ جدید۔ اس کتاب میں علاوہ محدّثانہ اور فقہی مباحث کے احکام شرعیہ کے حِکم و اسرار کا بھی التزام کیا گیا ہے۔

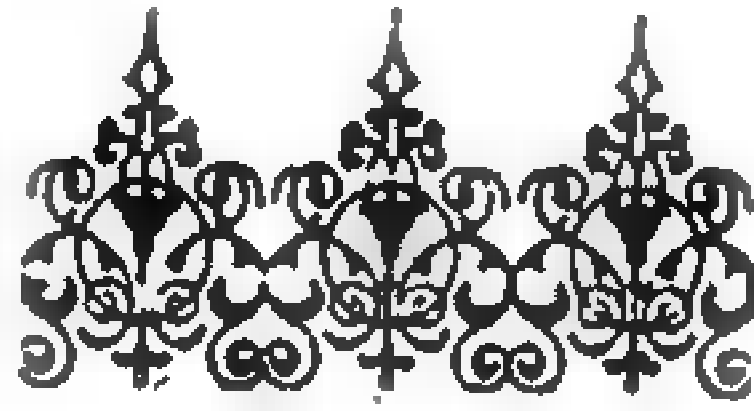
۳۔ شوارق الرحمان۔ شرح فتوح البلدان للبلاذری (منظور شدہ نصاب مولوی فاضل) یہ کتاب فتوح البلدان بلاذری کا با محاورہ اردو ترجمہ اور وسیط شرح ہے۔ اس کے ساتھ تراجم، انساب اور دوسرے تاریخی ضروری مواد کا اضافہ کر دیا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اس موضوع میں طلبہ کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے[1]

---

[1] ماہنامہ "الرحیم" (حیدرآباد) بابت اگست ۱۹۶۷ء ص ۲۳۳

مولانا علوی مرحوم کے کئی گراں قدر مقالات رسائل و جرائد میں طبع ہوئے۔ جو تاحال کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک "التعرف فی التصوف" (ہندوستان میں صوفیہ صافیہ کی برکات) ہے جو ماہنامہ "الفرقان" (بریلی) میں بالاقساط شائع ہوا۔ مدیر "الفرقان" نے ادارتی نوٹ میں لکھا ہے:

"ہندوستان میں اسلامی تصوف کی تاریخ، اس کے اثرات اور جامعہ اسلامیہ ہندیہ کی تاسیس و تعمیر میں حضرات صوفیاء کرام کی خدمات اور اُن کے احسانات کا اس نوعیت کا تذکرہ غالباً اس سے پہلے مرتب نہیں ہوا"[1]



---

[1] ماہنامہ "الفرقان" (بریلی) بابت جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ، ص ۱۷

نورالدین فاروقی

مولانا حافظ نورالدین فاروقی بن حافظ غلام رسول ۱۲۴۰ھ/۲۵-۱۸۲۴ء کے لگ بھگ موضع ٹھیکریاں مونیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ فاروقی النسب تھے۔ اُن کے والد بزرگوار حافظ غلام رسول درسِ نظامی کے فاضل اور جیّد عالم تھے۔

مولانا نورالدین نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اُن کے ممتاز ترین خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ قصوری سے خلافت پاکر چکوڑی بھیلووال نزد لالہ موسیٰ میں سکونت اختیار کی اور سلسلۂ درس و تبلیغ شروع کیا۔

۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء میں اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو روانہ ہوئے۔[1] چکوڑی شریف میں دفنائے گئے۔

قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے ع

جنابِ فضیلت مآب کمال!
چو کرد انتقال از سرائے زوال
زہے نورِ ملت زہے نورِ حق
زہے نورِ دیں حافظِ قیل و قال

---

[1] انوارِ محی الدین ص ۲۶۰

بہ شیخ از لبِ ہاتف آمد ندا
کہ گو "غایب نورِ جلی" بہ سال[1]

۱۳۰۲ھ



[1] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۵۵

سید نور اللہ شاہ سیالکوٹی

مولانا سید نور اللہ شاہ بن مولانا سید چراغ شاہ بن مولانا سید محمود شاہ ۱۲۸۰ھ/۶۴-۱۸۶۳ء
میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں علم وفضل کی روایت پہلے سے قائم تھی۔
مولانا سید چراغ شاہ، مولانا غلام مرتضٰی سیالکوٹی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور
مسجد کبوتراں والی سیالکوٹ میں درسِ قرآن وحدیث دیتے تھے۔ مولانا سید چراغ شاہ
اس خاندان کے پہلے فرد تھے جو آبائی وطن "بلوکن" (ضلع گجرات) سے ترکِ سکونت
کر کے سیالکوٹ میں آباد ہوئے تھے۔

مولانا سید نور اللہ نے درسِ نظامی کی ابتدائی کتب، مولانا سید میر حسن سیالکوٹی سے
پڑھیں۔ برادرِ بزرگ سید عبد اللہ شاہ سے تکمیلِ تعلیم کی۔ مولانا قاضی سلطان محمود (ساکن
اعوان شریف) کے احبابِ خاص میں سے تھے۔ سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہتے تھے۔
اُن کی منقبت میں کئی قصائد لکھے ہیں۔

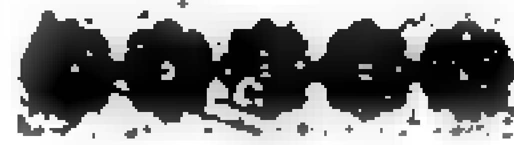
جون ۱۹۴۸ء/۱۳۶۷ھ میں سیالکوٹ میں فوت ہوئے اور درگاہ امام علی الحقؒ
کے پائین مدفون ہوئے۔

سید نور اللہ شاہ پنجابی، اُردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن کے قصائد
اور منظوم شجروں کا مجموعہ "چشمہ نور" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ مولانا قاضی سلطان محمودؒ
کی مدح میں کہتے ہیں:

دُرِّ دریائے حقیقت، اخترِ برجِ شرف
شاہبازِ اوجِ عرفاں افتخارِ عارفین

جرعہ از جام محبت ریز ، در کامِ دلم
تا ازیں دُنیائے دوں پُردر فشانم آستین
مشکلے دارم کہ بر رائے منیرش روشن است
پس چرا بیہودہ گویم آنچناں یا ایں چنیں

سیّد نور اللہ شاہ کی ایک تالیف "تحفۂ شیعہ" (مطبوعہ : سیالکوٹ) ہے۔[1]



---

[1] تذکرہ اکابرِ اہلسنت ص ۵۵۶-۵۵۸ (ملخّص)

حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی

حافظ سیّد نور اللہ بن حافظ محمد حیات ربّانی بن سیّد جمال اللہ ۱۹ رجمادی الاخریٰ ۱۱۴۷ھ/ ۱۶ رنومبر ۱۷۳۴ء کو ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ علومِ مروّجہ کی تحصیل اپنے والدِ ماجد اور بعض دوسرے اساتذہ سے کی۔ صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ اُن کا دورِ زندگی طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ اُن کے علاقے میں چٹھہ خاندان کا حکم چلتا تھا۔ جن کا مرکز قلعہ منچر چٹھہ (ضلع گوجرانوالہ) تھا چوہدری نور محمد چٹھہ نے ۱۱۶۹ھ/ ۵۶-۱۷۵۵ء میں دریائے چناب کے جنوبی کنارے پر قصبہ "رسول نگر" آباد کیا اور حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی کو مفتیٔ شہر مقرر کیا۔ ۱۲۰۳ھ/ ۸۹-۱۷۸۸ء میں چوہدری نور محمد چٹھہ کا پوتا چوہدری غلام محمد سکھوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور چٹھہ خاندان کا آفتاب غروب ہو گیا۔ حافظ سیّد نور اللہ واپس ساہن پال آگئے اور مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔

سکھوں کے عہد میں انہیں حکومت کی طرف سے کچھ روزینہ اور باہارنہ ملتا تھا۔ فقیر سیّد عزیز الدین (م ۱۲۶۰ھ) وزیرِ اعظم بعہد خالصہ اُن کے ارادت مند تھے اور اُن سے خط و کتابت رکھتے تھے۔

حافظ سیّد نور اللہ اپنے والدِ ماجد سے سلسلۂ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور اُن کی طرف سے مجازِ بیعت بھی۔ علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش بیان واعظ تھے۔

۶ رصفر ۱۲۲۹ھ/ ۱۸ رجنوری ۱۸۱۴ء کو بیاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اور ساہن پال کے خاندانی قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصنیفات ملتی ہیں۔ صاحبزادہ شرافت نوشاہی صاحب نے اُن کی ترتیب و تہذیب کی ہے۔

تاحال کوئی بھی زیورِ اشاعت سے آراستہ نہیں ہوئی:

۱۔ فتاویٰ نوشاہیہ الموسوم بہ نور الفتاویٰ (عربی)

۲۔ مصطلحات الصوفیہ (ناکمل)

۳۔ فالنامہ قرآنی

۴۔ حقائقِ نوریہ

۵۔ مکتوبات نوراللہ

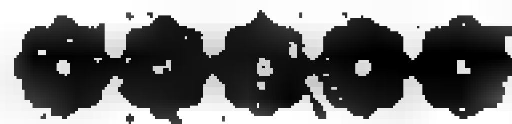
۶۔ انشائے نوراللہ

۷۔ رقعات نوراللہ

حافظ سیّد نوراللہ نوشاہی کے دو صاحبزادے ہوئے:

۱۔ مولانا حکیم حافظ سیّد الٰہی بخش مظہرِ حق (م ۱۲۵۳ھ)

۲۔ سیّد خدا بخش (م ۱۲۷۷ھ)



نور بخش توکلی

مولانا نور بخش توکلی موضع چک قاضیاں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے[۱] اُن کے والد ماجد صوفی منش بزرگ تھے اور نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے۔ مولانا نور بخش نے ابتدائی تعلیم مقامی مدارس میں حاصل کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ دوسرے اساتذہ کے ساتھ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔ اُنہیں "اُستاذی مخدومی مولانا شبلی نعمانی" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ عربی زبان وادب میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء میں انبالہ چھاؤنی کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ والد ماجد کے کہنے پر انبالہ کے نقشبندی بزرگ خواجہ توکل شاہ (م ۱۳۱۵ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی[۲] اور اپنے مرشد کی نسبت سے "توکلی" اُن کے نام جزو بن گیا۔

انبالہ سے دہلی منتقل ہوئے۔ ایم۔ بی ہائی سکول میں بطور "ہیڈ مولوی" کام کرتے

---

[۱] شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ان کا سالِ ولادت ۱۸۷۷ء لکھا ہے (نقوش، لاہور نمبر، ص ۹۵۱) بعد کے تذکرہ نگاروں نے اسی کا تتبع کیا، لیکن ۱۸۷۷ء اُن کا سالِ ولادت اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ۱۸۹۳ء میں اُنہوں نے انبالہ چھاؤنی کے سکول میں ملازمت شروع کی تھی۔ سولہ سال کی عمر میں بمشکل میٹرک کا امتحان پاس کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔

[۲] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۴۶۲

تھے۔ وہاں سے ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں امرتسر آگئے۔ امرتسر میں مولانا مفتی غلام رسول قاسمی (م ۱۳۱۷ھ) سے درسِ نظامی کی جملہ کتبِ معقولات و منقولات پڑھیں[۱]۔

خواجہ توکل شاہ انبالوی کی وفات پر مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی۔ انہوں نے اجازت و خلافت سے سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالخالق (م ۱۳۵۰ھ) نے اُن کی دستار بندی کی اور انہیں خواجہ توکل شاہ کی نسبت سے خلافت مرحمت کی۔

مولانا توکلی لاہور آگئے اور اپنے دینی اور علمی ذوق کے پیشِ نظر "انجمن نعمانیہ" سے منسلک ہو گئے۔ ایک عرصہ انجمن کے ناظمِ تعلیمات رہے اور رسالہ "انجمن نعمانیہ" مرتب کرتے رہے۔ اسی دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ عربی میں تدریس شروع کی۔ ملازمت کی مصروفیات کے ساتھ تصنیفی اور تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے پر وطن مالوف "چک قاضیاں" ضلع لدھیانہ چلے گئے اور وہاں ایک دینی مدرسے "مدرسہ اسلامیہ توکلیہ" کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ اُن کی سرگرمیوں کا محور تھا۔ طلبہ کو خود پڑھاتے اور اُن کے قیام و طعام کا بندوبست کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد فیصل آباد آگئے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں مجلسی زندگی تقریباً ختم کر دی تھی اور ہمہ تن لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔

۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۶۷ھ/ ۲۴ر مارچ ۱۹۴۸ء کو مکان کی سیڑھی سے گر کر زخمی ہوئے۔ یہی حادثہ جان لیوا ثابت ہوا۔ حسبِ وصیت نور شاہ ولی کے مزار کے ساتھ دفنائے گئے۔

---

[۱] تذکرہ اسلاف ص ۹۲

مولانا توکلی مرحوم طبعاً سادگی پسند تھے۔ بلند پایہ صوفی اور منجھے ہوئے قلم کار تھے
اُن کی تالیفات کی فہرست یہ ہے:

۱۔ سیرت رسولِ عربی

۲۔ عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ۱۲ ربیع الاول کو عام طور پر "بارہ وفات" کہا جاتا ہے۔ مولانا توکلی نے سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" کو "عید میلاد النبی" کے نام سے بدلوایا اور اِس تاریخ کو عام تعطیل منظور کروائی۔ یہ کتاب اسی موضوع پر ہے۔

۳۔ معجزاتِ نبی

۴۔ اعجاز القرآن

۵۔ عقائد اہلسنت

۶۔ شرح قصیدہ بُردہ (اُردو)

۷۔ شرح قصیدہ بُردہ (عربی)

۸۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۹۔ حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰۔ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۱۔ سیرت غوث اعظم

۱۲۔ تحفہ شیعہ (دو حصے)

۱۳۔ ابو حنیفہ رح

۱۴۔ کتاب البرزخ

۱۵۔ شرح ہدیہ یوسفیہ

۱۶۔ شرح مولود برزنجی

۱۷۔ رسالہ نور

۱۸۔ الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ رح

۱۹۔ امام بخاری شافعی

۲۰۔ مقدمہ تفسیر القرآن

۲۱۔ تفسیر سورہ فاتحہ وسورہ بقرہ

۲۲۔ ترجمہ تحقیق المرام فی منع القرأت خلف الامام (تالیف مفتی غلام رسول قاسمی رح)

۲۳۔ ترجمہ الرسالۃ الجلیلہ (تالیف مفتی غلام رسول قاسمی رح)

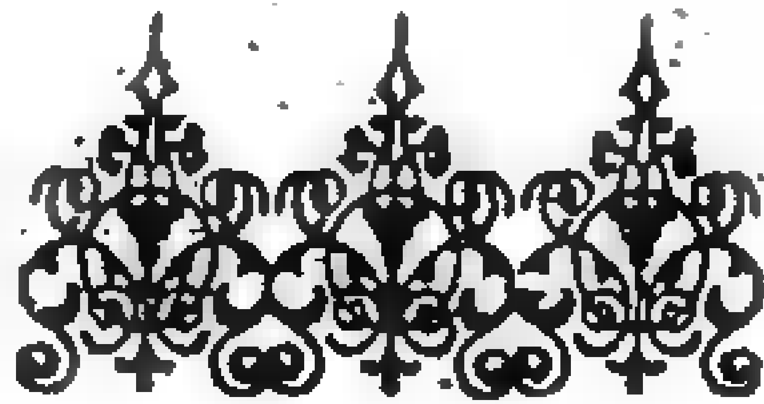
۲۴۔ افضل المقال فی رد علی الرافضی الضال

۲۵۔ صدائے حقانی در حقیقت محبوب سبحانی

۲۶۔ ترجمہ تاریخ گبن (تاریخ حسن)

گبن کی تاریخ سے اہلِ اسلام سے متعلق حصوں کا ترجمہ ہے۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوا۔

متذکرۃ الصدر کتب کے علاوہ انجمن نعمانیہ کے رسالہ میں مطبوعہ بیسیوں مضامین ہیں۔



نورجہانیاں

مولانا نور جہانیاں بن مولانا اسد اللہ بہاول پور کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں مولانا اسد اللہ اپنے دور کے بلند پایہ فاضل تھے ۔ وہ "مہاراں" سے نقل مکانی کر کے بہاول پور آ گئے ۔ نواب بہاول پور نے اُن کے تبحر اور علمی مرتبے کے پیش نظر احمد پوری دروازے کے اندر اقامت اور مدرسے کے لئے وسیع جگہ دی ۔ اسی سال کی عمر میں وفات پائی ۔[1]

مولانا اسد اللہ کے علمی منصب پر مولانا نور جہانیاں متمکن ہوئے ۔ اُنہوں نے حافظ غلام مرتضیٰ (چیلا واہن) سے اکتساب فیض کیا تھا ۔ اُن کی عظیم درس گاہ تو یادِ ماضی بن گئی ہے البتہ درس گاہ کا علاقہ "محلہ نور جہانیاں" کے نام سے مشہور ہے ۔

مولانا نور جہانیاں درس و تدریس میں مشغول ۱۲۹۰ھ/ ۷۴-۱۸۷۳ء میں فوت ہوئے ۔ اُن کی تالیفات میں سے ایک کتاب "اسدیہ" کا ذکر ملتا ہے جو "مطول" کا وقیع حاشیہ ہے ۔ تا حال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا ۔[2]



---

[1] جناب مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے کہ "مشہور ہے کہ پنجاب کے مشہور عالم مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی نے بھی نحو اور منطق کے بعض نکات آپ سے حل کئے تھے" (اولیائے بہاول پور ص ۲۷۹) یہ روایت درست نہیں علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے تھے ۔ اور مولانا اسد اللہ بارہویں صدی میں گزرے ہیں ۔

[2] اولیائے بہاول پور ص ۲۷۹

خواجہ نور محمد مہاروی

خواجہ نور محمد بن ہندال بن تاتار بن فتح محمد کھرل قبیلے کے فرد تھے۔ دریائے راوی کے کنارے آباد گاؤں "چوٹالہ" میں ۱۴ر رمضان ۱۱۴۲ھ/ ۲ر اپریل ۱۷۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندانی نام بُھبُن تھا جسے خواجہ فخر الدین دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ) نے نور محمد سے بدل دیا۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی اور گلہ بانی پر تھی۔

خواجہ نور محمد کے بچپن میں اُن کا خاندان چوٹالہ سے "مہار" منتقل ہو گیا اور یہ گاؤں اُن کے وجود سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوا۔ خواجہ نور محمد نے مقامی مکتب میں حافظ محمد مسعود سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد موضع بلالہ کے شیخ احمد کھوکھر سے ابتدائی درسیات پڑھیں۔ اس کے بعد تعلیمی سفر کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ڈیرہ غازیخاں میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اور شرح ملا جامی تک کتب درسیہ پڑھیں، وہاں سے خواجہ محکم دین سیرانی کے ہمراہ لاہور گئے۔ لاہور کا زمانۂ تعلیم اُن کے لئے معاشی مشکلات کا زمانہ تھا مگر انہوں نے دل جمعی سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ آخر میں دہلی گئے اور مدرسہ نواب غازی الدین خان میں داخل ہوئے۔ یہاں میاں برخوردار جی ایک قابل اور محنتی استاد تھے جن سے بعض کتابیں پڑھیں۔ قطبی پڑھ رہے تھے کہ میاں برخوردار جی کو دہلی سے جانا پڑا اور وہ خواجہ فخر الدینؒ کے ہاں پہنچ گئے۔ اُن سے قطبی کا باقی حصّہ مکمّل کیا اور حدیث پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی۔[1]

---

[1] مناقب المحبوبین میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ "قطبی" ابھی ختم ہوئی تھی کہ خواجہ فخر الدینؒ نے انہیں فرمایا تم علم ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جس قدر پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے اور وہ ہمہ تن اوراد و اشغال

۱۱۶۵ھ/۵۲-۱۷۵۱ء میں استادِ گرامی خواجہ فخرالدین دہلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے دہلی میں خواجہ موصوف کی بیعت کی تھی۔ اُن کے زیرِ تربیت رہ کر وہ مہار، آ گئے۔ حسبِ قاعدہ خانقاہ قائم کی اور عوام کی روحانی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اُن کی ذات مرجع عوام تھی اور زیادہ وقت اصلاح و ارشاد میں صرف کرتے تھے۔

خواجہ نور محمد کو اپنے پیر خواجہ فخرالدین دہلویؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ سال میں تقریباً چھ ماہ دہلی میں گزارتے تھے۔ ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ/ ۷ مئی ۱۷۸۴ء کو خواجہ موصوف کا انتقال ہوا۔ خواجہ نور محمد کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ کچھ عرصے بعد اُن کے عزیز خلیفہ نور محمد ثانی[1] فوت ہوئے۔ صدمہ دو چند ہو گیا اور انھوں نے خلوت گزینی اختیار کر لی۔ اسی عالم میں ۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ/ ۳ اگست ۱۷۹۰ء کو جان، جانِ آفریں کو سپرد کی۔ مصرعہ تاریخی ہے ع

حیف واویلا جہاں بے نور گشت[2]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں منہمک ہو گئے۔

[1] مولانا نور محمد بن صالح محمد حاجی پور (سندھ) کے رہنے والے تھے بعد میں ضلع ڈیرہ غازی خاں میں بمقام "چاہ ناروواله" میں مقیم ہو گئے۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ خواجہ فخرالدین دہلوی سے بیعت ہونے کے لئے انھیں خط لکھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ کریں اور سلسلہ چشتیہ کے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں اگر بیعت کی خواہش ہو تو خواجہ نور محمد مہاروی سے تعلق قائم کریں۔ اُن کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۰۴ھ/ ۲۲ جنوری ۱۷۹۰ء کو فوت ہوئے۔ تاریخ وصال لفظ "چراغ" سے برآمد ہوتی ہے۔ مزار حاجی پور میں ہے۔

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۲۰

مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے ع

حضرت نورِ محمد نورِ حق   جلوہ گر شد چوں بہ گلزار جناں
سالِ ترحیلش بقولِ اہلِ سیر   نورِ عرفان آفتابِ دیں بخواں

اگرچہ مرحوم "مہار" میں فوت ہوئے مگر انہیں قبرستان حضرت تاج سرورؒ میں دفنایا گیا۔ مزار چشتیاں ریلوے سٹیشن کے شمال مغرب میں پون میل کے فاصلے پر ہے نواب محمد بہاول خان ثالث نے ۱۲۶۶ھ میں مزار پر شاندار عمارت تعمیر کی۔[1]

خواجہ نور محمد سے ایک زمانے نے روحانی فیض حاصل کی "مناقب المحبوبین" کے مؤلف نے ۴۲ خلفاء کے نام درج کیے ہیں چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ نور محمد ثانی معروف بہ حضرت نارووالہ
۲۔ قاضی محمد عاقل ساکن مٹھن کوٹ
۳۔ میاں محمد فاضل نیکو کارہ
۴۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ
۵۔ حافظ محمد جمال ملتانی
۶۔ صاحبزادہ نور الصمد مہاروی
۷۔ قاضی احمد علی بن محمد عاقل ساکن مٹھن کوٹ

خواجہ نور محمد مہارویؒ کی اولاد میں تین صاحبزادے اور دو[2] صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ شیخ نور الصمد (جانشین)

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۰۹
[2] ذکر کرام ص ۲۸

۲۔ شیخ نور احمد
۳۔ شیخ نور الحسن

خواجہ نور محمد مہارویؒ سے کوئی تالیف یادگار نہیں تاہم اُن کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے "خلاصۃ الفوائد" کے نام سے جمع کئے ہیں۔ خواجہ موصوف کی مہر کا سجع تھا۔

زنورِ محمد جہاں روشن است



نور محمد لاہوری

مولانا نور محمد بن مولانا غلام مرتضیٰ نقشبندی ۴ر دسمبر ۱۸۹۶ء/ ۲۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۴ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ مدرسہ حمیدیہ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ آخر میں مولانا مفتی محمد یار خلیق (خطیب سنہری مسجد لاہور) سے فاتحہ فراغ پڑھا۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔

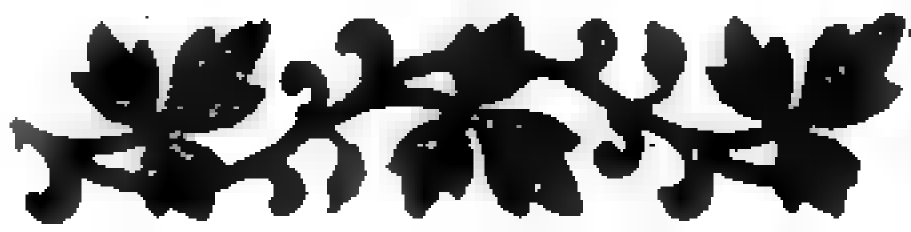
۱۳۷۷ھ/ ۵۸-۱۹۵۷ء میں واصل بحق ہوئے۔ اپنے والدِ ماجد کے مزار کے قریب عثمان گنج (لاہور) میں مدفون ہیں۔ مرحوم صاحبِ قلم عالم تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ تحقیق الوجد ۲۔ توثیق الابحاث

۳۔ حجت ربانی ۴۔ ظہور الصفات فی جمیع الموجودات

۵۔ حج فقیر بر آستانہ پیر

اُن کے کئی مضامین اخبار "الفقیہ" (امرتسر) کے صفحات میں محفوظ ہیں۔



قاضی نورِ محمد

قاضی نور محمد بن شیر محمد بن زین العابدین ۱۸۹۶ء/۱۴-۱۳۱۳ھ سے پہلے موضع پڑی ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔[1] اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ تین پشتوں سے خاندان میں دینی تعلیم کی روایت چلی آرہی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا غلام رسولؒ (انہی والے) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بعد میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے ڈابھیل میں دورۂ حدیث پڑھا اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

۱۹۲۲ء/۴۱-۱۳۴۰ھ میں آبائی وطن سے ترکِ سکونت کر کے قلعہ دیدار سنگھ چلے گئے تھے "مدرسہ محمدیہ" کی بنیاد رکھی اور تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات میں زندگی گزاری توحید و سنّت کی تبلیغ میں شدید انہماک تھا۔ وعظ پُر تاثیر ہوتا تھا۔ درسِ قرآن میں بلا کی روانی تھی۔ مولانا حسین علی (واں بچھراں) سے بیعت تھے اور اُن کے اجل خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت ذاکر و شاغل اور خوش پوش عالم تھے۔

۱۳۸۱ھ میں علمائے دیوبند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر دو گروہوں میں بٹ گئے تھے اور تند و تیز تقریریں، مناظرے اور کتابیں لکھی جارہی تھیں کہ محرم ۱۳۸۲ھ میں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور دونوں گروہوں کے سرکردہ راہنماؤں کو یکجا کیا اور حیات النبی کے مسئلہ پر علمائے دیوبند کا انتشار ختم ہوا۔ دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں اسی مقصد

---

[1] اقامۃ البرہان (تالیف ۱۹۵۶ء) میں لکھا ہے "میری عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہے" ص ۱۱۶

کے لئے علماء جمع تھے۔ قاضی صاحب بھی تشریف لائے تھے کہ اچانک ۲۲ محرم ۱۳۸۲ھ/۲۶ جون ۱۹۶۲ء کو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ قاری محمد طیّب صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

جناب حافظ محمد ظہور الحق ظہور صاحب نے تعزیتی نظم کہی۔ تاریخ وفات اس شعر میں ضبط کی ہے:

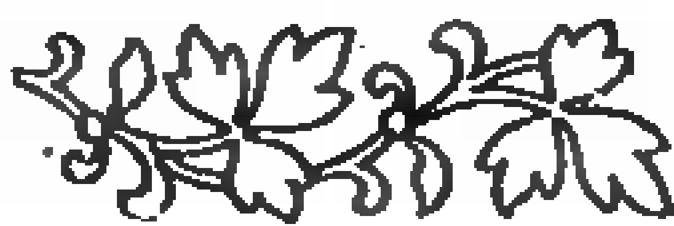
سالِ تاریخ وفاتش ہاتفم در گوش گفت
روح او "با رحمتِ خالق" بفضلِ حق رسید

۱۳۸۲ھ

قاضی صاحب مرحوم نے حسبِ ذیل کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔ صاعقۃ الرحمان (دو حصّے)
۲۔ صلوٰۃ الرسول۔ حنفی نقطۂ نظر سے نماز کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔
۳۔ ازالۃ الرین عن مسئلہ رفع الیدین
۴۔ ازالۃ الاوہام عن عدم الفاتحہ خلف الامام
۵۔ ازالۃ الستر عن عدد رکعات التراویح والوتر
۶۔ مسئلہ علم غیب
۷۔ مسئلہ حاضر و ناظر
۸۔ اقامۃ البرہان علی اہل الطغیان

قاضی صاحب کے جانشین اُن کے صاحبزادے قاضی عصمت اللہ ہیں جو دینی و تعلیمی خدمات میں مصروف ہیں۔



نیاز احمد شاہ گیلانی

مولانا سیّد نیاز احمد شاہ گیلانی بن پیر رحمت علی شاہ گیلانی، نواں شہر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ موصوف کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) سے ملتا ہے اور اُن ہی کی نسبت سے "گیلانی" کہلاتے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت سیّد علی بغدادی برصغیر میں وارد ہوئے اور اُوچ ضلع بہاولپور میں سکونت پذیر ہوئے بعد میں حضرت سیّد علی بغدادی کے اخلاف، پنجاب کے اطراف میں پھیل گئے۔

مولانا سیّد نیاز احمد شاہ گیلانی نے ابتدائی تعلیم مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری سے حاصل کی اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) کا نام بہت نمایاں ہے۔

تقسیم ہند کے بعد ترک وطن کر کے پاکستان آئے اور سلّانوالی ضلع سرگودھا میں اقامت گزین ہوئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوّت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی زمانے میں سلّانوالی سے تلمبہ ضلع ملتان منتقل ہو گئے۔ تلمبہ میں اُنہوں نے دینی و تبلیغی کام کیا۔ مدرسہ قادریہ تلمبہ اُن کی یادگار ہے۔ ۲۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ/۱۶، مئی ۱۹۷۷ء کو فوت ہوئے اور تلمبہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا نیاز احمد شاہ گیلانی مرحوم سیاسی طور پر جمعیت علمائے اسلام سے وابستہ تھے۔ جمعیت علمائے اسلام ملتان کے صدر رہے۔ اس علاقے میں جمعیت کی تنظیم کے لئے اُنھوں نے بھرپور کام کیا۔



واحد بخش بہاولپوری

مولانا مفتی واحد بخش بن محمد عیسٰی ۱۹ رمئی ۱۸۹۰ء/۲۹ر رمضان ۱۳۰۷ھ کو ضلع بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا بڑے بھائی نے تربیت کی۔

مولانا واحد بخش نے ابتدائی درسیات کی تحصیل اپنے علاقے میں کی۔ بعد میں مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ آخر میں دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر کچھ عرصہ نگینہ (بھارت) میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ برادرِ بزرگ اور خویش واقارب کے اصرار پر وطن واپس آئے۔ اُن کے علاقے میں خیر پور ٹامیوالی دینی تعلیم کا مرکز تھا۔ وہاں شغل تدریس اپنا لیا۔ کچھ عرصے بعد محکمۂ تعلیم میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ اور تینتیس سال درس و تدریس میں گزارے۔ ملازمت سے سبکدوش ہو کر حسبۃ للہ تدریس و تعلیم میں مصروف رہے۔

مولانا موصوف نے نو عمری میں جلالپور پیروالہ کے ایک مجذوب فقیر اللہ ڈوایا سے تعلقِ بیعت استوار کیا تھا۔ امروہہ اور دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں آنا جانا ہوا۔ اپنے پہلے مرشد کی وفات پر ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ مولانا تھانوی کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔

مولانا مفتی واحد بخش ایک دینی درسگاہ کے مدرّس، شہر کے خطیب اور علاقے بھر کے مفتی تھے تاہم ریا و نمود سے کوسوں دُور تھے۔ سادہ مزاج، بے نفس اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔



سیّد ولایت شاہ ہمدانی

سیّد ولایت شاہ بن سیّد چراغ شاہ بن سیّد کامل شاہ بن سیّد محمد زاہد ہمدانی ۱۲۴۶ھ/ ۳۱-۱۸۳۰ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی درسیات اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ مولانا خدا بخش شاگرد مولانا غلام محی الدین قصوری سے علمی استفادہ کیا۔

جیّد عالم دین اور اچھے طبیب تھے۔ ہم عصر اطبا میں سب سے زیادہ مرجع خلائق تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد محترم سے بیعت تھے۔ چار پانچ روز بخار میں مبتلا رہ کر ۹ رمضان ۱۳۲۶ھ/۵ راکتوبر ۱۹۰۸ء کو اللہ کو پیارے ہوئے اور کوٹ مراد خان قصور میں اپنے والد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم کے عزیز سیّد محمد زمان شاہ نیازی نے "ہم من منبع الفصائل بود" سے تاریخ وفات اخذ کی ہے۔

۱۳۲۶ھ

سیّد ولایت شاہ ہمدانی کے حسب ذیل فرزند ہیں:

۱۔ سیّد عبدالحق شاہ

۲۔ سیّد شہاب الدین شاہ

۳۔ سیّد جلال الدین شاہ

مرحوم کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ ہدیۃ الحسنین فی رد رفع الیدین

۲۔ خلاصہ قرابادین

۳۔ تلخیص تفسیر کبیر (عربی خطی)

۴۔ انتخاب مسائل تفسیر الرازی (پارہ دوم سوم خطی)

۵۔ الوقوف (فنِ تجوید خطی)

۶۔ حاشیہ قرآن مجید (خطی)

سید ولایت شاہ گجراتی

پیر سید ولایت شاہ بن پیر احمد شاہ موضع رانیوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہاں ۱۳۰۶ھ/۸۹-۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکلے۔ مدرسہ تعلیم القرآن جنڈ (ضلع اٹک) میں قرآن مجید حفظ کیا اور مولانا قاری غلام نبی للّٰہی سے فنِ تجوید میں مہارت بہم پہنچائی۔ مولانا غلام حیدر ہسوی سے درسِ نظامی کی چند کتابیں پڑھیں بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے یہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اساتذۂ مدرسہ کے علاوہ مولانا غلام محمد گھوٹوی سے استفادہ کیا جو اُن سے چند کتابیں آگے تھے۔

۱۳۳۳ھ میں نقشبندی سلسلے کے بزرگ پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے بیعت ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے اشغال و اوراد مکمل کئے۔ پیر جماعت علی شاہ مرحوم کے خلفاء میں سید ولایت شاہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

پیر ولایت شاہ صاحب کو قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے کا شوق تھا۔ اور عمر بھر اس مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ گجرات میں مسجد حاجی پیر بخش مرحوم بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں "مدرسہ تعلیم القرآن" قائم کر کے مسجد آباد کر دی۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کی راہنمائی میں انہوں نے گجرات میں "انجمن خدام الصوفیہ" قائم کی اور ۱۳۳۱ھ میں اس انجمن کے زیرِ اہتمام "مدرسہ خدام الصوفیہ" کی بنیاد رکھی۔ مدتوں یہ مدرسہ دینی تعلیم کا ایک اہم مرکز رہا۔ مولانا عمر بخش، مفتی عبدالحفیظ اگروی، قاضی عبدالسبحان ہزاروی اور مفتی احمد یار خان گجراتی جیسے فضلاء نے تدریسی کام کیا۔

پیر صاحب کے تعمیراتی کارناموں میں سے ایک محلہ علی پورہ گجرات کی خوبصورت مسجد ہے جو ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں مکمل ہوئی۔ ۳۱، جولائی ۱۹۷۱ء/۷، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ

کو وفات پائی اور مذکورہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں سات صاحبزادے ہیں جن میں مولانا سیّد محمود شاہ ملک گیر شہرت رکھتے ہیں۔



حافظ ولی اللہ لاہوری

حافظ ابو اسحاق ولی اللہ لاہوری ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں وادیٔ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اس خطۂ جنت نظیر کے سکھ راجہ نے اپنی مسلمان رعایا پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا چنانچہ مسلمانانِ کشمیر کے بیسیوں خانوادے اپنی جان و ایمان کی حفاظت کے لئے پنجاب آ گئے۔ ان ہی مہاجر خانوادوں میں ولی اللہ کا خاندان شامل تھا۔

حافظ ولی اللہ کا خاندان جب پنجاب آیا تو موصوف شیر خوار بچے تھے۔ ابتدا میں اُن کا خاندان پسرور ضلع سیالکوٹ میں رُکا۔ بعد میں لاہور منتقل ہو گیا۔ حافظ صاحب کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی کہ چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ اس موذی بیماری میں اُن کی جان تو بچ گئی مگر نورِ بصارت سے محروم ہو گئے۔

حافظ صاحب نابینا ہو گئے مگر قدرت کو ابھی اُن کے مزید امتحانات مقصود تھے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے والدین کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اور وہ اپنے بھائیوں اور بھاوجوں کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ اُن کے بھائیوں میں سے صدیق شیخ نے لاہور کی کشمیری برادری میں بڑا نام پیدا کیا۔ نواب علی رضا خان قزلباش کو اُن کی وجہ سے کشمیری برادری کے ووٹ ملے تھے۔

اُن دنوں لاہور میں مولانا غلام رسول قلعویؒ کا آنا جانا تھا۔ اُنہوں نے حافظ ولی اللہ کو کس مپرسی کی حالت میں دیکھا تو اُنہیں اپنے ساتھ لے لیا۔ حافظ صاحب موصوف نے اُن کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور اُن سے علومِ مروّجہ میں اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے ہم درسوں میں مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) کا نام معروف ہے۔

حافظ صاحب نے مولانا غلام رسول قلعوی کے علاوہ مولانا احمد الدین بگوی اور مولانا نور احمد ساکن کھائی کوٹلی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

حافظ ولی اللہ تکمیلِ تعلیم کے بعد لاہور آ گئے۔ مسجد وزیر خان میں درس دینے لگے۔ ڈپٹی برکت علی اُن کے قدر دانوں میں سے تھے۔ اُنھوں نے بادشاہی مسجد کے لئے اُن کی خدمات حاصل کرلیں[1]۔ ۳۰ رمئی ۱۸۷۳ء/ ۲ رجمادی الاخریٰ ۱۲۹۰ھ کو انجمن اسلامیہ نے حافظ صاحب کو مدرسہ شاہی مسجد کا صدر مدرّس نامزد کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اِس منصب کی ذمّہ داریاں پوری کیں۔

حافظ صاحب مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ عیسائی پادریوں نے لاہور کی فضا اپنے دلآزار لیکچروں اور پمفلٹوں سے خراب کر رکھی تھی۔ حافظ صاحب نے عیسائیت کا بطورِ خاص مطالعہ کیا اور عیسائی پادریوں سے مناظرے کرنے لگے۔ اُن کی شہرت ایک بلند پایہ مناظر کی حیثیت سے دُور دُور تک پھیل گئی۔ اُنھوں نے پادری فورمن اور پادری عماد الدین سے تحریری اور زبانی مباحثے کئے اور اُنہیں ہر موقع پر لاجواب کیا۔ کنہیالال نے اُن کے تعارف میں لکھا ہے:

"یہ ایک شخص عالم متبحر لاہور کے علماء میں سے تھا.........

.........مناظرے کے علم میں اُس کو یہ استعداد تھی کہ بڑے بڑے پادری عیسائی اُس کے رُوبرو بول نہیں سکتے تھے"[2]۔

تمام تذکرہ نگاروں نے حافظ ولی اللہ کے بے نظیر حافظہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ مناظروں اور نجی گفتگو میں کتابوں کے حوالے صفحہ اور سطر کی قید کے ساتھ سُنا دیتے تھے۔

---

[1] مشاہیر کشمیر ص ۲۹

[2] تاریخِ لاہور ص ۷۵

حافظ صاحب فقہ و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ لاہور کے عوام ہی نہیں عدالت بھی مذہبی معاملات میں اُن سے فتویٰ لیتی تھی۔ جمعہ کے روز شاہی مسجد لاہور میں وعظ کہتے تھے۔ عوام میں ایک عمدہ واعظ کی حیثیت سے اُن کا نام لیا جاتا تھا۔
حافظ ولی اللہ کی خدماتِ دینیہ کے پیشِ نظر حلقۂ علماء میں اُن کی قدر و منزلت تھی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اُن کی تبلیغی اور مناظرانہ مساعی کے معترف تھے اُنہوں نے حافظ صاحب کو اپنی معرکۃ آرا عربی کتاب "اظہار الحق" تحفۃً بھیجی تھی۔
حافظ ولی اللہ مصروف زندگی گزارتے ہوئے ۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ/ ۲۴ رجولائی ۱۸۷۹ء کو مرضِ اسہال سے فوت ہوئے۔ احاطہ شاہ ابوالمعالی میں دفن کئے گئے۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے ع

آں حافظِ شیریں زباں وآں واعظ خوش ترجماں
شد روز آدینہ رواں زیں دار پُر رنج و دغا
بود از جمادی اوّلیں تاریخ بست و چار
پنہاں شد زیر زمیں آں صاحبِ فہم و ذکا
بنویس "جاں دادہ بحق ولی حافظ ولی اللہ"

حافظ ولی اللہ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے عبدالعزیز اور اسحاق تھے۔ اوّل الذکر ۱۶ سال کی عمر میں فوت ہوا اور آخر الذکر کمسنی میں فوت ہو گیا تھا۔
حافظ ولی اللہ کی قلمی یادگاروں میں حسبِ ذیل ملتی ہیں:

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان

پادری عماد الدین نے "تحقیق الایمان" کے نام سے ایک نہایت دلآزار کتاب لکھی تھی "صیانۃ الانسان" اُسی کا جواب ہے۔ گارساں دتاسی نے اپنے مقالات میں اس کا نام "صیانۃ الاسلام" لکھا ہے جو درست نہیں۔

صیانۃ الانسان ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں مطبع مصطفائی لاہور سے طبع ہوئی تھی۔ تاریخ طباعت "دافع شیطان صیانۃ الانسان" سے برآمد ہوتی ہے۔

۲۔ مباحثہ دینی

۱۲۸۴ھ/۶۸-۱۸۶۷ء میں پادری عمادالدین سے مباحثہ کیا۔ اُسی کی روداد ہے۔

۳۔ ابحاث ضروری

عیسائی رسالہ "شکوک کفارہ" (مطبوعہ: منجانب پادری صاحبان مطبع مشن لدھیانہ ۱۸۷۴ء) کا جواب ہے۔ اس میں تقریب قریب عیسائیت کے تمام ضروری مباحث آگئے ہیں۔ مطبع مصطفائی لاہور سے ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔

۴۔ رجم الشیاطین

اوّل الذکر تین کتابوں پر حافظ ولی اللہ کے شاگرد مولانا فقیر محمد جہلمی کے گراں قدر حواشی ہیں۔



ولی اللہ

مولانا ولی اللہ بن مولانا ثناء اللہ موضع گلیانہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد صوفی منش بزرگ تھے اور دین کی محبت سے سرشار تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد استاذ العلماء مولانا غلام رسولؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درسِ نظامی کی جملہ کتب اُن سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث مولانا قاضی کلیم اللہ چکڑالوی سے کیا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر چکڑالہ (ضلع میانوالی) کے قریب زندہ شاہ بلاول تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک میں تدریس و امامت پر مامور ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد اُستادِ گرامی مولانا غلام رسولؒ نے اپنے پاس "انہی" بلا لیا اور اپنے استاد کے حین حیات انہی میں رہے۔ بعد میں میانوال منتقل ہو گئے۔ مسلسل اسّی برس تدریس و تعلّم سے وابستہ رہے۔

اُستاذ العلماء مولانا غلام رسولؒ کے جانشین اور داماد تھے۔ اپنے اُستاد کی طرح معقولات میں بے مثل تھے۔ تکلّف و تصنّع سے پاک زندگی گزاری۔ اُن کی زندگی کا معتدبہ حصّہ "انہی" میں گزارا البتہ چند سال راولپنڈی اور فیض آباد کے بعض مدارس میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا حسین علیؒ (ساکن واں بھچراں) کے مُرید تھے اور اشاعتِ توحید و احیائے سنّت میں اپنے مُرشد کے مشن کے علمبردار۔

مولانا ولی اللہ سے بلا مبالغہ ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ سو سال سے زائد عمر پا کر ۱۲ شوال ۱۳۹۲ھ / ۹ نومبر ۱۹۷۲ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔

دو صاحبزادے مولانا محمد عابد اور مولانا محمد کاظم اُن کی یادگار ہیں۔



ولی محمد بٹالوی

مولانا ولی محمد بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور فوج میں ہیڈ کلرک بھرتی ہو گئے۔ نہایت ذہین اور فرض شناس کارکن تھے۔ تمام افسر اُن کا احترام کرتے تھے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ اُن کے زیرِ تربیت رہے تو فوج کی ملازمت سے جی اچاٹ ہو گیا۔ ایک روز گھر کا تمام سامان نیلام کر دیا اور استعفا دے کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو گئے۔ اُن کے رفقاء حیران تھے کہ اُنہیں کیا ہوا مگر اُن کا دل شاد اور روح فرحاں تھی۔

ناظمِ مدرسہ مظاہر العلوم نے اُن کے خورد و نوش کا انتظام محلّہ میں ایک گھر میں کر دیا۔ جب مولانا تھانویؒ کو اُن کے انقلابِ حال کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے مدرسہ مظاہر العلوم میں لکھ بھیجا کہ "مولوی ولی محمد" ہمارا آدمی ہے اس کا خاص خیال رکھا جائے چنانچہ اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور جب مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ کو حقیقتِ حال معلوم ہوئی کہ اُنہوں نے ایک معقول ملازمت ترک کر کے علومِ دین کی تحصیل شروع کی ہے تو وہ از حد متاثر ہوئے۔ نواب ڈھاکہ (جو مولانا تھانوی کے ارادت مندوں میں سے تھے) نے اُن کا معقول وظیفہ جاری کیا اور اُنہوں نے فارغ البالی سے علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرّس ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء میں رنگون کے ایک دینی مدرسے سے بسلسلہ تدریس منسلک ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد

راولپنڈی آ گئے اور مدرسہ "آستانہ الولی" قائم کیا۔ ۲۱ ر اپریل ۱۹۵۹ء / ۱۲ ر شوال ۱۳۷۸ھ کو راولپنڈی میں وفات پائی [1]



---

[1] بزم اشرف کے چراغ ص ۳۸-۳۹

سیّد ہاشم شاہ ہمدانی

سیّد ہاشم بن سیّد محمد زاہد ہمدانی ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں کوٹ مراد خان (قصور) میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل صاحبِ فتویٰ عالم تھے۔

۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷۸۳ء میں بعہد نواب بہاول خان عباسی ثانی (والئی بہاولپور) نقل مکانی کر کے خیر پور ٹامیوالی (ضلع بہاول پور) چلے گئے۔ خیر پور اور اس کے گرد و نواح میں اصلاح و تبلیغ کے لئے کوشاں رہے اور بستی چھوہن میں قیام رہا۔[1]

سیدامان اللہ شاہ قادری نوشاہی سے بیعت تھے اور اُن کی طرف سے خلیفہ نامزد ہوئے تھے۔ سیّد محمد گیلانی سے بھی تعلقِ ارادت تھا۔ اپنے ہم عصر جیّد عالم خواجہ خدابخش خیر پوری سے دوستانہ مراسم تھے۔ خواجہ صاحب اُن کے ہاں آتے اور فقہ و تصوّف پر گفتگو کرتے تھے۔[2]

۷۲ سال کی عمر میں ۲۷ محرم ۱۲۴۱ھ/۱۱ ستمبر ۱۸۲۵ء کو وفات پائی اور خیر پور ٹامیوالی میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی اولاد میں صرف ایک فرزند سید محمد (م ۱۲۵۵ھ) تھے۔

سلسلۂ طریقت میں اُن کے جانشین حکیم بخت جمال خیر پوری اور سلطان محمود گورایہ (مدفون فاضلکا) تھے۔

سیّد ہاشم شاہ کی قلمی یادگاروں میں سے مجموعہ فتاوی موجود ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔

۱؎ ہم اور ہمارے اسلاف ص ۲۲۱

۲؎ ایضاً ص ۲۱۰

ہدایت اللہ نوشہروی

مولانا ہدایت اللہ بن بستے خان، نوشہرہ ککے زئیاں ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ موصوف ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پڑھے لکھے افراد سے حاصل کی۔ بعد میں لاہور جاکر درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے دہلی گئے اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔ آخر میں گنگوہ تشریف لے گئے اور فقہ و اصول فقہ کا درس لیا۔

مولانا ہدایت اللہ مروّجہ دینی نصاب کی تکمیل کے بعد وطن آئے مگر چند روزہ قیام کے بعد جہلم آگئے۔ وہاں سے راولپنڈی منتقل ہوئے اور مدت العمر یہیں رہے۔ مولانا موصوف جامع اہل حدیث راولپنڈی کے امام و خطیب تھے۔ انہوں نے یہاں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ جس میں قرآن و سنّت کی تعلیم کے ساتھ باضابطہ فنِ طب سکھایا جاتا تھا تاکہ دین کی خدمت کرنے والے اپنی معاش کے سلسلے میں عوام کے دستِ نگر نہ ہوں بلکہ فنِ طب سے آذوقۂ حیات حاصل کریں۔ مولانا ہدایت اللہ طب کی معروف کتاب "نفیسی" پڑھانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ دُور دُور سے طلبہ "نفیسی" پڑھنے اُن کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

مولانا ہدایت اللہ نے عیسائیوں، آریہ سماجیوں اور قادیانیوں کے خلاف وعظ کہے کئی مناظرے کئے اور مخالفِ اسلام طاقتوں کے خلاف دامے، درمے، قدمے اور سخنے کام کرتے رہے۔ تحریکِ مجاہدین سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے زندگی بھر خفیہ پولیس کے ہاتھوں تنگ رہے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مرزائے قادیانی سے مباحثہ کے لئے اپنے جن ساتھیوں کو لے کر لاہور گئے تھے۔ ان میں مولانا ہدایت اللہ

شامل تھے۔ پیر صاحب نے اپنے اشتہار میں چوتھے نمبر پر اُن کا نام بھی درج کیا تھا۔

مولانا ہدایت اللہ پنجابی نظم ونثر پر عبور رکھتے تھے۔ اُن کی حسب ذیل علمی یادگاریں موجود ہیں:

۱۔ ترجمۃ القرآن (پنجابی۔ مطبوعہ)

۲۔ تفسیر القرآن۔ سورہ البقرہ (پنجابی۔ غیر مطبوعہ)

۳۔ مجموعہ کلام (پنجابی)۔ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس کے نصف اوراق دیمک چاٹ گئی ہے۔

مولانا ہدایت اللہ ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں کسی کام کی غرض سے سیالکوٹ گئے۔ وہاں پہنچے ہی تھے کہ بیمار ہو گئے اور یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ سیالکوٹ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مرحوم کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے تھے۔ صاحبزادی لاولد فوت ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے حکیم عبدالرحمٰن راولپنڈی کے معروف طبیب اور سماجی کارکن تھے۔ ایک عرصہ مجلس احرارِ اسلام کے ساتھ وابستہ رہے۔ حکیم عبدالرحمان صاحب ۲۷ اگست ۱۹۵۷ء/۳۰ محرم ۱۳۷۷ھ کو راولپنڈی میں فوت ہوئے۔ حکیم صاحب کے صاحبزادے جناب عزیز ملک ملک کے معروف ادیب اور منجھے ہوئے قلمکار ہیں۔



ہدایت اللہ سوہدروی

مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی بن مولوی حاکم الدین بن ملک امام الدین بن ملک شادی خان بن ملک ہزاری خان ۷ر مئی ۱۸۹۳ء/ ۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ کو ضلع گوجرانوالہ کے معروف قصبہ سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔

مولانا ابوالمحمود نے سولہ سال کی عمر تک مختلف مکاتب و مدارس میں مروّجہ تعلیم حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا غلام نبی سوہدروی اور مولانا عبدالحمید سوہدروی کے نام ملتے ہیں۔ کچھ عرصہ مدرسہ غزنویہ امرتسر میں زیرِ تعلیم رہے۔

مولانا ابوالمحمود نے آبائی پیشہ تجارت کو ذریعہ روزگار بنایا اور وطنِ مالوف سے باہر ضلع مراد آباد میں مقیم رہے۔ چند سال حیدر آباد (دکن)، بیتول، بھوپال اور میسور کے علاقوں میں ٹھیکیداری بھی۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۱۷ء/ ۱۲ر صفر ۱۳۳۶ھ کو واپس وزیر آباد آئے اور ایک تجارتی فرم سے منسلک ہو گئے۔ مسلسل گیارہ سال اس فرم سے تعلقِ ملازمت قائم رکھا۔ اس کے بعد اپنے ایک ہم خیال دوست حاجی امام الدین کے تعاون اور اشتراک سے چمڑے کی آڑھت شروع کی۔

مولانا موصوف نے وزیر آباد کے زمانۂ قیام میں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۸ء/ ۳۷-۱۳۳۶ھ میں "انجمن اہلِ حدیث" قائم کی جس کے روحِ رواں وہ خود ہی تھے۔ اُن کی کوشش سے انجمن کے چند کامیاب سالانہ اجلاس ہوئے۔ انجمن کے زیرِ اہتمام ایک دینی درسگاہ بھی قائم تھی۔

مولانا موصوف کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے۔ ادب و شعر سے خاصا لگاؤ رکھتے تھے۔ اپنی تحریروں میں اشعار کا برمحل استعمال کرتے تھے۔ ۱۴ر مئی ۱۹۶۷ء/

۴ر صفر ۱۳۸۷ھ کو سوہدرہ میں فوت ہوئے اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سے حسبِ ذیل مطبوعات یادگار ہیں:

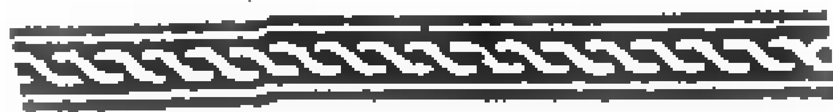
۱۔ فلسفہ اور معجزہ ۲۔ شبیر نامہ

۳۔ تاریخ ککے زئی ۴۔ اسلام اور مسیحیت

۵۔ اسلامی اخلاق (دو حصّے)

ان پر مستزاد اُن کے بیسیوں مقالات ہیں جو ہفت روزہ "اہل حدیث" امرتسر میں طبع ہوتے تھے۔

مولانا سوہدروی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔



یار محمد بندیالوی

مولانا یار محمد بن میاں سلطان محمد بن میاں شاہنواز ۱۳۰۴ھ/۸۷-۱۸۸۶ء میں ضلع سرگودھا کے معروف گاؤں بندیال میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں تحصیلِ علم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ موضع پپلاں ضلع میانوالی میں قرآن مجید حفظ کیا۔ صرف و نحو کی تحصیل مولانا محمد امیر دامانی اور مولانا ثناء اللہ (ساکن پنجائن ضلع جہلم) سے کی۔ آخر الذکر الفیہ ابن مالک پڑھانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

اعلیٰ تعلیم مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں پائی۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں مدرسہ حکیم اجمل خان میں فنِ طب کی کتابیں پڑھیں۔ ایک روایت کے مطابق مولانا یار محمد بندیالوی نے مولانا ہدایت اللہ جونپوری شاگرد مولانا فضلِ حق خیر آبادی سے بھی استفادہ کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو الہ آباد، رامپور، بھوپال اور ٹونک کے مدارسِ دینیہ سے وابستہ رہے۔ آخر میں اپنے وطن مالوف آ گئے اور "جامعہ امدادیہ مظہریہ" کی بنیاد رکھی۔ اُن کی صدارتِ تدریس اور اہتمام میں جامعہ نے کافی ترقی کی اور سینکڑوں طالبانِ شوق نے اُن کے فضل و علم سے استفادہ کیا۔

۲۲ محرم ۱۳۶۷ھ/۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو وفات پائی۔ بندیال ہی میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کے صاحبزادے مولانا محمد عبد الحق اور مولانا محمد فضلِ حق اپنے آبائی "دینی و علمی ورثہ" قائم رکھے ہوئے ہیں۔



تکملہ

(تذکرہ علمائے پنجاب)

تکملہ

(زیرِ نظر تذکرہ کی ترتیب و تسوید کے دوران میں بعض حضرات کے سوانحی حالات ضروری تفصیلات کے ساتھ دستیاب نہیں ہو سکے تاہم اُن کے بارے میں مختلف حوالوں سے جو کچھ حاصل ہوا۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔)

احمد شاہ چوروی

چورہ شریف ضلع اٹک کے معروف نقشبندی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ مفتی غلام مصطفےٰ قاسمی امرتسری کے شاگردوں میں سے تھے۔ دار العلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہے۔ گروہی تعصّب سے بالاتر تھے۔ اُن کی اولاد میں خادم حسین اور ارشاد حسین کے نام ملتے ہیں۔

اللہ بخش چشتی

حافظ اللہ بخش چشتی ملتان کے رہنے والے تھے۔ زندگی بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ خدا بخش خیرپوری کے خلیفۂ مجاز تھے۔ یکم شوال ۱۳۳۴ھ/یکم اگست ۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے اور قبرستان مائی پاک دامن ملتان کے نزدیک دفنائے گئے۔

سیّد برکت علی

علم ریاضی اور فقہ میں یگانہ روزگار شیعہ عالم تھے۔ سلطان العلماء سیّد محمد اور

اُن کے بھتیجے ممتاز العلماء سید ابوالحسن کے شاگردوں میں سے تھے۔ لاہور میں قیام پذیر رہے ہے۔ "تاریخ سلطان العلماء" کے مؤلف نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"پنجاب میں جو کچھ تبلیغ دین ہوئی۔ اس کا سہرا آپ کے سر ہے[1]۔"

قاضی حبیب الرحمٰن

مولانا ابوالفضل قاضی حبیب الرحمان بن قاضی عبدالرحمان، منصور پور (ریاست پٹیالہ) کے رہنے والے تھے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری مؤلف "رحمۃ اللعالمین" اُن کے چچا اور خسر تھے۔ ۱۵؍ جولائی ۱۹۵۷ء/ ۱۷؍ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ کو بعد از نماز عصر وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ڈیرہ غازی خان میں فوت ہوئے۔

قاضی صاحب جیّد عالم تھے۔ اوراد و اشتغال سے دلچسپی رکھتے تھے۔ عیسائیت کے بارے میں اُن کی معلومات خاصی وسیع تھیں۔ اُن سے ایک مختصر کتاب "سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ایلیاہ کے مصداقِ حقیقی کا تعیّن و وضاحت" اور "عشرہ مبشرہ" یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی سیرت نبوی سے متعلّق متفرّق تحریروں کو "خیر البشر" کے نام سے یکجا کیا تھا۔

خان محمد قریشی

موضع قلندرا ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ نسباً قریشی اور مشرباً قادری تھے۔ شعبان ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں فوت ہوئے۔ سید احمد ناظم نے حسب ذیل تاریخ کہی ع

---

[1] تاریخ سلطان العلماء

تخت نشیں گشت بملکِ سرمد
شاہ دیں مولانا خان محمد
در لیل خمیس در غرّہ شعبان
ہفتاد و چہار، ایک ہزار و دو صد[1]

خدا بخش مظفر گڑھی

طویل مدت تک مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرّس رہے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیتے تھے۔ ٹھوس قابلیت کے حامل تھے اور فنون درسیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔

دہلی میں انجمن سیف الاسلام اور مدرسہ امینیہ کی انجمن اصلاح العام کے صدر تھے۔ مؤخر الذکر انجمن ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں مفتی محمد کفایت اللہ نے قائم کی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد واپس وطن آ گئے اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔

خلیل الرحمان ملتانی

مولانا خلیل الرحمان بن خدا بخش نے مولوی قمر الدین اور مولوی نور محمد مراد آبادی سے صرف و نحو کی تحصیل کی۔ منطق و حکمت کی کتابیں سید امیر احمد سہسوانی اور مولانا عبد الکریم رامپوری سے پڑھیں۔ فقہ و حدیث کی تحصیل رامپور میں مولانا اکبر علی سے کی۔ تحصیلِ علم کے بعد وطن واپس آئے اور ملتان کے قریب ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ زندگی بھر تبلیغ و اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ صاحبِ "نزہت الخواطر" نے

---

[1] تذکرہ اولیائے گجرات ص ۱۰۷ (مسودہ)

اُن کے مسلک کے بارے میں لکھا ہے:
"ہو ممن یعمل بالحدیث ولا یقلد احدا من الائمۃ"[1]
مولانا خلیل الرحمٰن کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

سلطان محمود خان بیلوی

مولانا سلطان محمود، خواجہ محمد عاقل (کوٹ مٹھن) کے زیرِ تربیت رہے اور اُن کے خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ محمد عاقل کے ارشاد پر گڑھی اختیار خان میں مقیم رہے۔ بعد میں خان بیلہ چلے گئے وہیں ۳، ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ/ ۷، دسمبر ۱۸۲۳ء کو فوت ہوئے۔ اُن کا مزار نواب محمد بہاول خان ثالث نے تعمیر کرایا تھا۔

صدر الدین گجراتی

مولانا صدر الدین گجراتی اپنے وقت کے معروف عالم دین تھے۔ اُنہوں نے محمد صالح گجراتی سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ قلعدار ضلع گجرات میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ بعد میں جہلم چلے گئے۔ وہیں ۱۲۶۸ھ/ ۵۲-۱۸۵۱ء میں فوت ہوئے۔ غلام محی الدین کنجاہی نے تاریخِ وفات کہی ع

سالِ فوت جناب صدر الدین
بادمرحوم رحمت رحمان
---۱۲۶۸ھ---

مولانا صدر الدین کی اولاد میں مولانا برہان الدین کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔

---

[1] نزہت الخواطر جلد ہشتم ص ۱۳۷

عبدالجبار ابوہروی

مولانا عبدالجبار دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے انہوں نے چشتیاں میں ایک مدرسہ برائے طالبات قائم کیا تھا جو کامیابی سے چلتا رہا۔ آخری عمر میں ملتان میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی تھی کہ اجل کا بلاوا آگیا سبق پڑھاتے ہوئے رُکے اور دل پر ہاتھ رکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اسی پر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء سالِ وفات ہے۔

عبدالکریم گجراتی

موضع آچھ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ مسجد سکندر خان امرتسر میں امام و خطیب رہے۔ ۵ رستمبر ۱۹۴۳ء/ ۵ رمضان ۱۳۶۲ھ کو وطنِ مالوف میں فوت ہوئے۔

حافظ عبداللہ احمد پوری

احمد پور شرقیہ کے رہنے والے تھے۔ خواجہ محمد عاقل کے مرید و خلیفہ تھے۔ راہِ طریقت میں ایک عرصہ سیر و سیاحت کی اور اہلِ دنیا سے الگ رہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی مشہور کتاب "تسنیم" کی شرح تنسیم کے نام سے لکھی اور ایسا نحو جی پر حاشیہ اُن سے یادگار ہے۔

احمد پور شرقیہ میں اُن کا مزار ہے۔ ۲۸ ربیع الاخری کو اُن کا عرس منایا جاتا ہے۔



عبداللہ ملتانی

مولانا عبداللہ ملتانی، ضلع ملتان کے ابتدائی فضلائے دیوبند میں سے تھے۔ مولانا انور شاہ کاشمیری اور مولانا اشرف علی تھانوی سے مجازِ بیعت تھے۔ ملتان میں ان کی اصلاحی اور درسی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ عبداللہ شورکوٹی

شیخ عبداللہ ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا خواجہ غلام حسن نقشبندی ساکن ڈاگر سوہاک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اکثر دینی کتابیں پنجاب میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے۔ اور سندِ فضیلت حاصل کی۔ موضع شورکوٹ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مقیم تھے اور درس و تدریس میں وقت گزارتے تھے۔

عبیداللہ بہاولپوری

جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الفقہ تھے۔ بڑے صاحبِ علم بزرگ تھے۔ مدرسہ امینیہ دہلی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔

غلام حسین نقشبندی

مولانا غلام حسین بن فقیر محمد بن خواجہ غلام حسن نقشبندی نے قرآن مجید اور فارسی درسیات کی تحصیل مولانا غلام محی الدین پنجابی سے کی۔ درسِ نظامی کی تحصیل مولانا عبدالکریم جامپوری سے کی۔ آنتوں کی بیماری میں ۱۲ر ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ/ ۲ر جنوری ۱۹۳۹ء کو کہروڑ

میں فوت ہوئے۔ اُن کا مزار اُن کے والد ماجد فقیر محمد کے مزار کے غربی جانب چاہ تھل کہروڑ میں ہے۔

غلام حسین قریشی بھیروی

مولانا غلام حسین قریشی بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ ۳ صفر ۱۳۳۹ھ/ ۱۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو فوت ہوئے۔ مولوی دلپذیر بھیروی نے مرثیہ لکھا۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بعلم پارسی مانندِ پارس — جمال صحبتش چوں کیمیا بود
چہ گویم وصف آں مرحوم بخدا — دریں ایام مردِ پارسا بود
بہ ہر مجلس کہ با عزاز رفتی — امامش مرحبا و مرحبا بود
ولے از مدتے با ترکِ دنیا — بہ خلوت گاہ ذاتِ کبریا بود
بہ ذکر و شغل در کنجِ سعادت — ہمہ تن شاغلِ حمد و ثنا بود
نہ دیدم مثلِ آں اہلِ توکل — عجب متوکل و صاحب رضا بود

پذیر ایں مصرعہ سالش نوشتہ
صفا مردے بمردانِ خدا بود

۱۳۳۹ھ

غلام رسول فقیہ لاہوری

شیخ غلام رسول لاہوری، طاہر ندہ والا کی صفت نسبتی سے معروف تھے۔ غالباً ڈیرہ سے ترکِ سکونت کر کے لاہور آئے تھے۔ علم فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ اسی لئے "فقیہ" کے لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ فقیر طبع اور صوفی منش تھے۔ سلسلہ

نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ ۱۲۲۰ھ/۰۶-۱۸۰۵ء میں فوت ہوئے۔ اعلیٰ درجے کے خطیب بھی تھے۔ شعروسخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ "آہ دریغ" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

غلام رسول گجراتی

مولانا غلام رسول بن میاں کرم دین بمقام راجیکی ضلع گجرات میں ۱۸۷۷ء/۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ میاں محمد دین گجراتی اور مولانا امام الدین سے فارسی کتابیں پڑھیں۔ شعرو شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ صاحبِ مطالعہ شخص تھے۔

اُن کی حسبِ ذیل تالیفات ملتی ہیں:

۱۔ حیاتِ قدسی
۲۔ اظہارِ حقیقت
۳۔ توحید باری تعالیٰ
۴۔ تنقید الحقائق

مفتی غلام رسول گجراتی

مفتی غلام رسول شادیوال ضلع گجرات کے باسی تھے۔ اُن سے چند کتابیں یادگار ہیں۔ فارسی زبان کے شاعر تھے۔

غلام محمد اعوان

بلال زبیری مرحوم مؤلف "تذکرہ اولیائے جھنگ" کے دادا تھے۔ ہفت روزہ "المنیر" (جھنگ) کے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک مدیر رہے۔ رکم گو عالم تھے۔ قرآن مجید

کی اشاعت و تبلیغ میں لگے رہتے تھے۔ پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ مذہبی موضوعات پر متعدد رسائل اُن کے قلم سے نکلے ہیں۔ ۱۹۳۲ء/ ۵۱ - ۱۳۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

پیر فتح شاہ قریشی ملتانی

مظفر خانی دور میں ملتان کے شیریں بیان عالم تھے۔ ۲۵ محرم ۱۳۰۵ھ/ ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو فوت ہوئے اور مسجد قریشیہ (کوٹلہ تغلق ملتان) کے چبوترے پر دفنائے گئے۔

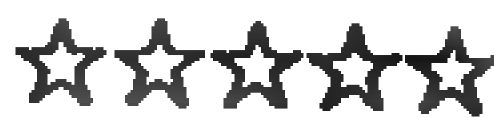
فتح محمد سلیانوی

مولانا فتح محمد قصبہ سلیانہ ضلع جھنگ کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خواجہ محمد الدین سیالویؒ کے اتالیق رہے تھے۔ دہلی جامع مسجد جھنگ صدر کے خطیب مولانا غلام حسین اُن کے پوتے ہیں۔

مولانا فتح محمد سلیانوی کی علمی یادگاروں میں قرآن مجید کا حاشیہ ہے اور پانچ مطبوعہ رسائل ہیں جن میں سے ایک سماع و وجد کے موضوع پر ہے۔

فضل الہی جھنگوی

میاں محمدؒ کے خانوادے کے ایک فرد تھے۔ اچھے طبیب اور کامیاب شاعر تھے۔ ۱۹۴۳ء/ ۱۳۶۲ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے گلستانِ سعدی اور کنز الدقائق کے پنجابی زبان میں ترجمے کئے ہیں۔



فقیر اللہ رائے پوری

مولانا فقیر اللہ رائے پوری نے ابتدائی اور متوسط کتب درسیہ اپنے وطن رائے پور میں پڑھیں۔ بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیر تعلیم رہے۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور دار العلوم دیوبند میں تین چار سال زیر تعلیم رہے۔ حضرت شیخ الہند محمود حسن سے بیعت تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں تھے۔

تقریباً پچاس سال دین کی تعلیم اور افتاء کی خدمت انجام دے کر ۲ رمضان ۱۳۸۲ھ/ ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء کو فوت ہوئے۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے ؎

فقیہ و عالم حق مفتی فقیر اللہ
بجز خلافِ شریعت یہ کرتے تھے توبیخ
خدا کے خاص مقرب تھے حضرتِ والا
کہ خاص خاص سے نکلی وفات کی تاریخ

۱۳۸۲ھ

قطب الدین جھنگوی

مولانا قطب الدین چک نمبر ۲۳۲ جوتیاں والا ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم دین، خطیب، مبلغ اور مناظر تھے۔ سند یافتہ طبیب تھے اور تین سال مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم کے ساتھ رہے تھے۔ عمر بھر طبابت اور تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ پیر جماعت علی شاہؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے ہمراہ چند بار حج کا فریضہ ادا کیا۔

☆☆☆☆☆

قطب الدین غور غشتوی

مولانا قطب الدین بن مولانا شہاب الدین بن بہاء الدین غور غشتی ضلع اٹک کے باشندے تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔ کچھ عرصہ ریاست میلنڈھو میں مدرس رہے تھے۔

قاضی قمر الدین چکڑالوی

قاضی قمر الدین، چکڑالہ ضلع میانوالی کے ایک علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا احمد حسن امروہوی کے شاگرد تھے۔ خواجہ محمد عثمان دامانی رح کے مرید تھے۔ حضرت دامانی کی رحلت کے بعد خواجہ سراج الدین کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی تھی۔

کرم الٰہی بھیروی

مولانا کرم الٰہی بھیروی فقہ میں گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک مجموعہ فتاویٰ ترتیب دیا تھا۔ گاہے ماہے فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ ۱۹ر صفر ۱۳۱۰ھ/ ۱۲ر ستمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہوئے۔ شیخ محمد حسین احمد آبادی نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ہے

جناب مولوی کرم الٰہی! کہ عالم بود حیراں از کمالش
بعلم فقہ او ثانی نمی داشت بزہد و ورع کم دیدم مثالش
محقق عالم جیّد زمانہ مبارک بود دیدار و جمالش
ازیں عالم شدہ پدرود افسوس دریغا حسرتا از ارتحالش
غریق بحر لطف حق شد زاں غریق آمد بہ سال انتقالش

۱۳۱۰ھ

پنجابی شاعر مولوی دلپذیر بھیروی (مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار) مرحوم کے فرزند تھے۔

کریم بخش مظفر گڑھی

مولانا کریم بخش مظفر گڑھ سے تعلق رکھتے تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی زبان وادب کے اُستاد تھے۔ اُن کی کتابوں میں "کتاب الحج والزیارت" اور "ضرورت حدیث" ملتی ہیں۔

کریم بخش لاہوری

انجمن حمایت اسلام لاہور کے مدرسہ حمیدیہ میں مدرس تھے۔ ۸ ربیع الاولیٰ ۱۳۲۵ھ / ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء کو لاہور میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے استاد مولانا فضل میراں اُن کے فرزند تھے۔

شیخ کلیم اللہ بھکری

شیخ کلیم اللہ موضع چوتی تحصیل بھکر ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آبائی مذہب (ہندومت) ترک کر کے خواجہ غلام حسن نقشبندی کے ہاتھ پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ مختلف علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔

اکثر خواجہ غلام حسن نقشبندی کے ساتھ رہتے تھے اور وعظ و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے۔



سیّد محمد امین اندرابی

سیّد محمد امین اندرابی لاہور کے قدیمی باشندے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی کے فاضل تھے۔ تصوّف سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ ۱۳۸۱ھ/۶۲-۱۹۶۱ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔ اُن کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ انیس المشتاقین

۲۔ القول المقبول

۳۔ جذب الاصفیاء فی حقوق المصطفٰے

محمد بخش بلبل

مولانا محمد بخش بلبل بن مولانا حسن بخش صدیقی مسجد ملّا مجید (لاہور) میں خطیب تھے۔ اُن کے برادر مولانا غلام دستگیر نے علمی دُنیا میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ کنہیالال (م ۱۳۰۶ھ) نے مولانا بلبل کو ابتدائی برطانوی عہد کے مشاہیر علمائے کرام میں شمار کیا ہے۔ مولانا موصوف شعر کہتے تھے اور بلبل تخلص کرتے تھے۔ اُن سے نعتوں کا مجموعہ یادگار ہے۔

قاضی محمد حسن

مولانا قاضی محمد حسن ڈیرہ غازی خان کے شیعہ عالم تھے۔ درس و تدریس سے شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ ستّر سال سے زائد عمر پا کر ۱۳۴۴ھ/۲۶-۱۹۲۵ء میں فوت ہوئے۔ ان کے معروف تلامذہ میں مولانا محمد حسین ڈھکو اور مولانا مزمّل حسین شامل ہیں۔

ابو علی محمد حسین

مولانا ابو علی محمد حسین گدائی ضلع ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے تھے۔ جیّد عالم تھے۔ انہوں نے شوال ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں وفات پائی۔

محمد حسین

مولانا محمد حسین تلہ گنگ ضلع اٹک سے تعلق رکھتے تھے۔ جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ساٹھ سال تک دینی و تبلیغی کام کرتے ہوئے ۸ جولائی ۱۹۴۰ء/۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اُن کا وجود علاقہ بھر کے لئے غنیمت تھا۔ آخری زمانۂ حیات میں تلہ گنگ کی عیدگاہ تعمیر کرائی۔ مولانا محمد حسین کے پسماندگان میں مولانا غلام جیلانی تھے۔

محمد صالح کنجاہی

مولانا محمد صالح، کنجاہ ضلع گجرات کے مشہور عالم، عارف باللہ اور خطیب تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا غلام محی الدین قصوری سے بیعت تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا غلام محی الدین کنجاہی "مجمع التواریخ" کے مؤلف ہیں۔ مولانا غلام محی الدین، خواجہ عبدالرسول قصوری سے بیعت تھے۔ وہ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں فوت ہوئے۔ شیخ عبداللہ (ساکن چک عمر) نے ان کی تاریخ وفات کہی ع

آہ جاں غلام محی الدین!

—— ۱۲۸۴ھ ——

محمد عالم قلعداری

مولانا محمد عالم بن فضل احمد قریشی قلعدار ضلع گجرات کے اہلِ علم میں سے تھے۔ مولانا عبدالکریم قلعداری اُن کے بھائی تھے۔ مولانا محمد عالم زاہد مرتاض عالم تھے۔ درس و تدریس کا مشغلہ تھا۔ ۱۹۵۵ء/ ۷۵-۱۳۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ عربی فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اُن کی تالیفات میں سے ایک منظوم تفسیر سورۂ اخلاص (پنجابی) ہے۔

محمد عبداللہ

مولانا مفتی محمد عبداللہ چک رمانہ تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ کے باشندے تھے۔ بیس سال تک خانقاہ سیال شریف میں بطور مفتی خدمات انجام دیں۔ دو سال جامعہ رضویہ فیصل آباد میں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۷۳ء/ ۱۳۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

محمد گل شیر

مولانا محمد گل شیر موضع جنڈ ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ ضلع اٹک اور ضلع میانوالی میں اُن کا وعظ بہت مقبول تھا۔ آغاز میں مجلس احرارِ اسلام کے شدید ناقدین میں سے تھے۔ جب اُن کے علاقے میں کوئی احراری مقرر تقریر کر جاتا تو دوسرے روز اُس کا اثر زائل کرنے کے لئے پہنچ جاتے اور خود تقریر کرتے ۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ میں فریضۂ حج ادا کر کے واپس وطن آئے تو مجلسِ احرارِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ ایک سال بعد مجلس نے فوجی بھرتی کی مخالفت میں تحریک

چلائی تو وہ دو سال کے لئے قید ہو گئے ۔ انہوں نے قید کا زمانہ جوان مردی سے گزارا۔

انہوں نے اپنے علاقے میں مجلس احرار اسلام کی شاخیں قائم کیں اور مجلس کو علاقے کی مقبول جماعت بنا دیا۔ جولائی ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں قتل کر دیئے گئے۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ ملک خضر حیات نے قاتلوں کی گرفتاری کا وعدہ کیا۔ بعض افراد پکڑے بھی گئے مگر اُن کے اصل قاتلوں کا سراغ نہ مل سکا۔

محمد گوہر علی صوفی

ابو عبید اللہ محمد گوہر علی صوفی اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ موضع لودی نزد گوجر خان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد قاضی فضل الدین علوم دینی میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ قاضی فضل الدین سے پنجابی زبان میں ۳۰ سی حرفیاں المسمیٰ بہ "سلک الجواہر" (تالیف: ۱۲۹۴ھ) یادگار ہیں۔

محمد گوہر علی منشی فاضل تھے اور بابا فقیر محمد چوری کے خلیفۂ مجاز تھے۔ مدرسہ اسلامیہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔ اُن سے حسب ذیل تحریریں یادگار ہیں۔

۱۔ الجوہر العلی فی القصائد والقتاویٰ فی اللسان العربی الجلی (عربی)

۲۔ البراہین العشرہ فی اثبات النص علی حقیقت الخلافۃ الراشدہ المبشرہ

محمد گوہر علی صوفی شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور صوفی تخلص کرتے تھے۔



محمد وارث کامل

محمد وارث کامل نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ سہ روزہ "مدینہ" بجنور کے مدیر رہے قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئے۔ روزنامہ "زمیندار" اور ہفت روزہ "چٹان" سے وابستہ رہے۔ ایک رسالہ "فروغِ اسلام" بھی جاری کیا تھا جو تھوڑا عرصہ چل کر بند ہو گیا۔

مولانا تاجور نجیب آبادی سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے اور کامل تخلص کرتے تھے۔ عربی سے اُردو میں کامیاب مترجم تھے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۰ء/۱۳۸۷ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔ اُن کی چند تالیفات و تراجم یہ ہیں:

۱۔ خدیجہؓ (تالیف: عبدالحمید زہراوی کا ترجمہ)
۲۔ حیات محمد (تالیف: محمد حسین ہیکل کا ترجمہ)
۳۔ داتا گنج بخش
۴۔ تذکرہ اولیائے لاہور

نظام الدین چشتی

مولانا نظام الدین چشتی جھنگ کے باشندے تھے اور سومرہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ محمد خدا یار خانپوری کے مرید اور مولانا خدا بخش خیرپوری کے شاگرد تھے۔ مولانا چشتی واعظ و مبلغ تھے اور گاؤں گاؤں جا کر وعظ کہتے تھے ۲۸ شعبان ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء کو فوت ہوئے اور بستی چمرنگ ملتان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔



محمد نظام بخش ملتانی

مولانا محمد نظام بخش ملتانی بن خدا بخش بن محمد موسیٰ فقر و ولایت میں یکتائے روزگار تھے۔ قرآن و سنت اور فقہ کا درس دیتے تھے۔ ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء کو اُن کا انتقال ہوا۔ مصرعہ تاریخ یہ ہے ع

زتر حیلش شدہ ملتان بے نور
بسال وصلش ہاتف گفت مغفور

۱۳۲۶ھ

نور احمد کھائی والا

مولانا نور احمد کھائی والا (ضلع جہلم) فاضلِ اجل تھے۔ ایک سو سال سے زائد عمر پاکر ۱۹ اپریل ۱۸۹۵ء / ۲۳ شوال ۱۳۱۲ھ کو فوت ہوئے[۱]

نور الدین چکوڑوی

مولانا نور الدین چکوڑوی ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اپنے دور کے بلند پایہ عالم اور مدرس تھے۔ ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۰۲ھ / ۱۱ مارچ ۱۸۸۵ء کو فوت ہوئے[۲]

نور حسین

مولانا نور حسین موضع ساگری ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ کافی عرصہ

---

[۱] مجلہ تحقیق جلد ۲، عدد ۳ ص ۵۷

[۲] ایضاً ص ۵۱

جہلم میں مقیم رہے ۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں فوت ہوئے ۔ مناظرانہ ذوق رکھتے تھے ۔ "سراج الاخبار" میں اُن کی وفات کی خبر میں اُنہیں "سرِ دفترِ مناظرین" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے[1]

نور عالم چشتی

نور عالم چشتی صوفی منش عالم تھے ۔ پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے مرید تھے ۔ انہوں نے مفاتیح الاعجاز شرحِ گلشنِ راز (تالیف: محمد غیاث نور بخش لاہیجی) کا اُردو ترجمہ "بوستانِ اسرار" کے نام سے کیا تھا ۔

نور محمد ملتانی

مولانا نور محمد جامع مسجد نواب علی محمد خان خاکوانی (ملتان) کے متولی اور خطیب تھے ۔ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے اور درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے ۔ سینکڑوں طلبہ نے اُن سے استفادہ کیا ۔ عہدِ مظفر خانی کے بلند پایہ عالم اور سرائیکی شاعر تھے ۔ ایک روایت کے مطابق معروف پنجابی نظم "نور نامہ" اُن کی کاوشِ طبع کا نتیجہ ہے ۔

مولانا نور محمد کے دو نمایاں طالب علم سیّد علی حیدر اور مولوی لطف علی تھے ۔ سیّد علی حیدر کے "ابیات" (پنجابی) اور مولوی لطف علی کا قصہ سیف الملوک مشہور ہیں ۔

نیک عالم گجراتی

مولانا نیک عالم گجراتی موضع چک جانی ضلع گجرات کے باسی تھے ۔ اُن کی اولاد

---

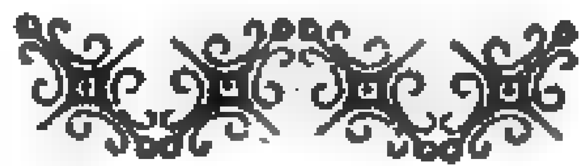
[1] مجلہ تحقیق جلد ۲، عدد ۳ ص ۵۵

میں عبدالرشید (فاضل دیوبند) اور حافظ عبدالعزیز (فاضل دیوبند) تھے۔ حافظ عبدالعزیز مولوی فاضل بھی تھے۔ دیوسماج کالج لاہور کے اُستاد تھے۔ اُن کی ایک تالیف "التسہیل فی حل انوارِ التنزیل" (سورۂ آلِ عمران) ہے جو طلبہ کی نصابی ضرورت کے لئے لکھی گئی ہے۔

ولی احمد برہانی

مولانا ولی احمد برہانی موضع برہان ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ اُنہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن سے علمی و روحانی استفادہ کیا تھا۔ حضرت شیخ الہند کی رحلت کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی سے تجدید بیعت کی۔ مولانا تھانوی نے انہیں اپنا خلیفہ مجاز نامزد کیا۔ مولانا برہانی کچھ عرصہ حسن پور میں مدرّس رہے تھے۔

تقسیم ہند کے بعد زیادہ تر اپنے مولد و مسکن برہان میں مقیم رہے۔ وہیں وفات پائی۔



کتابیات

ابوالحسن علی ندوی۔ سید — سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری۔ — مکتبہ رشیدیہ لاہور (۱۹۷۷ء)

ابوالمحمود سوہدروی — تاریخ ککے زئی — فیلنسی سٹیم پریس وزیرآباد

ابوبکر غزنوی — سید داؤد غزنوی (سید کوابی) — مکتبہ غزنویہ لاہور (۱۹۷۴ء)

احمدالدین بگوی — دلیل المشرکین — ادارہ نشرواشاعت نصرت العلوم گوجرانوالہ (۱۹۷۱ء)

احمد حسین احمد قریشی — یادِ سلف

تذکرہ اولیائے گجرات — (مسودہ)

احمد سعید — بزمِ اشرف کے چراغ — مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور (۱۹۷۵ء)

احمد شاہ بخاری۔ سید — تحقیقِ فدک — دارالعلوم فاروق اعظم سرگودھا (۱۹۷۲ء)

احمد علی — قصرِ عارفاں — اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور (س۔ن)

اختر حسین، سید — سیرت امیر ملت — دربار شریف علی پور سیداں (۱۳۹۴ھ)

اسدالرحمان قدسی — رباعیاتِ قدسی — مکتبہ ناصریہ بھوپال (س۔ن)

شرعتہ المتین — آئینہ ادب لاہور (۱۹۵۷ء)

نغمات — مطبع مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (۱۹۳۰ء)

اشرف عطا — ظفر علی خان — مکتبہ کاروان لاہور (س۔ن)

کچھ شکستہ داستانیں، کچھ پریشاں تذکرے۔ — سندھ ساگر اکیڈمی لاہور

اقبال احمد فاروقی	تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور۔	مکتبہ نبویہ لاہور (۱۹۷۵ء)
اکبر علی	فوائد عثمانی	مطبع صدیقیہ ملتان (۱۳۸۲ھ)
امام بخش شیروی	باغ وبہار (پنجابی) مرتبہ اقبال صلاح الدین۔	سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور (۱۹۷۳ء)
	حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار	
انوار الحسن شیرکوٹی	حیات امداد	مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (۱۹۶۵ء)
انور بیگ اعوان	دھنی ثقافت وادب	بزم ثقافت چکوال (س۔ن)
انیس شاہ جیلانی، سید	قاضی صاحب	حیرت شملوی اکادمی محمد آباد (۱۹۷۰ء)
بشیر احمد ڈار	انوار اقبال	اقبال اکادمی کراچی (۱۹۶۷ء)
بشیر حسین۔ ڈاکٹر	فہرست مخطوطات شیرانی (تین جلدیں)	ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان۔ لاہور (۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء)
	فہرست مخطوطات شفیع	پنجاب یونیورسٹی لاہور (۱۹۷۲ء)
بلال زبیری	تذکرہ اولیائے جھنگ	جھنگ ادبی اکاڈمی جھنگ (۱۹۶۸ء)
بہار الحق قاسمی	تذکرہ اسلاف	مؤلف، لاہور (۱۹۶۲ء)
جماعت علی شاہ، پیر سید	خطبۂ صدارت لائل پور خلافت کانفرنس۔	کریمی پریس لاہور (۱۹۲۱ء)
حاکم علی، پروفیسر	قوانین قدرت	فیض عام پریس لاہور (۱۳۳۵ھ)
حامی عبیدی	ید بیضا	انجمن خدام الدین لاہور (س۔ن)
حبیب اللہ کشمیری	فیضان قدسی	گوشۂ ادب لاہور (۱۹۵۴ء)
حسین احمد مدنی، سید	نقش حیات جلد دوم	نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند (۱۹۵۴ء)

حشمت علی خان لکھنوی	الصوارم الہندیہ	مکتبہ فریدیہ ساہیوال (س-ن)
خالد گرجاکھی	فضل الٰہی وزیر آبادی	سکول بکڈپو۔ گوجرانوالہ (س-ن)
خلیق احمد نظامی	تاریخ مشائخ چشت	دارالمؤلفین۔ اسلام آباد (س-ن)
خورشید حسین بخاری	الکمال	مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (۱۹۶۷ء)
	تذکرہ شاہ سکندر کیتھلی	مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (۱۹۷۶ء)
دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند	روداد عمل دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۰ھ)	دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۱ھ)
دلپذیر بھیروی	انشائے دلپذیر	شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین۔ لاہور (س-ن)
	مکتوبات دلپذیر	
رحمان علی	تذکرہ علماء ہند (ترجمہ محمد ایوب قادری)	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی (۱۹۶۱ء)
زوار حسین زیدی	بیاض مبارک	مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور (۱۹۷۵ء)
ساغر نظامی	روح مکاتیب حصہ اوّل	ادبی مرکز میرٹھ (۱۹۴۱ء)
سبط حسن رضوی، ڈاکٹر	فارسی گویان پاکستان (حصہ اوّل)	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی (۱۹۷۴ء)
سرمد مظاہری	واردات سرمد	ادارہ فروغ اُردو لاہور (۱۹۷۳ء)
سعید الرحمان۔ قاری	تجلیات رحمانی	جامعہ اسلامیہ راولپنڈی (۱۹۶۹ء)
سلطان محمود	ساردا بل اور اسلام	جیّد برقی پریس۔ دہلی (س-ن)
سلیمان ندوی، سید	یادِ رفتگاں	مکتبہ الشرق۔ کراچی (۱۹۵۵ء)
سناء اللہ خراباتی	خلاصۃ الاسرار/ تحفۃ القادری	مکتبہ نبویہ لاہور (۱۳۹۲ھ)

شبیر احمد شاہ، سید	انوارِ محی الدین	مکتبہ حضوریہ۔ بنگلہ شریف نو (۱۹۶۶ء)
شرافت نوشاہی، سید	اذکارِ نوشاہیہ	انجمن سادات نوشاہیہ ساہن پال (۱۹۶۴ء)
	تذکرہ نوشہ گنج بخش	الکتاب۔ لاہور (۱۹۷۸ء)
	منتخب اعجاز التواریخ	مکتبہ نوشاہیہ ساہن پال (۱۹۷۶ء)
	شریف التواریخ	(مسودہ)
شورش کاشمیری	سید عطاء اللہ شاہ بخاری	مکتبہ چٹان۔ لاہور (س۔ن)
شیر محمد نادر	زبدۃ الاخبار	ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور (۱۹۷۷ء)
صہبا لکھنوی	اقبال اور بھوپال	اقبال اکادمی پاکستان کراچی (۱۹۷۳ء)
ظہور احمد بگوی	تذکرہ مشائخ بگویہ	ماہنامہ "شمس الاسلام" بھیرہ (۱۹۳۴ء)
عارف اللہ شاہ قادری	اذکارِ حبیبِ رضا	مجلسِ رضا لاہور (۱۹۷۶ء)
عاشق الٰہی میرٹھی	تذکرۃ الخلیل	القادر، ناشرانِ کتب لاہور (۱۳۹۰ھ)
عبد الحکیم شرف قادری	تذکرہ اکابر اہلسنت	مکتبہ قادریہ لاہور (۱۹۷۶ء)
عبد الحلیم شرر	مقالاتِ شرر حصہ سوم	گیلانی الیکٹرک پریس بک ڈپو لاہور (س۔ن)
عبد الحمید خان	مردِ مومن	فیروز سنز لاہور (س۔ن)
عبد الحئی	سوانح عمری و ملفوظات حضرت بہلوی	ادارہ نشر المعارف شجاع آباد (س۔ن)
عبد الحئی فاروقی، خواجہ	بصائر	قومی کتب خانہ لاہور (۱۹۵۲ء)
عبد الحئی رائے بریلوی، سید	نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر	حیدر آباد (۱۹۶۲ء)
	جلد ہفتم جلد ہشتم	نور محمد اصح المطابع کراچی (۱۹۷۶ء)

عبدالرحمٰن ہمدانی، سید	ہم اور ہمارے اسلاف	کلاسیک۔ لاہور (۱۹۶۹ء)
عبدالرحیم	لباب المعارف العلیہ جلد اوّل	آگرہ (۱۹۱۸ء)
عبدالرشید، خواجہ	تذکرہ شعرائے پنجاب	اقبال اکادمی پاکستان کراچی (۱۹۶۸ء)
عبدالسلام خورشید	صحافت۔ پاکستان و ہند میں	مجلس ترقی ادب۔ لاہور (۱۹۶۳ء)
عبدالعزیز پرہاروی	(خطی)	مملوکہ کتب خانہ گنج بخش۔ مرکز تحقیقات، فارسی، ایران و پاکستان۔ اسلام آباد
	گلزارِ جمالیہ	مکتبہ جمال۔ ملتان (س۔ن)
	نعم الوجیز	مکتبہ سلفیہ قدیر آباد ملتان (س۔ن)
عبدالغنی۔ ڈاکٹر	امیر حزب اللہ	ادارہ حزب اللہ جلالپور شریف (۱۹۶۵ء)
عبدالقادر	سوانح مولانا غلام رسول	لاہور
عبدالقدوس ہاشمی	تقویم تاریخی	ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد (۱۹۶۵ء)
عبدالمالک کھوڑوی	حسن الجردہ فی شرح قصیدہ البردہ۔	شیخ الاسلام اکیڈمی قصور (۱۳۹۹ھ)
	شرح قصیدہ غوثیہ	نوری بک ڈپو۔ لاہور (۱۹۷۵ء)
عبدالمجید سالک	ذکرِ اقبال	بزمِ اقبال۔ لاہور (س۔ن)
عبدالنبی کوکب	حیاتِ سالک	رضا اکیڈمی۔ لاہور (۱۹۷۱ء)
	فہرست مفصّل مخطوطات عربیہ جلد اوّل۔	پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور (۱۹۷۵ء)
عبیداللہ خویشگی	بوستانِ قلم حصہ اوّل	عباسی پریس کراچی (۱۹۶۲ء)

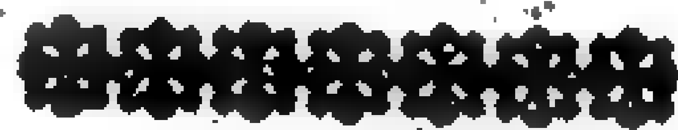
عبیداللہ ملتانی	فاروق العزیز	مکتبہ الشرق کراچی (س۔ن)
عزیز ملک	راول دیس	بک سینٹر راولپنڈی (۱۹۷۰ء)
عطاءاللہ۔ شیخ	اقبال نامہ حصہ اوّل	شیخ محمد اشرف لاہور (س۔ن)
عمر کمال خان	نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد۔	فاروقی کتب خانہ ملتان (۱۹۷۹ء)
غلام احمد قادیانی	حقیقۃ الوحی	انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور
غلام حسن سیالکوٹی	کتاب الصلوٰۃ	سیالکوٹ (۱۹۵۴ء)
غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر	تاریخ اورینٹل کالج لاہور	اورینٹل کالج لاہور (۱۹۶۲ء)
غلام دستگیر بیخود	برکاتِ سیال	
غلام دستگیر نامی	تاریخِ جلیلہ	مؤلف، لاہور (۱۹۶۰ء)
	نسب نامہ	عزیز الدین نجم الدین تاجران کتب لاہور (۱۹۳۸ء)
غلام رسول سعیدی	حیات استاد العلماء	مکتبہ امدادیہ مظہریہ بندیال (۱۳۸۹ھ)
غلام سرور لاہوری۔ مفتی	حدیقۃ الاولیاء	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور (۱۹۷۶ء)
	خزینۃ الاصفیاء	مطبع ثمر ہند لکھنؤ (۱۸۷۳ء)
غلام فرید	احوال العارفین	نذیر سنز پبلشرز لاہور (۱۹۷۹ء)
غلام قادر گرامی	دیوانِ گرامی	شیخ مبارک علی لاہور (س۔ن)
غلام محی الدین قصوری	ملفوظاتِ شریفہ (مع اُردو ترجمہ)	مکتبہ نبویہ لاہور (۱۹۷۸ء)
غلام مصطفیٰ خالد گیلانی	افکار راولپنڈی ڈائریکٹری	ادارہ افکار ڈائریکٹری راولپنڈی (۱۹۶۲ء)

غلام مصطفےٰ امرجانی	اصلاح الاخوان	نامی پریس لاہور (۱۹۵۰ء)
غلام نظام الدین مرولوی	ہوالمعظم	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور (۱۳۹۹ھ)
غلام مہر علی	الیواقیت المہریہ	مکتبہ مہریہ۔ چشتیاں (۱۹۶۴ء)
فقیر محمد جہلمی	حدائق الحنفیہ	مطبع منشی نولکشور لکھنؤ (۱۸۸۶ء)
فیروز الدین۔ مولوی	جہادِ زندگی	فیروز سنز لاہور (۱۹۵۹ء)
فیروز سنز (ادارہ)	اُردو انسائیکلوپیڈیا	″ ″ (۱۹۶۲ء)
فیض احمد فیض، مولانا	مقالات مرضیہ	آستانہ عالیہ گولڑہ شریف (۱۹۶۵ء)
	مہرِ منیر	″ ″ (۱۳۷۶ھ)
فیوض الرحمٰن۔ قاری	شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی اور اُن کے خلفاء	پاکستان بک سنٹر لاہور (س۔ن)
کنہیالال، رائے بہادر	تاریخ لاہور	مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۷۶ء)
لال حسین اختر	ترکِ مرزائیت	ردِ مرزائیت بک ایجنسی لاہور (۱۹۳۲ء)
محمد الدین	تذکرۃ الصدیقین	مطبع شمس ملتان (س۔ن)
	تذکرۃ الولی	مطبع فیروز سنز لاہور (س۔ن)
محمد الدین۔ صوفی	ذکرِ حبیب	منڈی بہاء الدین (۱۳۴۲ھ)
محمد اولاد علی گیلانی	اولیائے ملتان	سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور (۱۹۶۳ء)
محمد حامد فقیہ	مناظرہ بریلی کی مفصل روداد	نوری کتب خانہ لاہور (س۔ن)
محمد حسین تسبیحی	دیدار کتابخانہ ہائی پاکستان	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد
	فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش حصہ اوّل	مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی (۱۹۷۲ء)

	فہرست نسخہ ہای خطی ثنا اللہ خراباتی۔	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۲ء)
محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ	ذکرِ کرام	محبوب المطابع دہلی (۱۳۵۷ھ)
محمد حنیف شاہد	اقبال اور انجمن حمایت اسلام	انجمن حمایت اسلام لاہور (۱۹۷۶ء)
محمد حیات	فیوضاتِ حسنیہ	خانقاہ سراجیہ حسنیہ تھل (س۔ن)
محمد دین فوق	اخبار نویسوں کے حالات	رفاہِ عام پریس لاہور (۱۹۱۲ء)
	تذکرۃ العلماء والمشائخ	لاہور (۱۹۲۰ء)
	مشاہیر کشمیر	ظفر برادرز لاہور (۱۹۳۰ء)
محمد رفافت حسین فاروقی	فتح بریلی کا دلکش نظارہ	ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ لائل پور (۱۹۵۸ء)
محمد رفیق دلاوری	سیرتِ کبریٰ جلد دوم	مکتبہ صدیقیہ ملتان (س۔ن)
محمد ظفیر الدین، مفتی	تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند جلد ۲۔	دار العلوم دیوبند (۱۹۷۳ء)
محمد عادل شاہ	انوارِ تیراہی معروف بہ گلزارِ نوری۔	آرٹ پریس کراچی (۱۹۱۰ء)
محمد عالم مختارِ حق	نقوشِ جمیل	اُردو پریس لاہور (س۔ن)
محمد عبد المالک صدیقی	تجلیات	احمد پور شرقیہ (س۔ن)
محمد عبد اللہ چغتائی۔ ڈاکٹر	بادشاہی مسجد لاہور	کتب خانہ نورس لاہور (۱۹۷۲ء)
محمد عثمان الوری	فیضانِ خورشید	مدرسہ تعلیم الدین کراچی (س۔ن)
محمد عزیز الرحمان عزیز	دیوانِ فرید (مترجم، مشرح)	مکتبہ عزیزیہ بہاولپور (س۔ن)
محمد عمران خان	مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں	معارف پریس اعظم گڑھ (س۔ن)

محمد گوہر علی صوفی	الجواہر العلی	مطبع خادم التعلیم۔ لاہور (۱۹۱۲ء)
محمد موسیٰ امرتسری	ذکرِ مغفور	مکتبہ مہر و ماہ لاہور (۱۳۶۲ھ)
	غلام محمد ترنم	انجمن تبلیغ الاحناف لاہور (۱۹۷۱ء)
محمد میاں	تحریکِ شیخ الہند	مکتبہ رشیدیہ لاہور (۱۹۷۵ء)
محمد میاں صدیقی	تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی	مکتبہ عثمانیہ لاہور (۱۹۷۷ء)
محمد نصر اللہ خان خازن	مولانا رحمت علی خان ساقی	پنجاب الیکٹرک پریس۔ گجرات (س۔ن)
محمد یعقوب مرزا	سوانح حضرت مولانا حسین علی	مکتبہ اشاعتِ توحید لائل پور (س۔ن)
محمد یوسف بنوری	نفحۃ العنبر فی حیات الانور	مجلس علمی کراچی (۱۹۶۹ء)
محمود شیرانی	پنجاب میں اُردو	کتاب نما لاہور (۱۹۷۲ء)
محمود عالم ہاشمی	ذکرِ جمیل	لاہور (۱۹۶۸ء)
مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی	مطلع انوار (مسوّدہ)	
مراد شاہ لاہوری	نامۂ مراد	تعلیم ایجنسی لاہور (۱۹۵۱ء)
مسعود حسن شہاب	اولیائے بہاولپور	اُردو اکیڈمی بہاولپور (۱۹۷۶ء)
	خواجہ غلام فرید	" " (۱۹۶۳ء)
منشاد علی	خزینۂ فیضِ قصوری	قصور (س۔ن)
منظور احسن عباسی	تفصیلی فہرست مخطوطات فارسی	پنجاب پبلک لائبریری لاہور
	پنجاب پبلک لائبریری لاہور	
منور الدین	صرف بہتراں	مکتبہ قادریہ لاہور (۱۹۷۶ء)
منظور احمد خان رانا	حضرت شیخ القرآن	سٹار پریس وزیر آباد (۱۹۷۱ء)
مولا بخش کشتہ	پنجابی شاعراں دا تذکرہ	لاہور (۱۹۶۰ء)
مہدی لکھنوی۔ آغا	تاریخ سلطان العلماء	جمعیت خدام عزا۔ کراچی (۱۹۶۷ء)

نذیر عرشی	تحفۂ سعدیہ	ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور (۱۹۷۳ء)
نور احمد خان فریدی	تاریخ ملتان جلد دوم	قصر الادب ملتان (۱۹۷۳ء)
نور بخش توکلی	تذکرہ مشائخ نقشبندیہ	نوری بک ڈپو لاہور (۱۹۷۶ء)
نور محمد قاضی	اقامۃ البرہان	تسنیم کمپنی گوجرانوالہ (۱۹۵۸ء)
یوسف قمر	تاریخ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ	انجمن اسلامیہ سیالکوٹ (۱۹۶۶ء)



رسائل و جرائد

آئین (ہفت روزہ۔ لاہور) — یکم نومبر ۱۹۷۹ء

الاسلام (ہفت روزہ۔ لاہور) — ۸ر اکتوبر ۱۹۷۶ء

الاعتصام (ہفت روزہ۔ لاہور) — ۵ر فروری ۱۹۶۵ء، ۱۲ر ذی قعدہ و ۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ

انوار الصوفیہ (ماہنامہ۔ قصور) — مئی۔ جون ۱۹۵۹ء

انوارِ مدینہ (ماہنامہ۔ لاہور) — جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ

اورینٹل کالج میگزین (سہ ماہی۔ لاہور) — ستمبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء

اہل حدیث (ہفت روزہ۔ امرتسر) — ۱۱ر اپریل ۱۹۱۹ء، ۹ر اپریل ۱۹۲۰ء

البلاغ (ماہنامہ۔ کراچی) — اکتوبر ۱۹۷۴ء

البلاغ (ماہنامہ۔ بمبئی) — تعلیمی نمبر

بیّنات (ماہنامہ۔ کراچی) — اکتوبر ۱۹۶۳ء

تاریخ و تحقیق (ماہنامہ۔ لاہور) — اکتوبر ۱۹۵۸ء

جنگ (روزنامہ۔ راولپنڈی) — ۱۶ر جولائی ۱۹۷۶ء

خدام الدین (ہفت روزہ۔ لاہور) — ۲۵ر ستمبر ۱۹۷۰ء، ۲۱ر جولائی ۱۹۷۲ء

دعوت (ہفت روزہ۔ لاہور) — ۱۹ر نومبر ۱۹۵۶ء

الرحیم (ماہنامہ۔ حیدرآباد) — اگست ۱۹۶۷ء

الرشید (ماہنامہ۔ ساہیوال) — دارالعلوم دیوبند نمبر

الزبیر (سہ ماہی۔ بہاولپور) — اگست ۱۹۶۱ء

سلسبیل (ماہنامہ۔ لاہور) — دارالانوار (جدید) نمبر

سیارہ ڈائجسٹ (ماہنامہ۔ لاہور)	قرآن نمبر
شمس الاسلام (پندرہ روزہ لاہور)	یکم، فروری ۱۹۴۰ء، ۱۶ ر اگست ۱۹۴۰ء
صحیفہ (سہ ماہی۔ لاہور)	اکتوبر ۱۹۷۱ء
الفرقان (ماہنامہ۔ بریلی)	شاہ ولی اللہ نمبر
فکر ونظر (ماہنامہ، اسلام آباد)	اکتوبر ۱۹۷۷ء
فنون (ماہنامہ۔ لاہور)	ستمبر تا اکتوبر ۱۹۷۳ء
فیض الاسلام (ماہنامہ، راولپنڈی)	جنوری ۱۹۶۰ء
کتاب (ماہنامہ۔ لاہور)	اگست ۱۹۶۷ء، اکتوبر ۱۹۷۸ء
کریسنٹ (مجلہ، اسلامیہ کالج لاہور)	۱۹۷۳ء
مجلہ تحقیق (سہ ماہی لاہور)	ج ۲، عدد ۳
محدث (ماہنامہ۔ لاہور)	جنوری۔ فروری ۱۹۷۱ء، دسمبر ۱۹۷۶ء
مشیر (ماہنامہ۔ کراچی)	جنوری ۱۹۵۷ء
المعارف (ماہنامہ۔ حیدرآباد)	اکتوبر ۱۹۷۶ء
النجم (ماہنامہ۔ لکھنؤ)	شعبان ۱۳۴۱ھ
نقوش (ماہنامہ۔ لاہور)	جنوری ۱۹۶۶ء، آپ بیتی نمبر، لاہور نمبر
الولی (ماہنامہ۔ حیدرآباد)	اکتوبر ۱۹۷۷ء
وحید (ماہنامہ۔ تہران)	نومبر ۱۹۷۳ء
ہمایوں (ماہنامہ۔ لاہور)	جنوری ۱۹۲۲ء



کیمیائے سعادت

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی وہ لافانی کتاب ہے۔ جو صدیوں سے نہایت دلنشیں اور مؤثر انداز میں دینِ اسلام کا مکمل و بھرپور تعارف کرا رہی ہے ہر وہ خوبی جو انسان کی دنیوی زندگی کو وقار، حسن اور سلیقہ سکھاتی ہے اور آخرت کی بھلائیاں عطا کرتی ہے ——— اور ہر وہ برائی جو انسان کو اشرف المخلوقات کے مقام بلند سے گرا کر حیوانات کی سطح پر لے آتی اور عاقبت کو مخدوش بنا دیتی ہے اُس پر اس کتاب میں نہایت تفصیل اور خوبی سے بحث کی گئی ہے۔ دنیا و آخرت کی فلاح کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

معروف عالم اور ادیب جناب سعید الرحمٰن علوی نے اسے براہ راست فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔

آج کا کیا ہوا یہ ترجمہ پرانے تراجم کے مقابلے میں بہت سلیس اور عام فہم ہے۔ اور یہی ترجمے کی جدّت اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ "کیمیائے سعادت" کی اشاعت کو دنیوی اور اخروی سعادت تصور کرتے ہوئے ہم نے اس کی کتابت اور طباعت نہایت روشن اور واضح کروائی ہے۔ اور کاغذ سفید استعمال کیا ہے۔ جس کی بدولت کتاب سے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے ———

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

سوانح قاسمی

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب انگریز نے اس خطۂ ارض میں اسلام کے نام لیواؤں کو اپنی سوچ کے مطابق بُری طرح کچل ڈالا۔ تو جن شخصیتوں نے اس روندی ہوئی قوم کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی جدوجہد کی ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شخصیت سب سے زیادہ اہم ہے انھوں نے ایک ایسی تحریک کو جنم دیا جس نے نہ صرف مذہبی اعتبار سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا۔ ان تعلیمات سے ہندو معاشرے کی ڈالی ہوئی گرد کو صاف کیا اور انہیں انگریزوں، ہندوؤں اور پارسیوں کی ان مذہبی سازشوں سے محفوظ کیا۔ جو انہیں سراسر اسلام سے دور لے جانے والی تھیں۔ بلکہ سیاسی طور پر ان میں وہ روح پھونک دی جس نے اُن کو اپنے وطن کی آزادی کے لیے خون دینے والے مجاہدین بنا دیا۔

معروف سیرت نگار اور اردو زبان کے منفرد اور نامور مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی کی لکھی ہوئی یہ کتاب اسی ہمہ گیر انقلابی شخصیت کے انقلابی کارناموں پر مشتمل ہے ہمیں یقین ہے کہ اس انقلابی اور ہمہ صفت موصوف انسان کی زندگی میں ہمارے دور کے مسلمانوں کے لیے بہت سے اسباق ہے۔ اسی لیے اس کتاب کو پاکستان میں پہلی دفعہ اور حتی الوسع بہتر انداز میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے پر ہمارا دل فخر محسوس کر رہا ہے۔

قیمت ۱۳۵/۰ روپے

مشکوٰۃ المصابیح

حدیث شریف کی گیارہ کتابوں سے ایک جامع انتخاب جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ہر پہلو سے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اپنی اسی جامعیت کی بنا پر اپنی تدوین کے روزِ اول سے ہی ہر حلقہ فکر اور معاشرے کے ہر طبقہ میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر ہم نے اس متاع بے بہا کو سلیس اور رواں اردو میں پیش کیا ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت سے مزین ریگزین کی مضبوط اور دیدہ زیب تین جلدوں میں محفوظ ہے۔

غنیۃ الطالبین

اللہ علیم و خبیر نے اپنے مقبول بندے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رہ کی ذات کی طرح ان کی کتاب "غنیۃ الطالبین" کو بھی بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے حضرت شیخ کے بقول یہ کتاب ہر اس شخص کے لیے ہے۔ جو شرعی آداب کی پہچان کا خواہشمند ہو۔ جو خالق عزوجل کی شناخت دلائل و علامات سے چاہتا ہو۔ جو قرآن و حدیث کی مجالس میں شریک ہو کر فائدہ حاصل کرے جو نیک بندوں کے اخلاق کی طرف راغب ہو۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے ہٹنے کی کوشش کرے۔

ہم نے اس کتاب کو انتہائی عمدگی سے چھاپ کر اس سے استفادہ کرنے کو آسان تر بنا دیا ہے۔ اور اس کی جلد کو پلاسٹک کور میں محفوظ کر کے جذب نظر کا شاندار سامان مہیا کیا ہے۔ ہدیہ ۴۲/-

بہشتی زیور

یہ کتاب جس کے بارے میں کچھ تعارفی کلمات لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ ایک عرصہ سے مسلمان گھرانوں میں خواتین کے لیے دینی معلومات کے خزانہ کا کام دے رہی ہے۔ برصغیر میں قرآن پاک کے بعد جہیز میں جو کتاب سب سے زیادہ دی گئی ہے۔ وہ یہی بہشتی زیور ہے۔ کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جس سے بچیوں کو دینی اور گھریلو ضرورت کے بارے میں تمام اہم معلومات یکجا جمع مل جاتی ہیں۔ اور ان سے استفادہ کرنا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں رہتا اکثر دیندار گھرانوں میں پڑھنا لکھنا سیکھ جانے کے بعد یہ کتاب بچوں کو سبقاً پڑھا دی جاتی ہے اور وہ جوانی کے دن شروع ہونے کے ساتھ ہی سگھڑ پن کی سیڑھیوں پر بھی قدم رکھ دیں۔ اس طرح یہ کتاب ان کے لیے آئندہ خوشگوار زندگی کا پیغامبر بن جاتی ہے۔ ہم نے اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ دلکش اور جہیز میں دیا جانے والا ایک قابل قدر تحفہ بنا دیا ہے۔

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

